توت توچان

تت سوکو کوروپاناگی

مترجم

طاہرہ حسن

ہیڈ ماسٹر کے یہ کہہ دینے کے بعد کہ "اب اس اسکول کی طالبہ بن گئیں" توت توچان کے لئے صبح کا انتظار کرنا مشکل ہوگیا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی بھی اس بے صبری سے دن ہونے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ چھوٹی سی لڑکی توت توچان نے کچھ ایسا محسوس کیا تھا گو لیکن اسکول کے بارے میں۔ ایک ایسا ماحول جس سے خود وہ اور اس کے کلاس کے ساتھی بے حد پیار کرتے تھے، جہاں ایک ایسے ہیڈ ماسٹر تھے جنھیں مناسب اسکول یونیفارم کے قاعدے قانون اور کسی نصاب سے زیادہ بچوں کے لئے مزید ارلنچ کی فکر رہتی تھی۔

بچے گانا سیکھتے، کھیل کود میں حصہ لیتے، ان کے موسم گرما کے کیمپ ہوا کرتے، وہ گرم پانی کے چشموں کی سیر کو جاتے، شوقیہ ڈرامے کھیلتے اور ساتھ ہی میدانی باورچی خانہ بھی بنایا جاتا۔ انہیں میں سے کچھ بچے اچھا گاتے تو چند کھیل کود میں زوردار ہوتے اور ایک تو ابھرتا ہوا ماہر طبیعات بھی تھا! اور اس سب کے لیے شکر گذار ہونا چاہیے انتہائی محبت کرنیوالے تخیلی پرواز کے حامل ہیڈ ماسٹر کا جنھوں نے ہمیشہ توت توچان سے کہا کہ "جانتی ہونا؟ تم واقعی ایک اچھی لڑکی ہو!" دوسرے بچوں سے بھی یقیناً انہوں نے ایسے ہی ہمت افزا الفاظ کہے ہوں گے۔ بچوں سے ان کی اس قدر محبت ہی، ایک پرجوش زندگی کی پہلی مضبوط بنیاد تھی۔ ان کا اسکول بچوں کے لئے گھر سے دور ایک گھر ہی جیسا تھا۔

تت سوکو کوروپاناگی، جو بڑی عمر کی توت توچان ہی، میں اپنے اسکول کی بے حد تعریف اور بڑائی کرتی ہیں۔ جاپان سے، خیر سگالی کی اس سفیرہ کے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے بہت کچھ ہے جن کا بچوں سے باہمی ربط اور واسطہ رہتا ہے، چاہے وہ ایک ٹیچر ہوں یا ماں باپ ہوں یا پھر دادا، دادی اور نانا نانی، یقیناً خود بچے بھی۔

جاپان سے چھپنے والی یہ بہترین کتاب پوری قوت سے ایک پیغام دے رہی ہے۔

سینکڑوں پھولوں کو کھلنے دیجئے۔

ہزاروں کمبستہ خیالات کو پنپنے کی جدوجہد کرنے دیجئے۔

ISBN 81-237-2558-2

قیمت: 45.00

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

ینگ انڈیا لائبریری

توت توچان

کھڑکی پر کھڑی چھوٹی سی لڑکی

تِت سوکو کورویاناگی

مترجم

طاہرہ حسن

تصاویر

چہیرہ ایواساکی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

ISBN 81-237-2558-2

پہلا اردو ایڈیشن 1999 (ساکا 1920)

© اصل جاپانی۔ تِت سو کو کورویاناگی 1996

© اردو ترجمہ: نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، 1999

Totto-Chan *(Urdu)*

قیمت : 45.00

ناشر: ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

A-5 گرین پارک، نئی دھلی۔ 110016

سوساکو کوبایاشی

کی یاد کو

منسوب

فہرست

پیش لفظ	x
ریلوے اسٹیشن	1
کھڑکی پر کھڑی چھوٹی سی لڑکی	3
نیا اسکول	8
یہ اسکول مجھے پسند آیا	9
ہیڈ ماسٹر	11
دن کے کھانے کا وقت	14
توت توچان اسکول جانے لگی	15
ریل گاڑی میں کلاس روم	18
تو موئے میں سبق	19
سمندری اور زمینی کھانا	22
اسے اچھی طرح چباؤ	26
اسکول میں سیر	27
اسکول کا گیت	30
اس سب کو واپس رکھ دو	33
توت توچان کا پورا نام	36
ریڈیو کے مسخرے	37
ریل کا ایک نیا ڈبہ آ گیا	38
اسکول کا سوئمنگ پول	42

رپورٹ کارڈ	45
گرمیوں کی چھٹیاں شروع	46
عظیم مہم	48
بہادری کا امتحان	53
ریہرسل کا ہال	56
سرگرم پانی کے چشمے کا	59
یورتھمکس	62
میں صرف یہ ہی چاہتی ہوں	67
سب سے زیادہ خراب کپڑے	69
تاکاہاشی	72
کودنے سے پہلے دیکھ لو	74
اور پھر۔ آخ	76
ہم تو بس کھیل رہے تھے	81
کھیل کا دن	83
شاعر اِسّا	89
بڑا ہی پراسرار	91
اپنے ہاتھوں کے ذریعے بات چیت	94
سینتالیسواں رونن	95
ماساؤچان	98
چوٹیوں کا شوق	100
آپ کا شکریہ	103
ریل کے ڈبے میں لائبریری	105
دُم	108
توئے موئے میں توت توچان کا دوسرا سال	111

ہنسوں کی جھیل	113
کھیتی باڑی کے ٹیچر	115
کھلے میدان میں باورچی خانہ	118
واقعی تم ایک اچھی لڑکی ہو	123
اس کی دلہن	125
گھٹیا سا پرانا اسکول	127
بالوں کا ربن	130
زخمیوں سے ملنے جانا	133
صحت کی چھال	136
انگریزی بولنے والا بچہ	141
شوقیہ ڈرامہ	144
چاک	147
یاسو کی اچان مر گیا	149
جاسوس	152
ابّا کا وائلن	155
وعدہ	157
راکی غائب ہو گیا	160
چائے پارٹی	164
سایونارا۔ سایونارا	167
خاتمہ	169

پیش لفظ

اسکول جس کا نام تو موئے تھا اور اس ہستی کے بارے میں جنھوں نے اسکی داغ بیل ڈالی اور اسے چلایا۔ لکھنا ان کاموں میں سے ایک ہے جنہیں کرنے کی ایک عرصے سے میری سب سے زیادہ خواہش تھی۔

میں نے کوئی بھی واقعہ اپنے جی سے نہیں بنایا۔ یہ سب کے سب ایسے ہیں جو واقعی رونما ہوئے ہیں اور شکر ہے کہ مجھے ان میں سے بہت سے یاد رہ گئے ہیں۔ ان کو تحریر میں لانے کے علاوہ میں اس بات کے لئے بھی بڑی فکر مند تھی کہ ایک توڑے ہوئے وعدے کی تلافی کروں۔ جیسا کہ میں نے ایک باب میں بتایا ہے کہ جب میں بچی تھی تو میں نے شری کوبایاشی سے پکا وعدہ کیا تھا کہ جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو تو موئے میں ٹیچر کی حیثیت سے پڑھاؤں گی لیکن یہ ایسا وعدہ تھا جو میں پورا نہ کر سکی۔ تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے سامنے یہ واضح کروں کہ مسٹر کوبایاشی کس قسم کے انسان تھے بچوں کے لئے ان کے دل میں کس قدر پیار تھا اور انہوں نے کس طرح انہیں تعلیم دینا شروع کیا۔

۱۹۶۳ء میں مسٹر کوبایاشی کا انتقال ہو گیا۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو انہوں نے اب بھی مجھے بہت کچھ بتایا ہوتا اب جب کہ میں دیکھ رہی ہوں مجھے اس کا احساس ہے کہ ایسے بہت سے واقعات جو صرف بچپن کی حسین یادیں معلوم ہوتے ہی دراصل ایسی سرگرمیاں ہیں جو مسٹر کوبایاشی بعض نتائج حاصل کرنے کی غرض سے بڑے سوچ بچار اور احتیاط سے کراتے تھے۔ "اچھا تو مسٹر کوبایاشی کے ذہن میں یہ بات رہی ہو گی "ذرا خیال تو کیجئے وہ اور ایسی بات سوچ لیں۔ ہر کھوج کے ساتھ میں جو کرتی ہوں، حیران رہ جاتی ہوں۔ دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور میں ان کی شکر گزار ہوتی ہوں۔

میری ہی بات لیجئے۔ میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ اِس کا اندازہ لگا سکوں کہ جس طریقے سے وہ بار بار مجھ سے یہ کہتے تھے کہ "تم واقعی اچھی لڑکی ہو مانتی ہو نہ؟" اُس نے

کیسے مجھے سہارا دیا۔ اگر میں تو موئے میں داخلہ نہ لیتی اور مسٹر کوبایاشی سے کبھی نہ ملی ہوتی تو شاید میں ایک خراب لڑکی کہی جاتی، ایسی لڑکی جو کامپلکس میں مبتلا ہو اور یہ جانے ہی نہ کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔

۱۹۴۵ء میں ٹوکیو پر ہوائی حملوں میں تو موئے برباد ہو گیا۔ مسٹر کوبایاشی نے یہ اسکول خود اپنے پیسوں سے بنوایا تھا اس لئے اسکی پھر سے تعمیر میں وقت لگ گیا۔ جنگ کے بعد انہوں نے پرانی جگہ پر ایک کنڈر گارٹن بنایا تھا اور ساتھ ہی اُس ارادے کو بھی قائم کیا جو آج کنی تاچی ابتدائی اسکول کے قیام میں بھی مدد دی۔ ۶۹ سال کی عمر میں، اس سے پہلے کہ وہ ایک بار پھر اپنا مثالی اسکول قائم کرتے، ان کا انتقال ہو گیا۔

تو موئے گاؤ کن، ٹوکیو کے جنوب مغرب میں جیو گاؤکا ریلوے اسٹیشن سے ٹوکیو لائن پر صرف تین منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اب یہاں پی کاک سپر مارکیٹ اور موٹریں رکھنے کی جگہ بن گئی ہے۔ میں ابھی حال ہی میں بس یونہی وہاں چلی گئی محض اس لئے کہ پرانی یادیں ستا رہی تھیں حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ اب وہاں اسکول یا اُس کے میدان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا ہے۔ میں پارکنگ کی جگہ سے آہستہ آہستہ موٹر چلاتی گذری جہاں ریل کے ڈبے والے ہمارے کلاس روم اور کھیلنے کا میدان ہوا کرتا تھا۔ پارکنگ کی جگہ کا منتظم مجھے دیکھ کر پکارنے لگا۔ "ارے تم اندر نہیں آسکتیں۔ اندر مت آنا۔ جگہ بالکل بھر گئی ہے!"

جی چاہا کہ اُس سے کہہ دوں کہ میں موٹر نہیں رکھنا چاہتی میں تو بس پرانی یادیں تازہ کر رہی ہوں۔ پر وہ کیا سمجھتا، اسلئے میں کار چلاتی آگے بڑھ گئی۔ لیکن میں جب آگے چلی تو آنسو میرے گالوں پر بہنے لگے۔

مجھے یقین ہے کہ دنیا میں ایک سے ایک تعلیم داں موجود ہے جن کے آدرش عظیم ہیں، جو بچوں سے بے حد محبت رکھتے ہیں اور بچوں کے لئے مثالی اسکول قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس خواب کو پورا کرنا کس قدر کٹھن ہو گا۔ ۱۹۳۷ء میں تو موئے اسکول کو شروع کرنے سے پہلے مسٹر کوبایاشی نے سالہا سال تعلیم حاصل کی تھی۔ اور یہ اسکول ۱۹۴۵ء میں جل کر ختم ہو گیا۔ کتنی مختصر تھی اس کی زندگی۔

میں یہ یقین کرنا چاہتی ہوں کہ جس زمانے میں میں وہاں تھی وہ ایسا دور تھا جب

مسٹر کوبایاشی کا جوش اور ولولہ اپنے عروج پر تھا اور ان کی اسکیمیں پوری طرح پھل پھول رہی تھیں جب میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر جنگ نہ چھڑی ہوتی تو کتنے ڈھیر سارے بچوں کی وہ دیکھ بھال کر لیتے تو میں اس بربادی پر رنجیدہ ہو جاتی ہوں۔

میں نے اس کتاب میں مسٹر کوبایاشی کے طریقۂ تعلیم کو بتانے کی کوشش کی ہے۔

وہ اس بات میں یقین رکھتے تھے کہ سبھی بچے پیدائش کے وقت قدرتی طور پر ایک اچھی فطرت لے کر آتے ہیں اور ان کی اس اچھی فطرت کو ان کا ماحول اور ان کے بڑوں کے غلط اثرات کی وجہ سے بڑی آسانی سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ان کا مقصد تھا بچوں کی اندرونی فطرت کو اُجاگر کرنا اور اُسے بڑھاوا دینا تاکہ بڑے ہو کر وہ ایسے افراد بنیں جن کی خود اپنی ایک انفرادیت ہو۔

مسٹر کوبایاشی فطری اور بے تصنع ہونے کی قدر کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ بچوں کے کردار کو جہاں تک ہو سکے قدرتی طور پر ہی اُبھرنے دیا جائے۔وہ کائنات (نیچر) سے بہت پیار کرتے تھے۔ان کی چھوٹی بیٹی می او چان نے مجھے بتایا کہ جب وہ چھوٹی سی تھی تو اُس کے والد اسے سیر کو لے جایا کرتے تھے۔جاتے ہوئے کہتے: "آؤ چلیں نیچر میں سُر تال دیکھیں ۔"وہ اسے ایک بڑے پیڑ کے پاس لے جاتے اور دکھاتے کہ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں شاخیں اور پتیاں کیسے ہلتی ہیں۔وہ اسے پتیوں،شاخوں اور تنے کے بیچ جو رشتہ ہے وہ سمجھاتے اور بتاتے کہ کس طرح پتیوں کا ہلنا،دھیمی اور تیز ہواؤں کے وقت مختلف ہوتا ہے۔باپ بیٹی خاموش کھڑے ہو جاتے اور ایسی چیزیں غور سے دیکھا کرتے۔اگر ہوا نہ چل رہی ہوتی تو منہ اوپر اُٹھا کر بڑے صبر سے انتظار کرتے کہ ذرا سا ہوا کا جھونکا آجائے۔

وہ لوگ صرف ہواؤں پر ہی نہیں بلکہ دریاؤں کے بارے میں بھی غور کرتے رہتے۔وہ لوگ قریب ہی بہنے والے دریا تاما پر جاتے اور اُس کے بہتے پانی کا نظارہ کرتے۔می او چان نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ ایسی باتیں کرنے سے بالکل نہیں تھکتے تھے۔

ناظرین تعجب کر رہے ہوں گے لڑائی کے زمانے میں حکام نے کیسے اس طرح کے غیر روائتی ابتدائی اسکول کو رہنے دیا جہاں پڑھائی اس قدر آزادانہ ماحول میں ہوتی تھی۔ مسٹر کوبایاشی تشہیر کو سخت ناپسند کرتے تھے۔جنگ سے پہلے بھی انہوں نے کبھی اسکول کی

تصویریں نہیں کھینچنے دی اور نہ ہی اسکے غیر روائتی ہونے کا کوئی پرچار کیا۔ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ پچاس بچوں کا یہ چھوٹا سا اسکول نظر میں نہیں آیا اور جاری رہا۔دوسری بات یہ تھی کہ وزارتِ تعلیم میں بچوں کے معلم کی حیثیت سے مسٹر کوبایاشی کی بہت زیادہ عزت تھی۔

یہ سچ ہے کہ مجھے اپنے پہلے ابتدائی اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔ اُس اسکول کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ یاد نہیں ہے۔سڑکوں پر گانے والے موسیقاروں اور ڈیسک کھولنے بند کرنے کا واقعہ ماں نے مجھے بتایا۔مجھے مشکل سے ہی اس کا یقین آیا کہ مجھے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔کیا واقعی میں اتنی زیادہ شریر تھی؟بہرحال پانچ سال ہوئے میں نے ٹیلی ویژن پر صبح کے ایک پروگرام میں حصہ لیا تو وہاں کسی سے میرا تعارف کرایا گیا جو اسکول کے زمانے میں مجھے جانتا تھا اور وہ نکلیں میرے کلاس کے نزدیک والے درجے کی کلاس ٹیچر!جو کچھ انہوں نے مجھے بتایا میں تو سن کر سناٹے میں آگئی تھی۔

"تم بالکل میرے کمرے کے پاس والے کمرے میں تھیں"انہوں نے بتایا۔جب بھی کبھی مجھے ٹیچروں کے کمرے میں جانا ہوتا تھا تو میں عام طور پر تمہیں کسی نہ کسی قصور کے بدلے کوری ڈور (برآمدہ) میں کھڑا ہوا پاتی تھیں۔جب میں پاس سے گذرتی تو تم مجھے ہمیشہ روک لیا کرتیں اور پوچھتیں کہ تمہیں کوری ڈور میں کیوں کھڑا کیا گیا ہے اور تم نے کیا قصور کیا ہے۔ایک بار تم نے پوچھا تھا،"کیا آپ کو سڑک پر گانے والے پسند نہیں؟"میری کبھی یہ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ تم سے کیسے نمٹوں لہٰذا جب کبھی مجھے ٹیچروں کے کمرے میں جانا ہوتا تو میں پہلے باہر جھانک کر دیکھتی کہ کہیں تم کوری ڈور (برآمدہ) میں تو نہیں ہو۔اگر تم وہاں ہوتیں تو میں جانا ملتوی کر دیتی۔ تمہاری کلاس ٹیچر اکثر ٹیچروں کے کمرے میں تمہارے بارے میں مجھ سے باتیں کرتیں۔وہ کہتیں،"میں حیران ہوں کہ آخر وہ کیوں ایسی ہے؟"یہی وجہ ہے کہ جب تم نے بعد میں ٹی وی پر آنا شروع کیا تو میں نے تمہارا نام فوراً پہچان لیا۔بہت زمانہ گذر چکا ہے لیکن تم مجھے اُس وقت کی بڑی اچھی طرح یاد ہو جب تم پہلے درجے میں تھیں۔"

کیا مجھے کوری ڈور (برآمدہ) میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔مجھے بالکل یاد نہ تھا۔سُرمئی

بالوں والی ٹیچر نے جواب بھی خاصی جوان لگتی تھیں، جن کے چہرے پر رحمدلی تھی اور جو صبح صبح تکلیف اُٹھا کر میرا پروگرام دیکھنے آئی تھیں مجھے آخر کار اسکا یقین دلا ہی دیا کہ واقعی میں اسکول سے نکال دی گئی تھی۔

یہاں میں اپنی والدہ کا دلی شکریہ ادا کروں گی کہ انہوں نے مجھے اس کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں بتایا جب تک کہ میری بیسویں سالگرہ نہیں ہو گئی۔

ایک دن انہوں نے مجھ سے سوال کیا، "کیا تم جانتی ہو کہ تم نے پہلا ابتدائی اسکول کیوں بدلا؟" جب میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو وہ اطمینان سے بولیں اس لئے کہ تم کو اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔

جب ایسا ہوا تھا تو اُس وقت تو وہ کہہ ہی سکتی تھیں کہ "اب تمہارا حشر کیا ہو گا؟ تم ایک اسکول سے تو نکالی جا چکی ہو اب اگر تم کو دوسرے اسکول سے بھی نکال دیا گیا تو تم کہاں جاؤ گی؟"

اگر ماں نے مجھ سے اس طرح بات کی ہوتی تو تو موئے گو کیکن اسکول کے پھاٹک میں پہلے دن داخل ہوتے ہوئے میں کتنا زیادہ خراب محسوس کر رہی ہوتی اور کس قدر پریشان اور گھبرائی ہوئی رہتی۔ جڑوں والا وہ پھاٹک اور ریل ڈبوں سے بنائے گئے کلاس مجھے اتنے اچھے لگے ہی نہ ہوتے جتنے کہ اُس روز لگے تھے۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایسی ماں ملیں۔

لڑائی جاری تھی۔ تو موئے میں بہت کم تصویریں کھینچی گئیں ان میں سب سے اچھی وہ ہیں جب آخری درجہ پاس کرنے والوں کی تصویریں لی گئیں۔ عام طور پر تصویر اسمبلی حال کی سیڑھیوں پر ہی لی جاتی تھی۔ لیکن جب گریجویٹ لڑکے لڑکیاں "آؤ آگے بڑھو اور تصویریں کھنچواؤ" چلاتے ہوئے قطاریں بنانے لگتے تو دوسرے بچے بھی اس میں گھسنا چاہتے تھے کہ ان کی بھی تصویر کھنچ جائے۔ اب یہ بتانا مشکل ہو گیا ہے کہ کس کلاس کے پاس کیا تھا۔

جب ہم دوبارہ ملے تو اس موضوع پر خوب بحث بجثی ہوتی، مسٹر کوبایاشی تصویریں کھینچنے والے ان موقعوں پر کبھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ شاید وہ سوچتے ہوں گے کہ صرف آخری درجہ پاس کرنے والوں کی تصویر سے تو وہی تصویر اچھی ہو گی جس میں سارے اسکول کے بچے اکٹھا ہوں۔ اب یہ تصویریں دیکھو تو وہ تو موئے کی اصلی نمائندگی کرتی ہیں!

میں تو موئے کے بارے میں ابھی بہت کچھ لکھ سکتی تھی لیکن مجھے اسی سے تسکین مل جائے گی اور میں قناعت کر لوں گی اگر میں نے لوگوں میں یہ احساس بیدار کر دیا ہو کہ توت تو چان جیسی ایک چھوٹی سی لڑکی بھی جس نے بزرگوں کے اچھے اور درست اثرات قبول کئے ہوں ایک ایسی شخصیت بن سکتی ہے جو دوسروں کے ساتھ بڑی اچھی طرح نباہ کرنے کے قابل ہے۔

مجھے پکا یقین ہے کہ اگر آج تو موئے جیسے اسکول قائم ہوں تو تشدد جس کا ہر وقت چرچا اور زور ہے بہت کم ہو جائے اور اسکول کی تعلیم ادھوری چھوڑنے والوں کی تعداد بھی کم ہو۔ تو موئے میں اسکول کی چھٹی ہو جانے کے بعد کوئی گھر جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور صبح کو ہم سب کو ہی اسکول پہنچنے کی بڑی جلدی رہتی۔ وہ اسکول اس طرح کا تھا۔

سوساکو بایاشی جنہوں نے ایسا شاندار اسکول کھولنے کا خواب دیکھا اور اسکے لئے ان کے دل میں لگن پیدا ہوئی، ٹوکیو کے شمال جنوب کے علاقے میں ۱۸ر جون ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ نظارۂ قدرت اور موسیقی اُن کے گہرے شوق تھے جب وہ بچے تھے تو اپنے گھر کے نزدیک دریا کے کنارے کھڑے ہو جاتے، کچھ فاصلے پر ہرونا پہاڑ کی چوٹی تھی وہ ایسا ظاہر کرتے جیسے تیزی سے بہتا ہوا پانی آرکیسٹرا ہے جسے وہ "کنڈکٹ" کریں گے۔

وہ ایک نسبتاً غریب کسان گھرانے میں پیدا ہوئے اور چھ بچوں کے خاندان میں سب سے چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی انہیں ایک اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے کام کرنا پڑا۔ اس کے لئے ضروری سرٹیفکٹ حاصل کر لینا ان کی عمر کے ایک لڑکے کے لئے بڑا دشوار تھا۔ اس سے ہی اُن کی اعلیٰ اور غیر معمولی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جلدی ہی انہیں ٹوکیو کے ایک ابتدائی اسکول میں جگہ مل گئی اور پڑھانے کے کام کے ساتھ ساتھ انہوں نے موسیقی کی تعلیم حاصل کرنا بھی شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے آخر کار وہ اس قابل بنے کہ جاپان میں موسیقی سکھانے کی مشہور ترین درس گاہ کے موسیقی تعلیم کے محکمے میں داخل ہونے کی اُن کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ یہی محکمہ آج جاپان کی 'ٹوکیو یونیورسٹی آف فائن آرٹس اینڈ میوزک' کے نام سے جانا جاتا ہے ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ سیکی پرائمری اسکول میں موسیقی کے ٹیچر مقرر ہوئے اس اسکول کی بنیاد ہارو جی ناکامورا نے ڈالی

تھی۔ یہ بہترین انسان اس بات میں یقین رکھتے تھے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے تاکہ بچے کی انفرادیت اجاگر ہو اور اُس کی خودداری کو بڑھاوا ملے۔ پڑھائی صبح کی جاتی تیسرے پہر سیر ہوتی، پودے اکھٹا کیے جاتے، گانا ہوتا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی باتیں سنی جاتیں۔ مسٹر کوبایاشی مسٹر ناکامورا کے طریقوں سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے بعد میں، توموئے میں کچھ ایسا ہی نصاب تیار کیا۔

وہاں موسیقی کی تعلیم دیتے ہوئے مسٹر کوبایاشی نے بچوں کے لئے ایک چھوٹا سا اوپیرا لکھا تھا تاکہ اسکول کے طلباء اس کو پیش کریں یہ اوپیرا صوت کار بیرَن اواسائی نے بہت پسند کیا جن کے خاندان نے ایک زبردست تجارتی ادارہ رمت سوبی شی قائم کیا تھا۔ بیرناواسائی کی فن کے بڑے قدردان تھے انہوں نے کوسی کاک اماوا کی مدد کی جو جاپانی کمپوزروں میں سب سے اعلیٰ اور نامور تھے، اور اسکول کو بھی مالی امداد دی۔ بیرن اواساکی نے ہی مسٹر کوبایاشی کو طریقۂ تعلیم سیکھنے کے لئے یوروپ بھیجنے کی پیش کش کی۔

مسٹر کوبایاشی نے ۲۴-۱۹۲۲ء تک دو سال یوروپ میں گزارے۔ وہ مختلف اسکولوں میں گئے اور انہوں نے پیرس میں ایمل جیکسن ڈل کروز کے ساتھ یورِ تھمکس کی تعلیم حاصل کی۔ مسٹر کوبایاشی نے ننھے منے بچوں کے ٹیچروں سے جو کنڈر گارٹن میں ہوتی تھیں، کہا کرتے تھے کہ وہ بچوں کو پہلے سے سوچے ہوئے سانچوں میں ڈھالنے کوشش نہ کیا کریں۔ انہیں قدرت پر چھوڑ دیجئے۔ وہ کہا کرتے تھے اُن کی خواہشات اور تمناؤں کو مقید مت کر دیجئے۔ اُن کے خواب آپ کے خوابوں سے بڑے ہیں۔ اس طرح کا کنڈر گارٹن جاپان میں ایک بھی نہ تھا۔

۱۹۳۰ء میں مسٹر کوباشی مسٹر ڈل کرز کے ساتھ ایک سال اور پڑھنے کے لئے یوروپ روانہ ہوئے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر کا سفر کیا، غور سے اسکولوں کو دیکھا اور پھر فیصلہ کیا کہ جاپان پہنچ کر وہ خود اپنا اسکول شروع کریں گے۔

۱۹۳۷ء میں توموئے گوئیکن شروع کرنے کے علاوہ انہوں نے جاپان یورتھمکس ایسوسی ایشن بھی قائم کی۔ بہت سے لوگ انہیں اسی لئے یاد کرتے ہیں کہ انہوں نے جاپان میں یورتھمکس کی شروعات کی اور جنگ کے بعد موسیقی کے کوئی تاچی کالج میں

بڑا کام کیا۔ ہم میں سے بہت کم لوگ ایسے بچے ہی جنہیں براہ راست اُن کے طریقۂ تعلیم کا تجربہ حاصل ہوا اور یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ اس سے پہلے مسٹر کوبایاشی توموئے جیسا دوسرا اسکول قائم کرتے، ان کا انتقال ہو گیا۔ جب اسکول آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا اُس وقت ہی وہ ایک اور بہتر اسکول کے بارے میں کھڑے سوچ رہے تھے۔ "اگلی بار ہم کس طرح کا اسکول بنائیں گے؟" یہ تھا ان کا سوال جو انہوں نے اپنے چاروں طرف ہونے والی بھاگ دوڑ اور شور و غل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ پوچھا تھا۔

جب میں نے کتاب لکھنی شروع کی تو میں یہ جان کر حیران رہ گئی کہ ٹیلی ویژن پر میرے انٹرویو والے روزانہ پروگرام "تت سُوکو کا کمرہ کے پروڈیوسر، جنکے ساتھ میں نے برسوں کام کیا تھا، مسٹر کوبایاشی پر تقریباً دس ۱۰ سال سے تحقیقاتی کام کر رہے تھے۔ ان کی ملاقات تو اس ماہر تعلیم سے کبھی نہیں ہوئی تھی لیکن اُن کی دلچسپی ایک خاتون کی وجہ سے پیدا ہوئی جو بچوں کے لئے یورتھمکس کی کلاس میں پیانو بجایا کرتی تھیں۔ "آپ کو پتہ ہے نہ کہ بچے اس طرح نہیں بہلتے۔" یہ بات مسٹر کوبایاشی نے اُن کے بجانے کی رفتار کی تصحیح کرتے ہوئے اُس وقت کی تھی جب وہ پہلی مرتبہ پیانو بجا رہی تھیں۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جو بچوں سے اس قدر ہم آہنگ تھے کہ ان کی رگ رگ پہچانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بچے کیسے چلتے ہیں اور کیوں کر سانس لیتے ہیں۔ میں امید لگائے ہوئے ہوں کہ میرے پروڈیوسر کازوہیکو سانو یہ کتاب جلدی لکھ لیں گے تاکہ اس غیر معمولی شخصیت کے بارے میں دنیا کو اور باتیں معلوم ہو سکیں۔

کوئی بیس سال ہوئے کوزان شا کے ایک باہمت نوجوان ایڈیٹر نے میرا ایک مضمون دیکھا جو میں نے، عورتوں کے کسی رسالے میں توموئے کے بارے میں لکھا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا اور اس کے پاس بہت سے کاغذ کے پیڈ تھے اور اُس نے مجھ سے کہا کہ میں اس مضمون کو بڑھا کر ایک کتاب تیار کر دوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں نے وہ سارے کاغذ کسی اور کام میں استعمال کر ڈالے اور اس سے پہلے کہ اُس کا خیال عملی جامہ پہنتا وہ نوجوان آدمی ڈائرکٹر کے عہدے پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ کت سوہی ساکا تو ہی تھا جس نے مجھے کتاب لکھنے کا خیال بھایا۔ مجھ میں اعتماد پیدا کیا کہ میں یہ کام کروں۔ اُس وقت تک میں نے لکھائی کا کچھ زیادہ

کام تو نہیں کیا تھا، چنانچہ ایک پوری کتاب لکھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی پر آخر کار میں نے کو دان شا کی نوجوان عورتوں کے لئے ایک میگزین کے واسطے سلسلہ وار مضامین کے طور پر ایک بار ایک باب لکھنا شروع کیا۔ یہ کام میں نے فروری ۱۹۷۹ء سے دسمبر ۱۹۸۰ء تک کیا۔

ہر مہینے میں ٹوکیو کے شیمو شکوجی، نیری ماکو علاقے میں باتصویر کتابوں کے چی ہیر وایواساکی (AWASAKI) عجائب گھر جایا کرتی تھی تاکہ اپنی بات سمجھانے کے لئے وہاں سے کوئی تصویر چنوں۔ چی ہیر وایواساکی بچوں کی تصویریں بنانے میں بڑی ماہر تھیں اور مجھے شبہ ہے کہ دنیا میں کہیں اور کوئی دوسرا آرٹسٹ بچوں کی اس قدر زندہ دل اور بشاش تصویریں نہیں بنا سکا تھا۔ وہ بچوں کو طرح طرح کے مختلف موڈ اور وضع میں بنایا کرتی تھیں۔ انہیں چھ مہینے کے ایک ننھے منے اور نو مہینے کے ایک بچے کے درمیان فرق کا خوب پتہ تھا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ میں اپنی کتاب میں استعمال کر سکنے پر کس قدر مسرور ہوں۔ یہ بڑا ہی پُر اسرار ہے کہ یہ تصویریں میری تحریر سے بڑا میل کھاتی ہیں۔ چی ہیر وایواساکی کا انتقال ۱۹۸۴ء میں ہوا تھا لیکن لوگ مجھ سے مستقل پوچھتے رہتے ہیں کہ جب میں نے کتاب لکھنا شروع کیا تو کیا وہ زندہ تھیں؟ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی بنائی تصویریں زندگی سے کس قدر قریب ہیں اور انہوں نے کتنے بہت سے مختلف طریقوں سے بچوں کو دکھایا ہے۔

چی ہیر وایواساکی نے تقریباً سات ہزار تصویریں چھوڑی ہیں۔ مجھے اُن کے بیٹے اور بہو کی مہربانی سے ان کی بہت سی اصلی تصویریں دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ اُن کے بیٹے عجائب گھر کے نائب مہتمم تھے۔ میں آرٹسٹ کے شوہر کی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ایواساکی کی تصویریں کتاب میں چھاپنے کی اجازت دیدی۔ میں، عجائب گھر کے مہتمم اور ڈرامہ نویس تداسو آئی۔ ایزاوا کی بھی ممنون ہوں کہ وہ مجھ پر برابر زور ڈالتے رہے کہ میں کتاب لکھنا شروع کروں، جب میں اس کام میں ڈھیل ڈال رہی تھی۔ آج میں اس عجائب گھر کی ایک متولی ہوں۔

قدرتی بات ہے کہ MIYOCHAN میو چان اور تو موئے کے میرے سبھی دوستوں نے میری بہت مدد کی۔ میں جاپانی ایڈیشن کے اپنے ایڈیٹر کے ای اوایوا موتو کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جو ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ "ہمیں اس کتاب کو واقعی ایک

شاندار کتاب بنانا چاہیئے۔"

کتاب کے جاپانی عنوان کا خیال مجھے ایک اظہار بیان کی وجہ سے آیا جو کچھ سال پہلے بڑا مقبول عام ہوا تھا۔ اور جس میں لوگوں کے بارے میں کہا جاتا کہ وہ "کھڑکی پر کھڑے ہیں،" جس کا مطلب ہوتا تھا کہ وہ بس ایک کنارے کھڑے ہیں یا پھر دوسروں سے جدا یا مختلف ہیں۔ حالانکہ میں اپنی پسند سے موسیقاروں کی ٹولی کو سڑک پر دیکھنے کی اُمید میں کھڑکی پر جا کھڑی ہوتی تھی، لیکن میں سچ مچ پہلے والے اسکول میں الگ تھلگ سا محسوس کرتی اور واقعی دوسروں سے بالکل جدا اور مختلف تھی۔ کتاب کے عنوان میں یہ سب معنی پنہاں ہیں اور ایک بات اور بھی کہ خوشی کی وہ کھڑکی جو آخر کار تو موئے میں میرے لئے کھل گئی!

اب تو موئے نہیں رہا لیکن اگر یہ کتاب پڑھتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے بھی وہ آپ کے تصور میں زندہ ہو جائے تو میرے لئے اس سے بڑھکر کوئی اور خوشی نہیں ہو سکتی۔

اس کتاب کے جاپانی اور پھر انگریزی زبان میں شائع ہونے کے درمیانی عرصے میں، جو سال گذرے ہیں ان کے دوران بہت سی باتیں ہو گئیں۔ سب سے پہلے تو یہ کتاب، فروخت کے لحاظ سے خلاف امید بہترین ثابت ہوئی۔

صرف ایک سال میں توت تو چان کی 45 لاکھ کاپیاں بک گئیں اور یہ جاپانی اشاعت کا ایک تاریخی واقعہ بن گیا۔

دوسرے یہ کہ مجھے بھی حیرانی اور تعجب ہوا کہ اسے تعلیمی نصابی کتاب کی طرح بھی پڑھایا جا رہا ہے۔ میں نے یہ اُمید کی تھی کہ اسکول کے ٹیچروں اور نوجوان ماؤں کے لئے یہ جاننا بڑا معلوماتی ہوگا کہ کبھی مسٹر کوبایاشی جیسے ایک ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے لیکن میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ کتاب کا اس قدر زبردست اثر ہوگا جیسا کہ ہوا ہے۔ شائد اس بات کا اظہار ہو کہ آج سارے جاپان میں لوگ وہاں کے تعلیمی نظام کے بارے میں کس قدر فکر مند ہیں۔

بچوں کے لئے تو یہ ایک کہانی کی کتاب ہے۔ پڑھنے والوں کی رائے معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ اس میں مشکل الفاظ کے باوجود بچے جنمیں سات کی عمر کے بھی ہیں، ڈکشنری کی مدد سے میری کتاب پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس بات سے میں کتنی زیادہ خوش ہوں۔ جاپانی ادب کے ایک اسکالر نے جو ایک سو تین سال کے ہیں لکھا کہ میں نے اس کتاب

سے بے انتہا لطف اُٹھایا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ غیر معمولی بات تو یہ ہے کہ ایسے زمانے میں جب کہ کامک اور تصویروں کے ساتھ کہانی کی کتابوں میں دلچسپی نہیں رکھتے بچے ڈکشنریاں دیکھ دیکھ کر یہ کتاب پڑھ رہے ہیں!

جب یہ کتاب چھپی تو فلم، ٹیلی ویژن، تھیٹر اور کارٹون میں فلمیں بنانے والی کمپنیوں نے درخواستوں کی بھر مار کر دی کہ انہیں میری کہانی کی اجازت دیدی جائے لیکن چونکہ اتنے زیادہ لوگ اس کتاب کو پڑھ چکے تھے اور انہوں نے اپنے ذہنوں میں کرداروں کی تصویریں اپنے ہی انداز سے بنالی تھیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ چاہے "ڈائرکٹر کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو لوگوں کے تخیل سے بہتر بنالینا مشکل ہوگا۔" لہٰذا میں نے ان سب کو منع کر دیا لیکن میں نے آرکیسٹرا پر اس کی تشریح اور ترجمانی پر رضامندی دی کیونکہ موسیقی تو تخیل کو آزاد چھوڑ دیتی ہے۔ میں نے اَکی ہیرو کو مصوری سے جو اپنی خوبصورت موسیقی کے لئے بیحد مشہور تھے آرکیسٹرا کی موسیقی تیار کرنے کو کہہ دیا۔ (Symphony) سمفونی میں توت توچان کی کہانی "کھڑکی پر کھڑی چھوٹی لڑکی" نے جس کی کہانی میری آواز میں تھی زبردست کامیابی حاصل کی۔ سارا ہال کبھی تو قہقہوں اور کبھی آنسوؤں سے بھر جاتا۔ اس پروگرام کا ریکارڈ بنایا گیا ہے۔ اب یہ کتاب سرکاری طور پر پڑھائی بھی جانے لگی ہے۔ وزارتِ تعلیم کی منظوری سے "کھیتی باڑی کے ٹیچر سے متعلق باب، اگلے سال سے تیسرے درجے کی جاپانی زبان سکھائی جانے والی کتاب میں شامل کیا جائے گا اور "گندہ سا پرانا اسکول" والا باب چوتھے درجے کی اخلاقیات اور تمیز و تہذیب سکھانے والی کلاسوں میں استعمال کیا جائے گا۔ بہت سے ٹیچروں نے اپنے اپنے طریقوں سے اس کتاب کا استعمال پہلے سے ہی شروع کر رکھا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ٹیچر آرٹ کی کلاس میں کتاب کا کوئی باب پڑھ کر بچوں کو سناتے ہیں اور پھر اُن سے اُس چیز کی تصویر بنانے کو کہتے ہیں جس نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا ہو۔

اسی کتاب کی وجہ سے بہرے لوگوں کے لئے جاپان کے پہلے پیشہ ورانہ تھیٹر کی بنیاد ڈالنے کے اپنے دیرینہ خواب کو پورا کرنے کے قابل بن سکی۔ کتاب سے مجھے رائلٹی کی کافی رقم ملی اور اس کتاب نے غیر کہانی کتاب کا انعام دوسرے ایوارڈ بھی حاصل کئے۔

سماجی خدمات کے لئے حال ہی میں مجھے بہت سے نامور مہمانوں کے ساتھ جن

میں علم کیمیا کے نوبل انعام یافتہ کینی چی فوکوئی بھی تھے شہنشاہ کی طرف سے دی جانے والی موسم بہار کی گارڈن پارٹی میں شرکت کے لئے دعوت نامہ موصول ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔ وہاں مجھے شہنشاہ جاپان سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ یہ گفتگو بڑی خوش گوار تھی۔ اور پچھلے سال وزیر اعظم نے مجھے ایک تعریفی خط بھیجا۔ وہ کتاب جسے لکھنے کی میری اتنی زیادہ خواہش تھی میرے لئے خوشی کے ہی سارے موقعے لائی۔

میں آخر میں ڈرو تھی برٹین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنھوں میری کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اتنی شاندار مترجم ملیں۔ اس حقیقت نے کہ وہ موسیقار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعرہ بھی ہیں انہیں اس قابل بنایا کہ وہ میری تحریر کو ایسی انگریزی میں پیش کریں جس میں تال اور نازک جذبات کو محسوس کرنے کی قوت دونوں ہی موجود ہوں، اور جسے پڑھنا بیحد اچھا لگے۔

ہاں ایک بات اور ہے۔ میں براڈوے کے کمپوزر ہیر الڈ وم اور انکی بیوی فلورنس کا بھی شکریہ ادا کروں گی جو کہ ایک ادیبہ ہیں۔ میں نے ابھی ایک ہی باب مکمل کیا تھا کہ انہوں نے زور دینا شروع کر دیا کہ میں اپنی کہانی انگریزی میں شائع کروں۔

تِت سوکو کورویاناگی

ٹوکیو

1982ء

ریلوے اسٹیشن

وہ دونوں اوئی ماچی ریل گاڑی سے جی اُو گاؤ کا اسٹیشن پر اتریں اور ماں نے توت تو چان کا ہاتھ تھام لیا تا کہ گیٹ سے باہر نکل جائیں۔ توت تو چان نے شاید پہلے کبھی ریل گاڑی سے سفر نہیں کیا تھا چنانچہ وہ قیمتی ریل ٹکٹ کو مٹھی میں دبائے ہوئے تھی اور کسی کو دینے سے ہچکچا رہی تھی۔ ”کیا میں یہ ٹکٹ اپنے پاس رکھ لوں؟“ اُس نے ٹکٹ بابو سے پوچھا۔ ٹکٹ بابو نے ٹکٹ ہاتھ سے لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”نہیں تم اسے نہیں رکھ سکتیں“۔ ”کیا یہ سارے کے سارے ٹکٹ آپ کے ہیں؟“

”نہیں یہ تو ریلوے اسٹیشن کے ہیں۔“ اس نے جواب دیا اور باہر جانے والوں کے ہاتھوں سے ٹکٹ چھینتا رہا۔ ”اوہ“ توت تو چان نے ڈبے کو حسرت سے دیکھا اور بولی ”جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو ریل گاڑی کے ٹکٹ بیچا کروں گی“۔

ٹکٹ بابو نے پہلی مرتبہ اُس پر نگاہ ڈالی اور کہنے لگے ”میرا بیٹا بھی اسٹیشن پر کام کرنا

چاہتا ہے، تو تم دونوں ایک ساتھ کام کیا کرنا"۔ توت تو چان ایک طرف کھڑی ہو گئی اور اس نے غور سے ٹکٹ بابو کو دیکھا۔ وہ گول مٹول سے تھے اور انہوں نے عینک لگا رکھی تھی۔ وہ تھوڑے رحمدل سے لگتے تھے۔

"اُس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لئے اور بڑی احتیاط سے اس بات پر غور کرنے لگی۔ پھر بولی" مجھے آپ کے بیٹے کے ساتھ کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ابھی میں مصروف ہوں کیونکہ ایک نئے اسکول جا رہی ہوں"۔ وہ دوڑ کر اس جگہ گئی جہاں ماں انتظار کر رہی تھیں۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی کہ "میں ٹکٹ بیچنے والی بنوں گی۔" ماں کو بالکل حیرانی نہیں ہوئی پھر بھی انہوں نے کہا "مگر میں تو سوچتی تھی کہ تم جاسوس بننے والی ہو۔"

جب توت تو چان ماں کا ہاتھ تھام کر چلنے لگی تو اُس کو یاد آیا کہ ابھی کل تک تو اسکو بالکل یقین تھا کہ وہ واقعی جاسوس بننا چاہتی تھی لیکن ٹکٹوں سے بھرے ڈبے کا مالک ہونا بھی تو کتنے مزے دار بات ہو گی۔ "یہ ہوئی نہ بات۔" اسے ایک زوردار خیال آیا۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا اور پوری طاقت سے چلا کر بولی "کیا میں ایک ایسی ٹکٹ بیچنے والی نہیں بن سکتی جو دراصل ایک جاسوس بھی ہو؟"

ماں نے بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ فیلٹ ہیٹ کے نیچے جس پر چھوٹے چھوٹے پھول لگے تھے ان کا خوبصورت چہرہ سنجیدہ تھا سچ تو یہ تھا کہ ماں بہت پریشان تھیں۔ اگر نئے اسکول میں توت تو چان کو نہ لیا گیا تو کیا ہو گا؟ انہوں نے توت تو چان کو دیکھا جو اپنے آپ سے باتیں کرتی، اچھلتی کودتی سڑک پر چل رہی تھی۔ توت تو چان کو پتہ ہی نہ تھا کہ ماں پریشان ہیں۔ جب دونوں کی نظریں ملیں تو اس نے خوش ہو کر کہا"۔ "میں نے تو اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ سڑکوں پر گانے والی اُن چھوٹی ٹولیوں میں سے کسی میں شامل ہو جاؤں گی جو نئی دوکانوں کے اشتہار دیتی پھرتی ہیں"۔

جب ماں بولیں تو ان کی آواز میں ہلکی سی مایوسی تھی "آؤ چلو ہمیں دیر ہو جائے گی۔ ہمیں ہیڈ ماسٹر صاحب کو انتظار نہیں کرانا چاہئے۔ اب باتیں بند کرو۔ دیکھو تو تم کہاں چل رہی ہو؟ ٹھیک سے چلو۔"

سامنے کچھ فاصلے پر ایک اسکول کا پھاٹک آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا۔

کھڑکی پر کھڑی چھوٹی سی لڑکی

ماں کی پریشانی کی ایک وجہ یہ تھی کہ توت تو چان نے ابھی اسکول جانا شروع ہی کیا تھا کہ وہ اسکول سے نکال دی گئی۔ ذرا سوچئے تو پہلے ہی درجے میں کوئی نکال دیا جائے؟

ہفتہ بھر پہلے ہی تو یہ سب ہوا تھا۔ توت تو چان کی کلاس ٹیچر نے اُس کی ماں کو بلا بھیجا اور سیدھے سیدھے بات کہہ دی، "آپ کی بیٹی میری پوری کلاس میں انتشار پھیلا دیتی ہے، مجھے کہنا ہی پڑے گا کہ آپ اسے کسی دوسرے اسکول میں داخل کرا دیں"۔ خوبصورت سی نوجوان اُستانی نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بولیں، "واقعی اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے"۔ ماں حیران رہ گئیں وہ سوچنے لگیں کہ آخر توت تو چان نے ایسا کیا کر دیا ہو گا کہ ساری کلاس میں گڑبڑ پھیل جائے؟

ٹیچر نے گھبرا کر آنکھیں جھپکاتے ہوئے اور اپنے تراشیدہ بالوں کو چھوتے ہوئے کچھ سمجھانا شروع کیا، "اچھا سب سے پہلے تو یہ کہ وہ دن میں سینکڑوں مرتبہ اپنا ڈیسک کھولتی اور بند کرتی ہے۔ میں نے کہہ رکھا ہے کہ کوئی بھی بچہ اس وقت تک ڈیسک نہ کھولے اور نہ بند کرے جب تک کہ بہت ضروری نہ ہو۔ آپ کی بیٹی تو مستقل ڈیسک میں کچھ رکھتی یا نکالتی رہتی ہے کبھی وہ اپنی کاپی نکالتی ہے اور رکھتی ہے تو کبھی پینسل کا ڈبہ۔ یا اپنی کتابیں۔ یا پھر دوسری چیزیں جو اس کے ڈیسک میں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہمیں حروف لکھنے ہوں تو آپکی بیٹی ڈیسک کھول کر کاپی نکالے گی پھر دھڑ سے ڈیسک بند کر دے گی۔ پھر ڈیسک کھول کر وہ سر اندر کر لیتی ہے۔ پینسل نکالتی ہے اور جلدی سے ڈیسک کو بند کر دیتی ہے۔ پھر اسے لکھتی ہے اور اگر وہ خراب لکھا ہو یا پھر غلط ہو جائے تو وہ پھر سے ڈیسک کھولتی ہے۔ مٹانے والا ربڑ نکالتی ہے۔ ڈیسک بند کرتی ہے، حروف مٹاتے ہی اور پھر ربڑ رکھنے کے لئے ڈیسک کو کھولتی ہے اور زور سے بند کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ بڑی پھرتی سے ہوتا ہے۔ جب وہ پھر سے حرف A لکھ لیتی ہے تو ایک ایک کر کے ہر چیز واپس ڈیسک میں رکھتی ہے۔ وہ پینسل رکھ کر ڈیسک بند کر دیتی ہے۔ پھر کاپی نکالنے کے لئے اسے دوبارہ کھولتی ہے اور جب وہ دوسرا حروف لکھنا شروع کرتی ہے تو پھر سے وہی سب کچھ دوہرایا جاتا ہے۔ پہلے کاپی نکلتی ہے

پھر پینسل۔ اس کے بعد ربڑ۔ اور ڈیسک کچھ ہر مرتبہ کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ اس سے میرا سر چکرا جاتا ہے لیکن میں اُسے ڈانٹ بھی نہیں سکتی کیونکہ وہ ہر مرتبہ کسی وجہ سے ہی ڈیسک کھولتی اور بند کرتی ہے۔"

اب اُستانی کی لانبی پلکیں تیزی سے جھپک رہی تھیں جیسے وہ اپنے ذہن میں اس منظر کو پھر سے دیکھ رہی ہوں۔ اچانک ماں کے ذہن میں آگیا کہ توت تو چان نے کیوں اتنی بار ڈیسک کھولا بند کیا۔

ماں کو یاد آیا کہ جب توت تو چان پہلے دن اسکول سے گھر واپس آئی تھی تو کس قدر جوش میں تھی۔ اُس نے کہا تھا "اسکول تو بڑا ہی زوردار ہے۔ گھر پر میرے ڈیسک میں تو دراز ہے جسے کھینچنا پڑتا ہے لیکن اسکول والے ڈیسک میں ڈھکن لگا ہے جسے بس اٹھا لیتے ہیں۔ یہ ایک صندوق کی طرح ہے۔ اسمیں ہر طرح کی چیز رکھی جا سکتی ہے۔ بہت ہی بڑھیا ہے وہ۔"

ماں کی آنکھوں کے سامنے توت تو چان کی تصویر ابھری کہ وہ خوش ہو کر ڈیسک کا ڈھکن کھول رہی ہے اور بند کر رہی ہے۔ اور ماں نے اس بات کو کچھ ایسا شرارت آمیز خیال نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے استانی سے صرف اتنا کہا کہ "میں اس بارے میں اس سے بات کروں گی۔"

استانی نے اپنا بات جاری رکھی۔ اُن کی آواز تیز تھی۔ "اگر اتنا ہی ہوتا تو میں پروانہ کرتی۔"

اُستانی آگے جھکیں تو ماں کچھ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"جب وہ اپنے ڈیسک کے ساتھ کھٹر پٹر نہیں کر رہی ہوتی ہے تو کھڑی رہتی ہے پورے وقت جب تک کہ کلاس ہو رہی ہو۔"

"کھڑی رہتی ہے؟" کہاں؟ ماں نے تعجب سے پوچھا۔

"کھڑکی پر"۔ اُستانی نے ناراضگی سے جواب دیا۔

ٹیچر کی کہانی کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک گھنٹے تک تقریباً مستقل اپنے ڈیسک کے ڈھکن کو پٹکتے رہنے کے بعد توت تو چان ڈیسک سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوتی ہے اور باہر دیکھا کرتی ہے۔ تب ٹیچر سوچتی ہیں کہ چلو جب تک وہ چپ چاپ ہے وہاں ہی کھڑی رہے۔

اچانک توت تو چان سڑک پر سے گزرتی ہوئی گویوں کی کسی ٹولی کو جو خوب بھڑکیلے لباس میں ہوتی ہے آواز دے دیتی ہے۔ کلاس روم نچلی منزل پر تھا جو توت تو چان کے لئے باعثِ خوشی اور اُستانی صاحبہ کے لئے پریشانی کا سبب تھا۔ سڑک اور کمرے کے درمیان صرف ایک نیچی سی باڑھ لگی تھی اور گزرنے والوں کے ساتھ کلاس روم سے بڑی آسانی سے بات چیت کی جا سکتی تھی توت تو چان کے پکارنے پر سڑکوں پر گانیوالے گویے بالکل کھڑکی کے پاس آجاتے ٹیچر نے بتایا کہ تب توت تو چان پوری کلاس کے سامنے اس بات کا اعلان کر دیتی ہے کہ "آگئے وہ لوگ!" اور سارے بچے کھڑکی کے پاس مجمع لگا دیتے ہیں اور گویوں کو آوازیں دینے لگتے ہیں۔

"کچھ بجائیے۔" توت تو چان کہہ دیتی ہے اور چھوٹا سا بینڈ جو عموماً اسکول کے پاس سے خاموشی سے گذر جایا کرتا ہے بچوں کے لئے الغوزہ، گھنٹے (gong) ڈھول اور Semisen باجا بجا کر شاندار ادائیگی کا مظاہرہ کرتا ہے اور بیچاری استانی کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ شور ہنگامہ ختم ہو جانے کا صبر سے انتظار کریں۔

آخر کار جب موسیقی ختم ہوتی ہے اور گویے چلے جاتے ہیں تو بجز توت تو چان کے سبھی بچے اپنی اپنی سیٹوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ جب ٹیچر پوچھتی ہیں کہ "تم ابھی تک کھڑکی پر کیوں کھڑی ہو؟ تو وہ بڑی سنجیدگی سے جواب دیتی کہ کوئی دوسرا بینڈ بھی گذر سکتا ہے؟ پھر کتنی شرم کی بات ہوگی کہ وہ آجائے اور ہمیں پتہ بھی نہ چلے"۔

"آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ یہ سب کچھ کس قدر گڑبڑ پھیلانے والی حرکتیں ہیں۔" ٹیچر نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ماں کو ان سے ہمدردی پیدا ہونے لگی تھی کہ ٹیچر نے اپنی بیحد باریک سی تیز آواز میں پھر بولنا شروع کر دیا "اور پھر اس کے علاوہ۔"

"اس کے علاوہ وہ اور کیا کرتی ہے؟" ماں نے سوال کیا۔ ان کا دل ڈوب رہا تھا۔

"اور کیا؟" جو کچھ وہ کرتی ہے اگر میں اس کی گنتی کر سکتی ہوتی تو میں آپ سے یہ نہ کہتی کہ اسے لے جائیے۔" استانی نے اپنے آپ کو تھوڑا سنبھالا اور ماں کی طرف نگاہ ڈالی۔

"کل توت تو چان ہمیشہ کی طرح کھڑکی پر کھڑی تھی اور میں کلاس کو سبق پڑھاتی رہی۔ میں نے سوچا کہ وہ موسیقار گویوں کا انتظار کر رہی ہوگی کہ اچانک اس نے زور سے کسی کو پکارا،

"تم کیا کر رہی ہو؟" میں جہاں تھی وہاں سے یہ نہ دیکھ سکی کہ وہ کس سے باتیں کر رہی تھی اور میں حیران تھی کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ اُس نے پھر آواز دی ارے تم کیا کر رہی ہو؟ وہ سڑک پر کسی سے مخاطب نہیں تھی بلکہ اوپر کی جانب دیکھتے ہوئے کہیں دور کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ میں تجسس کیئے بنا نہ رہ سکی اور میں نے جواب سننے کی کوشش کی لیکن جواب تو کچھ ملا نہیں۔ اسکے باوجود آپکی بیٹی بار بار یہی پکارتی رہی کہ تم کیا کر رہی ہو؟ یہاں تک کہ میرا پڑھانا مشکل ہو گیا اور میں کھڑکی پر گئی کہ دیکھوں آپکی بیٹی کس سے باتیں کر رہی ہے؟ جب میں نے کھڑکی سے باہر سر نکالا تو دیکھا کہ ابابیلوں کا ایک جوڑا کلاس روم کی بیلوں پر گھونسلا بنا رہا تھا تو وہ ابابیلوں سے باتیں کر رہی تھی! میں بچوں کے بارے میں خوب جانتی ہوں اس لئے میں یہ نہیں کہتی کہ ابابیلوں سے باتیں کرنا حماقت ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابابیلوں سے کلاس میں پڑھائی کے وقت یہ پوچھنا بالکل غیر ضروری ہے کہ وہ کیا کر رہی ہیں؟"

اس سے پہلے کہ ماں معافی مانگنے کیلئے منہ کھولیں استانی پھر بولنے لگیں، "اور پھر ڈرائنگ کی ہی کلاس کا واقعہ لیجئے میں نے بچوں سے کہا کہ جاپان کا پرچم بنائیں اور سبھی بچوں نے اسے ٹھیک بنا دیا لیکن آپ کی بیٹی نے سمندری بیڑے کا جھنڈا بنانا شروع کر دیا۔ آپ کو پتہ ہے؟ وہ جھنڈا جس میں کرنیں دکھائی گئیں ہیں۔ میں نے سوچا چلو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن فوراً ہی اس نے جھنڈے کے چاروں طرف جھالر بنانی شروع کر دی۔ جھالر! جی ویسی جھالریں جو نوجوان گروپوں کے جھنڈوں پر بنی ہوتی ہیں۔ شاید اُس نے ایسا جھنڈا کہیں دیکھ لیا ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا کر رہی ہے اس نے ایک زرد رنگ کی جھالر کھینچ دی جو سیدھی کاغذ کے سرے سے نکل کر اُسکے ڈیسک تک چلی گئی تھی۔ آپ جانتی ہیں اس کے جھنڈے نے سارا کاغذ لے لیا تھا اور جھالر کے لئے جگہ ہی نہیں بچی تھی۔ اُس نے اپنا پیلا چوک اُٹھایا اور جھنڈے کے چاروں طرف سینکڑوں دھاریاں بنا ڈالیں جو کاغذ سے باہر نکل پڑیں اور جب اُس نے کاغذ اُٹھایا تو ڈیسک پر پیلا رنگ تھوپا ہوا تھا اور ہمارے خوب رگڑنے پر بھی یہ رنگ صاف نہ ہوا۔ خوش قسمتی سے یہ دھاریاں صرف تین طرف تھیں۔"

حیران ہو کر ماں نے پوچھا "صرف تین ہی طرف؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

حالانکہ اُستانی کچھ تھکنے لگیں تھیں لیکن انہوں نے مہربانی کی اور بات کی وضاحت کر دی۔ "اُس نے بائیں طرف جھنڈا لگانے والا ڈنڈا بنا دیا تھا اس لئے جھاڑیاں صرف تین ہی طرف تھیں"۔

ماں کو کچھ سکون ہوا اور بولیں۔ "میں سمجھی۔ صرف تین طرف"۔

اس پر استانی نے بڑی آہستگی سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ڈنڈے کا زیادہ تر حصہ بھی کاغذ سے باہر ڈیسک پر ہی بنا تھا اور وہ اب بھی ڈیسک پر موجود ہے۔"

پھر استانی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور سرد مہری سے بولیں۔

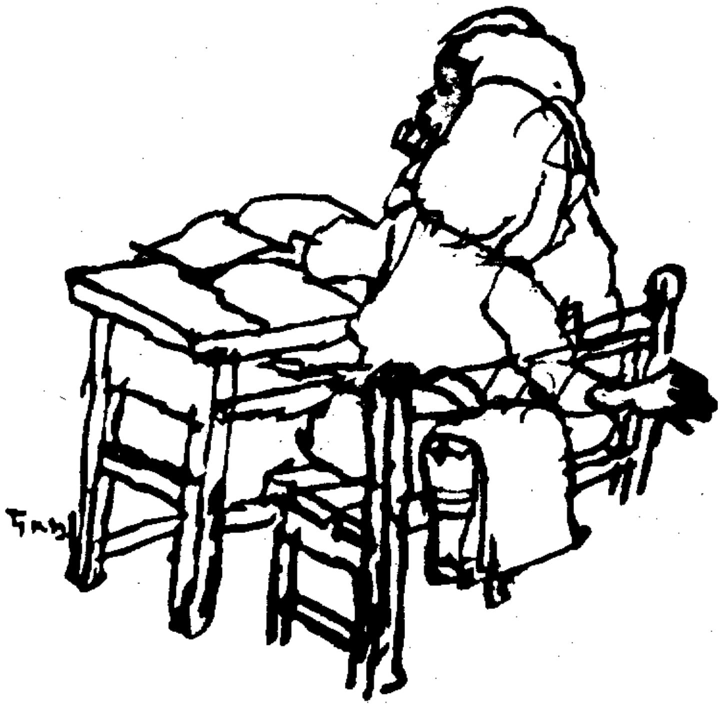

"صرف میں ہی اکیلے پریشان نہیں ہوں۔ پاس والے کلاس کی ٹیچر بھی تنگ آچکی ہیں۔"

ماں کو یقیناً اس بارے میں کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ دوسرے طالب علموں کے لئے یہ

سب ٹھیک نہیں تھا۔ انہیں ایک دوسرا اسکول تلاش کرنا پڑے گا۔ ایک ایسا اسکول جو انکی ننھی بچی کو یہ سکھائے کہ دوسروں کے ساتھ کیسے نبھایا جاتا ہے۔

جس اسکول کی طرف وہ دونوں جارہی تھیں اُس کا پتہ ماں نے بڑی چھان بین کے بعد چلایا تھا۔

ماں نے توت توچان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اسکول سے نکال دی گئی ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ توت توچان یہ نہیں سمجھ پائے گی کہ اُس سے کیا غلطی ہوئی ہے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ انکی بیٹی میں کسی طرح کی نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوں چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے اس وقت تک کچھ نہیں بتائیں گی جب تک کہ وہ کچھ بڑی نہیں ہو جاتی۔ ماں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تمہیں نئے اسکول میں جانا کیسا لگے گا؟ میں نے ایک بہت ہی اچھے اسکول کے بارے میں سنا ہے۔"

کچھ سوچنے کے بعد توت توچان بولی ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن "اب کیا ہوا"۔ ماں نے سوچا کیا اُسے پتہ ہے کہ وہ نکال دی گئی ہے؟

لیکن ایک لمحہ بعد ہی توت توچان خوش ہو کر پوچھ رہی تھی کیا آپ سوچتی ہیں کہ سڑک پر گانے والے نئے اسکول میں بھی آئیں گے؟

نیا اسکول

توت توچان نے جب نئے اسکول کا پھاٹک دیکھا تو رُک گئی۔ جس اسکول میں وہ جایا کرتی تھی اُس کے گیٹ پر تو دو کھمبے لگے تھے جن پر بڑے بڑے حروف میں اسکول کا نام بھی لکھا ہوا تھا لیکن اس نئے اسکول کا پھاٹک تو بس دو عدد کھمبوں کا تھا جن پر کچھ ٹہنیاں اور کونپلیں نکلی ہوئی تھیں۔

توت توچان بولی "یہ پھاٹک ابھی بڑھ رہا ہے اور شاید اس وقت تک بڑھتا رہے گا جب تک یہ ٹیلیفون کے کھمبے جیسا لمبانہ ہو جائے!"

پھاٹک پر لگے کھمبے سچ مچ درخت تھے جن کی جڑیں بھی تھیں۔ جب وہ اور قریب

گئی تو اسکول کا نام پڑھنے کیلئے اس کو اپنا سر ایک طرف جھکانا پڑا۔ اس لئے کہ ہوا چلنے سے نام کا بورڈ ایک طرف ٹیڑھا ہو گیا تھا "تو مو۔ اے۔ گا۔ کو۔ این"

توت توچان ماں سے پوچھنے ہی والی تھی کہ تو موا ے۔ کا مطلب کیا ہوتا ہے کہ اس نے کسی چیز کی جھلک دیکھی جس سے اسے لگا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ زمین پر بیٹھ گئی اور جھاڑیوں کے بیچ سے جھانکنے لگی کہ اُسے اچھی طرح دکھائی دے جائے۔ اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آرہا تھا۔

"ماں کیا وہ سچ مچ کی ریل گاڑی ہے؟ وہاں اسکول کے میدان میں۔"

اسکول نے ریل گاڑی کے بے کار پڑے ہوئے چھ ڈبے استعمال کئے تھے۔ توت توچان کو تو یہ ایک خواب ہی سالگ رہا تھا ایک ریل گاڑی میں اسکول؟

صبح کی روشنی میں ریل کے ڈبے کی دو کھڑکیاں جھلملا رہی تھیں لیکن گلابی گالوں والی چھوٹی بچی کی آنکھیں، جو جھاڑیوں کے درمیان سے انہیں دیکھ رہی تھیں اور بھی زیادہ چمک رہی تھیں۔

"یہ اسکول مجھے پسند آیا"

چند لمحوں بعد توت توچان خوشی سے چلا پڑی اور ریل گاڑی اسکول کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ مڑ کر ماں کو پکارتی جاتی تھی۔ "اماں جلدی آیئے ہم اس ریل گاڑی پر سوار ہو جائیں جو چپ چاپ کھڑی ہے"۔

گھبرا کر ماں بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگیں۔ ماں کبھی باسکٹ بال ٹیم میں رہ چکی تھیں اسلئے وہ توت توچان سے بھی زیادہ تیز دوڑیں اور ایک دروازے تک پہنچتے پہنچتے اس کی فراک پکڑلی۔

"ابھی تم اندر نہیں جاسکتیں"۔ ماں نے اسے پیچھے کھینچتے ہوئے کہا "ریل گاڑی کے یہ ڈبے کلاس روم ہیں۔ ابھی تو تم کو اسکول میں داخلہ بھی نہیں ملا ہے۔ اگر تم واقعی اس ریل گاڑی پر چڑھنا چاہتی ہو تو تمہیں ہیڈ ماسٹر صاحب کے ساتھ بہت تمیز کے ساتھ اور

اچھی طرح پیش آنا ہوگا۔ ہم لوگ ابھی اُن سے ملنے جارہے ہیں اور اگر سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو تم اس اسکول میں آسکو گی۔ آیا سمجھ میں؟

توت توچان ریل گاڑی میں فوراً نہ چڑھ سکنے پر بیحد مایوس ہو گئی لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ بہتر ہے وہ ویسا ہی کرے جیسا ماں نے کہا ہے۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ توت توچان نے کہا۔ پھر بولی ''مجھے تو یہ اسکول بہت ہی زیادہ پسند ہے۔''

ماں کا جی چاہا کہ اس سے کہہ دے کہ اصل معاملہ یہ نہیں کہ اسکول تمہیں پسند ہے یا نہیں لیکن انہوں نے توت توچان کا فراک چھوڑ کر اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے آفس کی طرف بڑھیں۔

ریل گاڑی کے ڈبوں میں خاموشی تھی کیونکہ اس روز کا پہلا پیریڈ شروع ہو چکا تھا۔ اسکول کا نسبتاً چھوٹا سا میدان دیوار کی بجائے پیڑوں سے گھرا ہوا تھا اور اس میں سرخ اور پیلے پھولوں سے بھری کیاریاں تھیں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کا دفتر ریل گاڑی میں نہیں تھا بلکہ اس ایک منزلہ عمارت میں تھا جو پھاٹک کے سامنے تھی۔ اور اس کے آگے آدھے حلقے کی شکل میں پتھر کی بنی سات سیڑھیاں تھیں۔ توت توچان نے ماں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پھر اچانک مڑی اور ماں سے تقریباً ٹکرا گئی۔

''کیا بات ہے؟'' ماں نے پوچھا۔ وہ ڈر گئیں کہ کہیں توت توچان اسکول کے بارے میں اپنا خیال بدل نہ دے۔ ماں سے کچھ اونچائی پر آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر توت توچان نے ماں سے سرگوشی میں بڑی سنجیدگی سے کہا جس آدمی سے ہم لوگ ملنے جارہے ہیں وہ ضرور اسٹیشن ماسٹر ہوگا۔

ماں کافی صابر تھیں اور کافی پُر مذاق بھی۔ انہوں نے اپنا چہرہ توت توچان کے چہرے کے پاس لا کر دھیمے سے کہا ''کیوں؟''

توت توچان نے اسی طرح سرگوشی کے لہجے میں جواب دیا۔ ''آپ نے کہا کہ وہ ہیڈ ماسٹر ہیں لیکن اگر وہ اتنی ساری ریل گاڑیوں کے مالک ہیں تب تو ضرور اسٹیشن ماسٹر

ہوں گے۔''

ماں کو تسلیم کرنا پڑا کہ کسی اسکول کے لئے پرانے ریل کے ڈبوں کا استعمال تو واقعی غیر معمولی بات ہے۔ لیکن سمجھانے کے لئے اُن کے پاس وقت نہیں تھا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا ''تم خود انہیں سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں؟ اب اپنے ابا ہی کو دیکھ لو۔ وہ وائلن بجاتے ہیں اور انکے پاس بہت سارے وائلن ہیں لیکن اس سے ہمارا گھر وائلن گھر تو نہیں بن گیا۔ کیا بن گیا ہے؟''

''نہیں تو۔ نہیں بنا ہے''۔ توت توچان مان گئی اور ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب

جب ماں اور توت توچان اندر داخل ہوئیں تو آفس میں بیٹھے ہوئے صاحب کُرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے سر کے بال اوپر سے ہلکے ہو گئے تھے اور کچھ دانت بھی غائب تھے لیکن چہرے کا رنگ بڑا صحت مند تھا۔ وہ زیادہ لانبے قد کے تو نہیں تھے لیکن انکے کندھے اور بانہیں ٹھوس تھیں انہوں نے پرانا سا کالے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔

توت توچان جلدی سے تعظیم کے لئے جھکی اور پھر بڑے جوش سے سوال کیا ''آپ کیا ہیں؟ ایک اسکول ماسٹر یا اسٹیشن ماسٹر؟''

ماں کچھ پریشان سی ہو گئیں مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتیں اُن صاحب نے ہنس کر جواب دیا ''میں اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہوں''۔

توت توچان بیحد خوش ہوئی ''اُفوہ میں کتنی خوش ہوں'' اُس نے کہا ''میں آپ سے ایک مہربانی کرنے کو کہوں گی۔ میں آپ کے اسکول آنا چاہتی ہوں۔''

ہیڈ ماسٹر صاحب نے توت توچان کی طرف ایک کرسی بڑھائی اور ماں سے مخاطب ہوئے۔ ''اب آپ گھر جاسکتی ہیں میں توت توچان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

ایک لمحے کے لئے توت توچان بے چین سی ہو گئی پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ ان صاحب کے ساتھ اچھی طرح بات چیت کرلے گی۔

"اچھا تو پھر میں اسے آپ کے پاس چھوڑ دیتی ہوں۔" ماں نے ہمت سے کہا اور باہر جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک کرسی کھینچ کر توت توچان کے سامنے رکھدی اور جب دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے، تو انہوں نے کہا "اچھا اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو سب کچھ کہو"۔

"جو کچھ بھی میں چاہوں؟" اُس نے پوچھا۔

توت توچان کا خیال تھا کہ وہ سوالات کریں گے جس کا اُسے جواب دینا ہو گا لیکن جب انہوں نے کہا کہ وہ جس چیز کے بارے میں چاہے بات کر سکتی ہے تو وہ اسقدر خوش ہوئی کہ ایک دم ہی بولنا شروع کر دیا۔ وہ سب کچھ تھوڑا گڈ مڈ ضرور تھا لیکن وہ جتنا بول سکتی تھی بول گئی اُس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو بتایا کہ جس ریل گاڑی میں وہ لوگ آئیں کس قدر تیز چل رہی تھی، کیسے اُسنے ٹکٹ کلکٹر سے اپنا ٹکٹ اپنے پاس رکھ لینے کے لئے پوچھا مگر وہ نہیں مانا۔ اور دوسرے اسکول میں اسکی کلاس ٹیچر کتنی خوبصورت تھیں۔ اس نے ابابیل کے گھونسلے اور اپنے بھورے رنگ کے کتے 'راکی' کے بارے میں بھی بتایا جو طرح طرح کی حرکتیں کرتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ کنڈر گارڈن میں کیسے وہ اپنے منہ میں قینچی ڈالکر کچھ کچھ کرتی تھی اور ٹیچر نے ایسا کرنے سے منع کیا کیونکہ اس طرح زبان کٹ سکتی تھی۔ لیکن وہ نہیں مانی اور ویسا ہی کرتی رہی۔ کیسے وہ ہمیشہ ناک اپنی سنکتی رہتی ہے کیونکہ اگر ناک بہے تو ماں ڈانتی ہیں اور ابا کتنے اچھے تیراک ہیں۔ وہ غوطہ بھی لگا سکتے ہیں۔ وہ بولتی گئی ہیڈ ماسٹر صاحب سر ہلا کر کہدیتے، "اور تب؟" توت توچان تو اتنا زیادہ خوش تھی کہ وہ بولتی ہی چلی گئی۔ آخر کار اسکے پاس اور کچھ کہنے کو باقی نہ رہا۔ وہ منہ بند کر کے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ کچھ یاد آجائے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے سوال کیا۔ "کیا اب تمہارے پاس مجھے بتانے کے لئے کچھ نہیں رہا؟"

کتنے شرم کی بات ہے کہ رک جایا جائے۔ توت توچان نے سوچا ایسا اچھا موقع ملا تھا۔ اب کیا کوئی ایسی چیز نہیں رہی جس کے بارے میں بات کی جائے؟ وہ سوچنے لگی اور دماغ پر زور ڈالا۔ تب اُسے ایک خیال آیا۔ وہ انہیں اس لباس کے بارے میں بتا سکتی ہے جو وہ

اُس روز پہنے ہوئے تھی۔ اُسکے کپڑے زیادہ تر ماں ہی تیار کرتی تھیں لیکن یہ والا تو ایک دوکان سے آیا تھا۔ جب وہ تیسرے پہر اسکول سے لوٹتی تو اُسکے کپڑے ہمیشہ پھٹے ہوتے۔ اکثر تو بری طرح پھٹ جاتے مگر ماں کو پتہ نہ چلا کہ وہ بری طرح کیسے پھٹتے ہیں۔ اُسکی سفید سوتی جانگھیہ بھی اکثر تو پھٹ کر تار تار ہو جاتی تھی۔ اُس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو بتایا کہ وہ اس لئے پھٹتی تھی کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کے باغ کو باڑھ کے نیچے سے پار کرتی تھی، یا پھر خالی زمینیں گھیرنے والی تار کی باڑھ کے نیچے زمین کھود کر پار کرتی تھی۔ اس نے کہا کہ آج صبح جب وہ آنے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو پتہ چلا کہ وہ ماں کے سئے ہوئے تمام لباس پھٹ چکے تھے لہذا اُسے وہ فراک پہننا پڑا جو ماں نے دوکانوں سے خریدا تھا۔ اُس پر تیز سرخ اور سرمئی رنگ کے خانے تھے اور وہ جرسی سے بنا تھا۔ وہ برا تو نہیں تھا لیکن ماں کا خیال تھا کہ اُسکے کالر پر کڑھے سرخ پھول بھدے لگ رہے تھے، "اماں کو یہ کالر بالکل اچھا نہیں لگتا۔" تو توچان نے کالر اوپر اُٹھاتے ہوئے ہیڈ ماسٹر صاحب کو دکھایا اور کہا۔ اس کے بعد انتہائی کوشش کرنے پر بھی اُسے کچھ اور کہنے کو نہیں ملا اس کی وجہ سے وہ کچھ اور افسردہ ہو گئی۔ اُسی وقت ہیڈ ماسٹر صاحب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنا بڑا سا گرم گرم ہاتھ سر پر رکھا اور بولے "اچھا اب تم اسکول کی طالب علم ہو گئیں۔"

اسکے الفاظ بالکل یہی تھے اور اُس لمحے توت توچان نے محسوس کیا کہ اُس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی ہے جو زندگی میں پہلی مرتبہ واقعی اُس کو پسند آیا ہے۔ آپ جانئے اُس وقت تک کسی نے بھی اتنی دیر تک اُس کی باتیں نہیں سنی تھیں۔ اور ہیڈ ماسٹر صاحب نے تو اتنی دیر میں ایک مرتبہ بھی نہ تو جماہی لی اور نا ہی بور ہوئے بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس میں اتنی گہری دلچسپی لے رہے تھے جتنی خود اُسے تھی۔ توت توچان نے ابھی وقت دیکھنا نہیں سیکھا تھا لیکن اسے لگا کہ بہت وقت گزر چکا ہے اگر وہ وقت دیکھ سکتی تو بڑی حیران ہوتی اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی اور بھی زیادہ شکر گزار ہوتی۔ آپ کو پتہ ہے ماں اور توت توچان صبح آٹھ بجے اسکول پہنچے تھے اور جب توت توچان نے باتیں کرنا ختم کیا اور ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے بتایا کہ اب وہ اسکول کی طالب علم ہے اور گھڑی پر نظر ڈال کر کہا کہ "ارے اب تو لنچ کا وقت ہو گیا،" تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے پورے چار گھنٹے توت توچان کو بولتے سنا ہو گا!

کسی بھی بڑی عمر کے آدمی نے توت توچان کی باتیں اتنی دیر تک نہ تو اس سے پہلے کبھی سنی تھیں اور نہ ہی بعد میں سنیں۔ اس کے علاوہ ماں اور اسکول کی استانی بھی حیران رہ جاتی تھیں کہ ایک سات سال کی بچی کے پاس اتنی باتیں ہو سکتی ہیں کہ وہ بلار کے چار گھنٹے تک بس بولتی جائے۔

توت توچان کو اس وقت تک واقعی پتہ نہ تھا کہ وہ اسکول سے نکال دی گئی ہے اور لوگ بری طرح فکر مند ہیں کہ کیا کریں۔ فطری طور پر خوش رہنے کی اس کی عادت اور تھوڑا سا اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی رہنے کی وجہ سے وہ بڑی معصوم لگتی تھی۔ لیکن اس کو دل کی گہرائیوں میں کہیں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اُسے دوسرے بچوں سے کچھ مختلف خیال کیا جاتا ہے اور تھوڑا عجیب سا بھی۔ تاہم ہیڈ ماسٹر صاحب کی وجہ سے آس نے اپنے آپ کو محفوظ اور خوش تصور کیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ان کے پاس ہی رہ جانا چاہتی تھی۔

پہلے دن تو توت توچان نے ہیڈ ماسٹر سوسا کو بایاشی کے بارے میں بہت ہی سوچا تھا اور خوش قسمتی سے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی اُسکے بارے میں یہی سوچا تھا۔

دن کے کھانے کا وقت

ہیڈ ماسٹر صاحب توت توچان کو وہ جگہ دکھانے کے لئے گئے جہاں بچے دن کا کھانا کھاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ "ہم لوگ ریل گاڑی کے اندر لنچ نہیں کھاتے بلکہ اسمبلی ہال میں کھاتے ہیں۔" اسمبلی ہال پتھر کی بنی ان سیڑھیوں کے اوپر تھا جہاں توت توچان پہلے چڑھ چکی تھی۔ جب یہ لوگ پہنچے تو دیکھا کہ بچے شور مچاتے ہوئے ڈیسک اور کرسیاں ایک حلقے میں رکھ رہے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک کونے میں کھڑے تھے تو توت توچان نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے جیکٹ پر کہنی ماری اور پوچھا "باقی بچے کہاں ہیں؟"

"کل اتنے ہی بچے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا۔

"بس اتنے ہی؟" توت توچان کو یقین نہیں آیا۔ اتنے بچے تو دوسرے اسکول میں صرف ایک درجے میں تھے۔

"آپ کا مطلب ہے کہ سارے اسکول میں صرف پچاس بچے ہیں؟"

"بس اتنے ہی ہیں۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔

توت توچان سوچنے لگی کہ اس اسکول میں تو دوسرے اسکول سے ہر بات ہی مختلف ہے۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے بچوں سے پوچھا کہ کیا ہر ایک بچہ کھانے میں کوئی نہ کوئی چیز سمندر اور پہاڑوں سے لایا ہے!

"جی ہاں" ! انہوں نے اپنے مختلف قسم کے کھانے کے ڈبیوں کو کھولتے ہوئے ایک آواز میں کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں تمہارے پاس کیا ہے"۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یہ کہ کر حلقے کے بیچ میں ادھر ادھر گھومتے اور ہر ڈبے کے اندر دیکھنے لگے۔ بچے خوشی سے چلا رہے تھے۔

"کیسی مزے کی بات ہے"۔ توت توچان نے سوچا میں حیران ہوں کہ "کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے" ان کا کیا مطلب ہے؟ یہ اسکول مختلف بھی ہے اور پر لطف بھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اسکول میں لنچ ایسا مزے کا اور دلچسپ بھی ہو سکتا ہے اس خیال نے کہ کل وہ کسی ڈیسک پر بیٹھی ہیڈ ماسٹر صاحب کو اپنا کھانا دکھا رہی ہو گی جس میں کچھ "کچھ سمندر کا" اور "کچھ پہاڑوں" کا ہو گا اُسکو اتنی زیادہ خوشی دی کہ اُس کا جی چاہا کہ وہ مسرت سے اچھلنے کودنے لگے۔

جب ہیڈ ماسٹر صاحب کھانے کے ڈبوں کا معائنہ کر رہے تھے تو دوپہر کی نرم چمکیلی دھوپ ان کے کندھوں پر پڑ رہی تھی۔

توت توچان اسکول جانے لگی

ہیڈ ماسٹر صاحب کے یہ کہنے کے بعد کہ "اب تم اس اسکول کی طالبا ہو گئیں" توت توچان کے لئے دوسرے دن کا انتظار کرنا مشکل ہو گیا۔ اس نے پہلے کبھی کسی دن کا اس اشتیاق سے انتظار نہیں کیا تھا۔ ماں کو صبح کے وقت توت توچان کو بستر سے اُٹھانے میں کافی مشکل ہوتی تھی لیکن اس روز تو وہ سب سے پہلے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کپڑے پہن لئے اور اسکول کا تھیلا پیٹھ پر

باندھ کر تیار ہو گئی۔

گھر کے ایک فرد راکی نے جو جرمن شیفرڈ نسل کا کتا تھا، اور وقت کا سب سے زیادہ پابند تھا توت توچان کے رویئے کو تھوڑا شبہ کی نظر سے دیکھا، لیکن اچھی طرح انگڑائی لینے کے بعد وہ توت توچان کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا۔ اس کو لگ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

ماں کو بہت کام تھا۔ وہ مصروف ہو گئیں اور انہوں نے کھانے کے ڈبے میں کچھ سمندر سے کچھ پہاڑوں سے رکھا۔ انہوں نے توت توچان کو ناشتہ کرایا اور اس کا ریل گاڑی کے پاس ایک پلاسٹک کے کیس میں جس میں ڈوری لگی تھی رکھ کر ڈوری اُسکے گلے میں پہنادی تاکہ کھو نہ جائے۔

"ایک اچھی لڑکی کی طرح رہنا"۔ ابا نے کہا۔ اُن کے بال بالکل الجھے ہوئے تھے۔

"بالکل رہوں گی۔" توت توچان نے کہا۔ اس نے جوتے پہنے، سامنے کا دروازہ کھولا، پھر پیچھے مڑی، تعظیم میں سر کو جھکایا، اور بولی "سب کو خدا حافظ"۔

ماں کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ چھوٹی سی یہ زندہ دل لڑکی جو اس قدر خوشی اور فرمانبرداری کے ساتھ اسکول کے لئے روانہ ہو رہی ہے ایک اسکول سے نکالی جاچکی ہے۔ انہوں نے دل سے دعا مانگی کہ خدا کرے اس بار سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے۔

ایک ہی لمحے بعد ماں نے دیکھا کہ توت توچان نے اپنے گلے سے ریل کا پاس نکال کر کتے کے گلے میں ڈالدیا، "باپ رے۔۔۔۔" ماں نے سوچا لیکن انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کچھ نہیں کہیں گی اور اس بات کا انتظار کریں گی کہ اب آگے کیا ہوتا ہے۔

ریلوے پاس کی ڈوری راکی کے گلے میں ڈالنے کے بعد توت توچان نیچے زمین پر بیٹھ کر بولی "دیکھو یہ تمہارے بالکل فٹ نہیں آیا۔"

ڈوری لمبی تھی اور پاس زمین پر گھسٹ رہا تھا۔

"جانتے ہو نا؟ یہ پاس میرا ہے تمہارا نہیں۔ تم ریل گاڑی پر سوار نہیں ہو سکو گے۔ اچھا میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے اور اسٹیشن والے آدمی سے پوچھوں گی اور دیکھوں گی کہ وہ تم کو بھی اسکول جانے دیں"۔

راکی پہلے تو کان کھڑے کر کے بڑے غور سے سنتا رہا پھر اس نے پاس کو دو چار بار

چاٹنے کے بعد جمائی لی۔ توت توچان بولتی گئی "کلاس والی ریل گاڑی تو چلتی نہیں اس لئے میں سوچتی ہوں کہ اس پر سوار ہونے کے لئے تم کو ٹکٹ کی ضرورت نہیں پڑے گی لیکن آج تو تم کو گھر پر ہی ٹھہرنا پڑے گا اور میرا انتظار کرنا ہو گا"۔

راکی ہمیشہ توت توچان کے ساتھ پرانے اسکول جایا کرتا تھا۔ وہ پھر واپس لوٹ جاتا۔ قدرتی بات ہے کہ آج بھی وہ یہی کرنا چاہتا تھا۔

توت توچان نے ڈوری میں بندھا پاس کتے کی گردن سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اُس نے اماں اور ابا کو ایک بار پھر آواز دی۔

"اچھا خدا حافظ"۔

پھر وہ تیزی سے دوڑ پڑی بغیر پیچھے نظر ڈالے ہوئے اور اس کا تھیلا پیٹھ پر اُچھل رہا تھا۔ راکی اس کے ساتھ خوشی خوشی دوڑ رہا تھا۔ اسٹیشن کا راستہ وہی تھا جو پرانے اسکول کو جاتا تھا تو توت توچان کو وہ سارے کتے بلّیاں ملتے گئے جنہیں وہ جانتی تھی۔ اسے پرانے اسکول کی اپنی کلاس کے بچے بچیاں بھی ملے۔

توت توچان سوچ رہی تھی کہ کیا وہ اُن لوگوں کو اپنا ریلوے پاس دکھائے اور ان پر رعب جمائے؟ لیکن وہ دیر سے اسکول نہیں پہنچنا چاہتی تھی چنانچہ اس نے سوچا کہ آج نہیں اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

جب توت توچان اسٹیشن پر ہمیشہ کی طرح بائیں جانب مڑنے کے بجائے دائیں طرف مڑ گئی تو بیچارہ راکی کھڑا رہ گیا اور پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ توت توچان ٹکٹ دکھانے والے پھاٹک تک پہنچ چکی تھی لیکن وہ راکی کے پاس واپس آئی جو گھبرایا ہوا کھڑا تھا

"بھئی میں پرانے اسکول میں نہیں جا رہی ہوں۔ میں تو اب ایک نئے اسکول میں جا رہی ہوں۔"

توت توچان نے اپنا چہرہ راکی کے چہرے کے قریب کیا۔ اس کے کان سے بدبو آرہی تھی ہمیشہ کی طرح۔ لیکن توت توچان کو وہ مہک اچھی لگی۔

"خدا حافظ" اُس نے کہا اور ایک آدمی کو اپنا پاس دکھا کر اسٹیشن کی ڈھلوان

سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ راکی آہستہ آہستہ چیں چیں کرتا رہا اور توت توچان کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

ریل گاڑی میں کلاس روم

جب توت توچان اُس ریل گاڑی کے دروازے پر پہنچی جس کے بارے میں ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا تھا کہ وہی اُسکی کلاس ہو گی تو اس وقت تک کوئی بھی بچہ اسکول نہیں آیا تھا۔ یہ پرانے فیشن کا ریل کا ڈبہ تھا اس پر ابھی تک باہر کی طرف ایک ہینڈل لگا ہوا تھا۔ آپ دونوں ہاتھوں سے اس ہینڈل کو پکڑ کر دروازے کو دائیں کھسکا دیجئے۔ جب توت توچان نے اندر جھانکا تو اس کا دل جوش و خروش سے تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

او ہو یہاں پڑھنا تو مستقل سفر کرنے جیسا ہو گا۔ کھڑکیوں کے اوپر سامان رکھنے کے ریک اب بھی لگے ہوئے تھے۔ بس ایک فرق تھا کہ ڈبے کے ایک طرف ایک بورڈ لگا ہوا تھا اور لمبائی میں سیٹوں کی جگہ سامنے کی طرف منھ کر کے کرسیاں اور اسکول ڈیسک رکھ دئے گئے تھے۔ پکڑ کر کھڑے ہونے والے تسمے بھی چھت سے نکال دئے گئے تھے لیکن باقی سب کچھ پہلے ہی جیسا چھوڑ دیا گیا تھا۔

توت توچان اندر جا کر کسی دوسرے بچے کی سیٹ پر بیٹھ گئی لکڑی کی کرسیاں پہلے اسکول کی کرسیوں ہی جیسی تھیں لیکن وہ اتنی زیادہ آرام دہ تھیں کہ وہ ان پر سارے دن بیٹھی رہ سکتی تھی۔ توت توچان اس قدر خوش تھی اور اسکول اسے اتنا زیادہ پسند آرہا تھا کہ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ ہر روز اسکول آئے گی اور چھٹی تو کبھی نہیں لے گی۔

توت توچان نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ ریل گاڑی کھڑی ہے کہ لیکن کیا وہ حرکت کرتی ہوئی اس لئے لگ رہی ہے کہ اسکول کی سرزمین پر چلتی ہواؤں کی وجہ سے سارے پھول اور پیڑ ہلکے ہلکے جھوم رہے تھے؟

”میں کس قدر خوش ہوں!“ اس نے آخر کار زور سے کہا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ کھڑکی پر رکھ کر ہلکے سے دبایا اور ایک گانا بنانے لگی جیسا کہ وہ ہمیشہ بہت زیادہ خوش ہونے پر

کیا کرتی تھی۔

میں کتنی خوش ہوں
کتنی خوش ہوں میں!
کیوں اتنی خوش ہوں میں؟
کیونکہ ----

اسی وقت کوئی اندر داخل ہوا یہ ایک لڑکی تھی۔ اس نے اسکول بیگ سے اپنی کاپی اور پنسل کا ڈبہ نکال کر ڈیسک پر رکھا۔ پھر وہ پنجوں کے بل کھڑی ہو گئی اور اسکول بیگ ریک پر رکھ دیا۔ توت توچان نے بھی جلدی سے گانا بند کر کے ویسا ہی کیا۔ پھر ایک لڑکا آیا اور پھر اس نے دروازے پر کھڑے ہی کھڑے اپنا کتابوں کا تھیلا سامان رکھنے کے ریک پر ایسے اچھال کر پھینکا جیسے وہ باسکٹ بال کھیل رہا ہو۔ تھیلا اچھل کر فرش پر گر پڑا۔ نشانہ خراب رہا کہہ کر لڑکے نے پھر اسی جگہ سے نشانہ لگایا اس بار تھیلا رکا رہا اور گرا نہیں۔ ”کیا بڑھیا نشانہ؟“ لڑکا چلایا لیکن فوراً ہی بولا نہیں نہیں برا نشانہ ہے۔ پھر وہ جلدی سے ڈیسک پر چڑھ گیا پھر اس نے تھیلے سے اپنی کاپی اور پنسل کا ڈبہ نکالا۔ ظاہر ہے پہلے یہ کام نہ کر لینے کی وجہ سے ہی اس نے اپنے نشانے کو خراب نشانہ کہا تھا۔ ریل گاڑی کے ڈبے میں کل ملا کر نو طالب علم تھے تو مئے گا کوین کا یہ پہلا درجہ تھا۔

یہ سب کے سب بچے ایک ساتھ اسی ریل گاڑی میں سفر کریں گے۔

تو موئے میں سبق

ریل گاڑی کے ڈبے والے اسکول میں جانا تو غیر معمولی تھا ہی لیکن وہاں بیٹھنے کا انتظام بھی غیر معمولی ہی تھا۔ دوسرے اسکولوں میں تو ہر طالبِ علم کا ایک خاص ڈیسک طے کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہاں اجازت تھی کہ جس کا جہاں جی چاہے بیٹھ جائے۔

کافی سوچ بچار اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالنے کے بعد توت توچان نے طے کیا کہ جو لڑکی صبح کو اس کے بعد آئی تھی وہ اسی کے برابر بیٹھے گی کیونکہ اس لڑکی نے جو فراک

پہن رکھی تھی اس پر لمبے کانوں والا ایک خرگوش بنا تھا۔

اس اسکول کی سب سے غیر معمولی چیز یہاں کے سبق تھے۔ عام طور پر اسکولوں میں ایک مضمون کا ایک پیریڈ ہوتا ہے۔ جیسے اگر جاپانی زبان پہلے گھنٹے میں ہے تو بس صرف جاپانی ہی پڑھائی جائے گی، پھر حساب کا دوسرا گھنٹہ ہے تو اس میں بس حساب ہی سکھایا جائے گا لیکن یہاں بالکل ہی دوسرا طریقہ تھا۔ پہلے گھنٹے میں ٹیچر ان تمام مضامین سے متعلق سوالوں کی ایک فہرست تیار کر لیتی تھیں جو اس روز پڑھائے جانیوالے ہوتے تھے تب وہ کہتی تھیں "اچھا اب تم ان میں سے جو چاہو شروع کرو۔"

چنانچہ اب چاہے جاپانی زبان پڑھنا شروع کریں یا حساب یا کچھ اور۔ کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ جس کو مضمون لکھنا اچھا لگتا وہ کچھ لکھ رہا ہوتا، آپ ہی کے پیچھے کسی کو اگر علم طبعیات (فزکس) سے دلچسپی ہے تو وہ الکوحل کے چھوٹے سے چولھے پر شیشے کی نلکی میں کچھ ابالنے لگتا اور اس طرح تو کسی بھی درجے میں ایک چھوٹا سا دھماکا تو ہر وقت ہی ممکن تھا۔

پڑھائی کے اس طریقے کی بدولت استادوں کو یہ دیکھنے کا موقع مل جاتا تھا کہ بچے جیسے جیسے ترقی کر کے آگے کے درجوں میں جاتے رہتے ہیں ان کی دلچسپیاں کن چیزوں میں ہوتی ہیں اور یہ بھی کہ ان کے سوچنے کا ڈھنگ کیا ہے اور ان کا کردار کیسا ہے۔ ٹیچروں کے لئے اپنے طالب علموں کو واقعی سمجھنے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔

جہاں تک طالب علموں کا سوال ہے تو انہیں اپنے پسندیدہ مضمون سے پڑھائی کرنا زیادہ اچھا لگتا ہے اور اگر وہ سارا دن ایسے مضمونوں سے جوجھتے رہیں جو انہیں ناپسند ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بغیر دلچسپی لئے اُن سے بس کسی طرح نمٹ ہی لیں گے۔ لہٰذا یہاں پڑھائی آزادانہ تھی۔ بچوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جب ضروری ہو ٹیچر سے مشورہ کر لیں۔ اگر وہ چاہتے تو ٹیچر بھی ان کے پاس آ جاتی تھیں اور کسی بھی مسئلے کو اتنی اچھی طرح سمجھا دیتیں کہ وہ خود انہیں حل کریں۔ یہ صحیح معنوں میں پڑھائی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جب ٹیچر بول رہی ہوں یا سمجھا رہی ہوں تو کوئی بھی بچہ ایسا نہیں ہو گا جو دھیان نہ دے رہا ہو اور محض بیٹھا ہو۔

پہلے درجے کے بچے تو ابھی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ وہ آزادانہ، اور اپنے طور پر پڑھائی کر سکیں لیکن انہیں بھی اس کی اجازت تھی کہ وہ جس مضمون سے بھی چاہیں اپنی پڑھائی شروع کریں۔

کچھ بچے حروف کی نقل کرتے، تو دوسرے تصویریں بناتے اور کچھ کتابیں پڑھتے اور بعض تو کسرت بھی کرتے۔ توت تو چان کے پاس بیٹھنے والی لڑکی سارے حروف پہچانتی تھی اور وہ انہیں اپنی کاپی میں لکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس قدر نامانوس تھا کہ توت تو چان کچھ گھبرائی ہوئی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

اسی وقت اسکے پیچھے بیٹھا ہوا لڑکا اپنی کاپی ہاتھ میں لے کر اٹھا اور بلیک بورڈ کی طرف بڑھا۔ ایسا لگا کہ وہ ٹیچر سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ ٹیچر بلیک بورڈ کے قریب ہی بیٹھی کسی طالب علم کو کچھ سمجھا رہی تھیں توت تو چان نے چاروں طرف دیکھنا چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں میں اپنی ٹھوڑی لے کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں چلتے ہوئے لڑکے کی پیٹھ پر جمی ہوئی تھیں۔ لڑکا اپنے پیر گھسیٹ رہا تھا اور اس کا سارا جسم جھٹکے سے ہل رہا تھا۔ توت تو چان پہلے تو سوچ رہی تھی کہ شاید وہ جان کر ایسا کر رہا ہو لیکن جلد ہی اس کو احساس ہو گیا کہ وہ ٹھیک سے چل ہی نہیں سکتا تھا۔

جب لڑکا اپنے ڈیسک پر واپس گیا تو توت تو چان اسے دیکھتی رہی۔ اُن کی آنکھیں چار ہوئیں۔ لڑکا مسکرایا توت تو چان بھی جواب میں مسکرا دی۔ جب وہ اُس کے پیچھے ڈیسک پر بیٹھا تو اسے اوروں کے مقابلے بیٹھنے میں کچھ زیادہ دیر لگی۔ وہ پیچھے مڑ کر بولی "تم ایسے کیوں چل رہے ہو؟" اس نے آہستگی سے اور نرم آواز میں جس سے ذہانت کا پتہ چلتا تھا جواب دیا "مجھے پولیو ہو گیا تھا۔"

"پولیو؟" توت تو چان نے دہرایا۔ اس نے یہ لفظ پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

"ہاں پولیو؟" لڑکے نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "صرف پیر ہی ایسا نہیں بلکہ ہاتھ بھی ہے"۔ اس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دئے۔ توت تو چان نے اس کے بائیں ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی لمبی لمبی انگلیاں مڑ گئیں تھیں لگتا تھا جیسے ایک ساتھ چپک گئیں ہوں۔

"کیا اس کے بارے میں کچھ نہیں کیا جا سکتا؟" توت تو چان نے فکر مند ہو کر

پوچھا۔ لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پریشان ہو گئی اور سوچا کاش اُس نے یہ سوال نہ پوچھا ہوتا۔ لیکن لڑکا خوش ہو کر بولا "میرا نام یاسو آکی یاما موتو ہے۔ تمہارا کیا ہے؟"

وہ لڑکے کو اتنی پر مسرت آواز میں بولتے سن کر اسقدر خوش ہوئی کہ بڑے زور سے جواب دیا۔ "میں ہوں توت توچان"۔

اس طرح یاسو کی یاما مو اور توت توچان دوست بن گئے۔ سورج کی وجہ سے ریل گاڑی کے اندر کافی گرمی ہو گئی تھی کسی نے ایک کھڑکی کھول دی۔ بہار کی تازہ ہواؤں کا ایک جھونکا اندر آیا اور بڑی لاپروائی سے بچوں کے بالوں کو بکھیرتا چلا گیا۔

تو اس طرح شروع ہوا تھا تو موئے میں توت توچان کا پہلا دن۔

سمندری اور زمینی کھانا

اب آیا "کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے" کا وقت یعنی دن کے کھانے کا وقت جس کا توت توچان بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ ادھورا جملہ متاوزن قسم کے کھانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ ایسا کھانا جو وہ چاہتے تھے کہ بچے چاول کے علاوہ لنچ کے لئے لایا کریں۔ اس عام جملے کے بجائے کہ "اپنے بچے کو ہر طرح کا کھانا کھانے کی عادت ڈالئے" اور یہ کہ "مہربانی سے خیال رکھئے کہ وہ متوازن قسم کا لنچ لیکر آئیں" یہ ہیڈ ماسٹر ماں باپ سے کہتے تھے کہ وہ بچوں کے کھانے کے ڈبے میں "کچھ سمندر سے" اور "کچھ پہاڑوں سے ضرور ر کھا کریں۔

"کچھ سمندر سے" کا مطلب تھا سمندری غذا جیسے مچھلی، جھینگا اور دوسری جیسے TSUKUDANI چھوٹی چھوٹی مچھلیاں وغیرہ جو سویا، ساس اور میٹھے سلکا Salke میں ابالی ہوتی ہیں۔ "کچھ پہاڑوں سے" کا مطلب تھا زمین پر اگنے والی یا ملنے والی چیزیں سبزیاں دالیں، اناج، اور مرغی بکری وغیرہ کا گوشت۔

ماں اس بات سے متاثر تھیں اور سوچتی تھیں کہ بہت کم ہیڈ ماسٹر ایسے ہوں گے جو اتنے اہم قاعدے کو اتنی آسان زبان میں بتانے کے اہل ہوں۔ اس کے علاوہ ہیڈ ماسٹر صاحب

نے بھی کہا کہ ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے بہت زیادہ سوچ وچار کرنے یا لمبے چوڑے خرچ کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ زمینی کھانے میں مصالحہ دار (بر ڈاک ایک طرح کا ساگ) یا آلو یا آملیٹ ہو جائے اور سمندری کھانے میں سوکھی Bonito بونی تو کی کتری ہوئی پتیاں یا اس سے بھی آسان ہو گا اگر آپ سمندری میں صرف نوری جیسی گھاس (Weeds) گھر تیار پکا دیں اور پہاڑوں سے میں صرف آلو چے کا مربہ اچار رکھ دیں چاول کے ساتھ۔

ایک دن پہلے کی طرح جب توت توچان نے بڑے رشک سے دیکھا تھا، ہیڈ ماسٹر صاحب آئے اور کھانے کے ڈبوں کا معائنہ کرنے لگے۔

"تم کچھ سمندر سے کچھ پہاڑوں سے لائے ہو نا؟" انہوں نے پوچھا اور الگ الگ ڈبوں کا معائنہ شروع کر دیا۔ یہ دیکھنے میں کیسا لطف آرہا تھا کہ "سمندر سے اور پہاڑوں سے" کون بچہ کیا لایا ہے۔

کبھی کوئی ماں بہت مصروف ہوتیں تو ان کے بچے کے ڈبے سے صرف پہاڑوں کا ہی کوئی کھانا نکلتا یا پھر صرف سمندر کا ہی ہوتا۔ لیکن فکر مت کیجئے اس سے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ جب ہیڈ ماسٹر صاحب ڈبوں کے معائنے پر چکر لگا رہے ہوتے تو ان کی بیوی ان کے پیچھے پیچھے چلتی نظر آتیں تھیں۔ وہ باورچی کا ایپرن لگائے اور دونوں ہاتھوں میں یک ایک بھگونہ تھامے رہتی تھیں۔ اگر ہیڈ ماسٹر صاحب کسی طالب علم کے سامنے رک کر کہتے کہ سمندر سے تو وہ سمندری بھگونے سے ابلی مچھلی کے رولز نکال کر اُسے دیدیتیں اور اگر پہاڑوں سے کہتے تو، پہاڑوں والے بھگونے سے سویا ساس میں ڈوبے ہوئے آلو کے کچھ ٹکڑے نکال کر ڈال دیتیں۔

اب کوئی جواب میں بھی یہ نہیں کہے گا کہ مجھے مچھلی کے رولز پسند نہیں یا یہ سوچے کہ فلاں کا کھانا کتنا عمدہ ہے یا پھر یہ کہ وہ بچارا کیسا خراب سا کھانا لاتا ہے۔ بچوں کو تو بس ایک بات کی فکر ہوتی تھی کہ انہوں نے اپنے کھانے میں دونوں ضرورتوں سمندر اور پہاڑ کو پورا کر لیا ہے کہ نہیں اور اگر وہ ایسا کر پاتے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہتا اور سب بڑے اچھے موڈ میں رہتے۔

توت توچان کی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ "کچھ سمندر" اور "کچھ پہاڑوں سے" کا

مطلب کیا ہے؟ تب اس کو شبہ ہوا کہ اس دن ماں نے جلدی جلدی میں اس کا جو لنچ تیار کیا تھا وہ ٹھیک ہوگا کہ نہیں پر جب اُس نے اپنے کھانے کا ڈبہ کھولا تو اندر اس قدر شاندار کھانا تھا کہ وہ اپنے آپ کو چلا کر یہ کہنے سے نہ روک سکی کہ "افوہ کتنا اچھا مزیدار ہے یہ سب!"

توت تو چان کے کھانے میں پیلے پیلے تلے ہوئے انڈے، ہری مٹر مورے ڈن بو DENBU اور کاڈ مچھلی کے گلابی گلابی پتلے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ یہ لنچ پھولوں کے کسی باغ کی طرح رنگین تھا۔

"کس قدر حسین ہے!" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ توت تو چان بڑی خوش ہو گئی اور بولی۔ "میری امی بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔" "سچ، کیا ایسی بات ہے؟ ہیڈ ماسٹر صاحب نے

کہا؟ اور ڈن بو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "اچھا بتاؤ تو یہ کیا ہے؟ کیا یہ سمندر سے ہے پہاڑوں سے؟"

توت تو چان نے ڈن بو کو دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی کہ کیا صحیح ہے۔ وہ بالکل مٹی کے رنگ کا تھا۔ تو شاید پہاڑوں سے ہی ہوگا۔ لیکن اسے یقین نہیں تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا

پھر ہیڈ ماسٹر صاحب نے پورے اسکول سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا، "ڈن بو سمندر سے آتا ہے یا پہاڑوں سے؟"

تھوڑے وقفے کے بعد جس میں بچے غور کر رہے تھے کچھ نے چلا کر کہا پہاڑوں سے دوسرے چلائے "سمندر سے"۔

"اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں"۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ "ڈن بو سمندر سے آتا ہے"۔

"کیوں"؟ ایک موٹے لڑکے نے سوال کیا۔

ڈیسکوں کے حلقے کے درمیان کھڑے ہوئے ہیڈ ماسٹر صاحب نے سمجھایا۔ "ڈن بو بنانے کے لئے پکی ہوئی مچھلی کے گوشت کو ہڈیوں سے کھرچ کر چھڑا لیتے ہیں۔ اسے ہلکا سا سینکتے ہیں، پھر کچل کر اسے باریک باریک ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے سکھا کر اس میں کچھ مصالحہ ملا دیتے ہیں۔"

"اوہ!" بچے متاثر ہوئے۔ پھر کسی نے پوچھا کیا وہ لوگ توت تو چان کا ڈن بو دیکھ سکتے ہیں؟

ضرور ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہہ دیا اور سارے اسکول ہی توت تو چان کا ڈن بو ضرور دیکھنے کے لئے آ کھڑا ہوا۔ اس میں ایسے بچے بھی ضرور رہے ہوں گے جو جانتے تھے کہ ڈن بو کیا ہوتا ہے لیکن اُن کی دلچسپی اُبھر آئی تھی اور ایسے بچے بھی رہے ہوں گے جو صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا توت تو چان کا ڈن بو اس سے مختلف ہے جیسا اُن کے گھر کا ہوتا ہے۔

چنانچہ بہت سے بچوں نے توت تو چان کے ڈن بو کو سونگھنا شروع کر دیا اور وہ ڈری کہ کہیں اس کے باریک باریک ٹکڑے ادھر ادھر ہوا میں ہی نہ اڑ ائیں۔

اُس روز یعنی پہلے دن کھانے کے وقت توت تو چان کچھ گھبرائی ہوئی تھی لیکن مزا

بھی آیا۔ اس بات پر حیران ہونا کہ سمندری کھانا کون کون سا ہے اور زمینی کھانا کون، بہت ہی دلچسپ تھا۔ اس نے یہ بھی جانا کہ ڈن بو مچھلی سے بنتا ہے۔ اور ماں کو "کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے" رکھنا بھی یاد رہا۔ غرض یہ کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہی رہا اُس نے بہت مطمئن ہو کر سوچا۔

اور توت تو چان کو جس دوسری بات سے خوشی ہوئی وہ یہ تھی کہ جب اُس نے ماں کا بنایا کھانا کھانا شروع کیا تو پتہ چلا کہ وہ بڑا ہی مزیدار تھا۔

اسے اچھی طرح چباؤ

عام طور پر کھانا کھانے سے پہلے کہتے ہیں 'اتاداکماسو'۔ (میں شکر گزار ہو کر حصہ لیتا ہوں) لیکن تو موئے گاکو این کی ایک مختلف بات یہ تھی کہ پہلے سب بچوں نے مل کر ایک گیت گایا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب موسیقار تھے۔ انہوں نے صرف گیت کے بول لکھے تھے اور انہیں مشہور گانے "کھے لو کھے لو اپنی ناؤ" کی دھن پر بٹھا دیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے بول یہ تھے۔

چباؤ چباؤ چباؤ اچھی طرح چباؤ
ہر چیز جو تم کھاؤ چباؤ اسے چباؤ
چباؤ اور چباؤ اپنا چاول، اپنی مچھلی اپنا گوشت
اچھی طرح چباؤ۔ اچھی طرح چباؤ
بچے گانا ختم کر لینے پر ہی "اتاداکماسو' کہتے تھے

کھے لو کھے لو اپنی ناؤ کی دھن لنچ سے پہلے ہی گائے جانے والے گیت پر ایسی ٹھیک بیٹھی تھی کہ برسوں بعد تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ دھن کھانے سے پہلے گائے جانے والے گیت ہی کی تھی۔

کیا پتہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ گانا شاندار اس لئے بنایا ہو کہ انکے کچھ دانت ٹوٹ چکے تھے۔ لیکن وہ تو ہمیشہ ہی بچوں سے یہ ہی کہتے رہتے تھے کہ کھانا آہستہ آہستہ کھانا چاہئے اور کھانے پر بات چیت کا مزہ لیتے ہوئے زیادہ وقت لگانا چاہئے۔ پھر تو یہ امکان زیادہ ہے کہ انہوں نے یہی بات یاد دلانے کے لئے یہ گیت لکھا ہو گا۔

خوب ہی اونچی آوازوں میں یہ گیت گا لینے کے بعد سب بچے اتاداکماسو کہہ کر "کچھ سمندر سے" اور کچھ پہاڑوں سے کھانے بیٹھ جاتے۔ اور کچھ دیر تک اسمبلی ہال میں خاموشی چھائی رہتی۔

اسکول میں سیر

دن کا کھانا کھا لینے کے بعد کلاس میں واپس آنے سے پہلے جہاں ٹیچر منتظر تھیں، توت چان منتظر تھیں، توت تو چان میدان میں کچھ دیر دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی۔

ٹیچر نے کہا، "بچو آج صبح سے تم لوگوں نے بڑی محنت کی ہے تو پھر تیسرے پہر تمام لوگ کیا کرنا چاہو گے؟"

اس سے پہلے کہ توت تو چان کچھ سوچنا شروع کرے کہ وہ کیا چاہتی تھی، باقی سارے بچے ایک آواز ہو کر چلا پڑے "سیر کریں گے سیر کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہی سہی۔" ٹیچر بولیں اور بچے فوراً ہی دروازوں کی طرف دوڑ پڑے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ توت تو چان راکی اور اپنے ابا کے ساتھ تو سیر کو جایا کرتی تھی لیکن اس نے اسکول کی سیر کے بارے میں تو سنا تک نہ تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ سیر کرنا اسے بے حد پسند تھا اس لئے وہ انتظار نہ کر سکی اور باہر بھاگی۔

کاموں کی فہرست کے مطابق یہ تو اسے بعد میں پتہ چلا کہ اگر بچے صبح کو خوب دل لگا کر پڑھ لیتے ہیں اور بورڈ پر لکھے ٹیچر کے سارے کام پورے کر لیتے ہیں عام طور پر انہیں تیسرے پہر سیر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے یہ بات سب پہ لاگو ہوتی ہے چاہے وہ پہلے درجے میں ہوں یا چھٹے درجے میں۔

پہلے درجے کے سبھی ۹ بچے جن کے بیچ میں ٹیچر تھیں اسکول کے پھاٹک سے نکل گئے اور انہوں نے ایک چشمے کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا چشمے کے دونوں کناروں پر، قطار میں چیڑ کے درخت تھے جن پر پوری بہار آئی ہوئی تھی اور وہ پھولوں سے لد گئے تھے۔ جہاں تک نظر جاتی پیلے پھولوں سے بھرے سروں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اس علاقے میں

چشمے کا بہنا تو کب کا ختم ہو چکا تھا اور اب یہاں رہائشی عمارتیں اور دوکانیں بھری پڑی ہیں لیکن ان دنوں علاقہ جی یو گاؤ کا میں زیادہ تر کھیت ہی کھیت تھے۔

"ہم لوگ کوہیون بت سو کے مندر تک جائیں گے۔" وہ لڑکی بولی جس کا نام سکو چان تھا اور جس کے فراک پر خرگوش بنا ہوا تھا۔ "ہم نے پچھلی بار تالاب کے پاس ایک سانپ دیکھا تھا،" سکو چان نے کہا "اور وہاں مندر کے اندر ایک کنواں بھی ہے پرانے زمانے کا۔ اسکے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار اس کے اندر ایک تارا ٹوٹ کر گر پڑا تھا۔"

سیر کرتے ہوئے بچوں کا جو بھی دل چاہ رہا تھا اس کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ آسمان نیلگوں تھا اور فضا میں تتلیاں ہی تتلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ دس منٹ سیر کرنے کے بعد ٹیچر رک گئیں۔ انہوں نے چند پیلے پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا سرسوں کے ان پھولوں کو تو دیکھو۔ کیا تم جانتے ہو پھول کیوں کھلتے ہیں"۔

ٹیچر نے بچوں کو پس ٹلز (PISTILS) یعنی اور پھول کے زرجے کے بارے میں بتایا کہ کس طرح تتلیاں پھولوں کے کھلنے میں مدد دیتی ہیں اور سچ مچ اُس وقت تتلیاں ایسی مدد دینے میں بڑی مصروف نظر آ رہی تھیں

تب ٹیچر پھر چل پڑیں اور بچوں نے پھولوں کا معائنہ کرنا چھوڑ دیا اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ کوئی بولا "یہ پستول کی طرح تو لگتے نہیں کیا لگ رہے ہیں؟"

توت توچان کو بھی ایسا نہیں لگ رہا تھا لیکن دوسرے بچوں کی طرح اُسے بھی یقین تھا کہ پس ٹلز (PISTILS) اور پھول کے زرجے بڑے اہم ہوتے ہیں۔

کوئی دس منٹ اور ٹہلنے کے بعد ایک پارک دکھائی دیا جس میں گھنا جنگل تھا۔ کوہون بت سو نام کا مندر اس پارک میں جنگل کے بیچ گھرا ہوا تھا۔ بچے پارک میں داخل ہوتے ہی ادھر ادھر بکھر گئے "ٹوٹتے تارے کا کنواں دیکھنا چاہو گی؟" سکو چان نے پوچھا اور قدرتی بات تھی توت توچان راضی ہو جائے۔ چنانچہ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

لگتا تھا کنواں پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس کی گمر اُن کے سینے تک پہنچ رہی تھی۔

کنویں پر لکڑی کا ڈھکن تھا۔ انہوں نے ڈھکنا ہٹا کر اندر جھانکا وہاں گھپ اندھیرا تھا اور توت توچان کو کچھ پتھر یا لکڑی کے ٹکڑے جیسا وہاں دکھائی دیا۔ لیکن چمکیلے ستارے جیسا

کچھ بھی نہیں تھا جس کا وہ تصور کر رہی تھی۔ اندر دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے پوچھا "کیا تم کو کبھی ستارہ دکھائی دیا؟"

سکو چان نے سر ہلا کر کہا، "نہیں کبھی نہیں۔"

توت توچان تعجب میں پڑ گئی کہ آخر ستارہ چمکا کیوں نہیں؟ کچھ دیر اس بارے میں سوچنے کے بعد وہ بولی "ہو سکتا ہے وہ سو رہا ہو!"

سکو چان نے پنی بڑی بڑی گول آنکھیں اور زیادہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ستارے سوتے ہیں؟"

"ہاں میں سوچتی ہوں کہ وہ دن میں سوتے ہوں گے اور رات کو جاگ کر چمکتے ہوں گے۔ توت توچان جلدی سے بولی کیونکہ اسے واقعی یقین نہیں تھا۔

پھر بچے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے مندر کے چاروں طرف کی زمین پر چکر لگایا۔ انہیں مندر کے دروازے پر دونوں طرف بنے تھل تھل کرتے موٹی توند والے دو دیوار اجاوں پر بڑی ہنسی آئی جو کھڑے پہرہ دے رہے تھے اور خاص ہال کے اندر جہاں دھیمی روشنی آ رہی تھی جب انہوں نے مہاتما بدھ کا مجسمہ دیکھا تو مبہوت رہ گئے۔ بچوں نے پتھر کے بنے ایک پیر کے بہت بڑے نشان پر اپنے پیر بھی رکھے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ایک لمبی ناک والے تنگو بھتنے کے پیروں کا نشان تھا۔

بچے تالاب کے کنارے ٹہل کر اُن لوگوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے جو ناؤ کی سیر کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے قبروں کے آس پاس پڑے سیاہ کنکروں سے جی بھر کر پہلا دوجا کا کھیل کھیلا۔ توت توچان کے لئے ہر چیز نئی اور انوکھی تھی اور وہ ہر نئی اور انوکھی کھوج کا زور سے چلا کر خیر مقدم کرتی تھی۔

"اب واپس چلنے کا وقت آ گیا ہے!" ٹیچر کی آواز آئی۔ سورج ڈوب رہا تھا اور بچے سرسوں کے پھولوں کے بیچ سڑک کے کنارے چیڑ کے درختوں کے نیچے چلتے ہوئے اسکول کی جانب روانہ ہو گئے۔

تب بچوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ، ان کی یہ سیریں جوان کے لئے آزادی اور کھیل کا وقت تھیں دراصل سائنسی تاریخ اور حیاتیات کا قیمتی سبق تھیں۔

اس درمیان توت توچان نے سبھی بچوں سے خوب دوستی کرلی تھی، اور اسے لگا کہ وہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ سے جانتی ہے۔

"کل پھر سیر کو چلا جائے" اُس نے واپسی میں راستے میں چلا کر سب سے کہا۔

"ہاں ضرور چلیں گے۔" سب نے اچھلتے کودتے خوب چلا کر جواب دیا۔

تتلیاں اب بھی اپنے کام میں مصروف تھیں۔ فضا چڑیوں کے گیت سے گونج رہی تھی اور توت توچان کا دل خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔

اسکول کا گیت

توت توچان کے لئے تو موئے گا کو این کا ہر دن تعجب خیز باتوں سے بھرا رہتا تھا۔ وہ اسکول جانے کے لئے اتنی بے چین رہتی کہ اسے محسوس ہوتا کہ صبح تو کسی طرح آہی نہیں سکتی جب وہ گھر پہنچتی تو باتیں کرتے نہ تھکتی۔ وہ اماں ابا اور راکی کو وہ سب کچھ بتاتی جو اس روز اسکول میں ہوا ہوتا۔ کیسا مزا آیا کیسی عجیب عجیب باتیں ہوئیں۔ آخر ماں کو کہنا پڑتا "اچھا بس اب چپ بھی ہو جاؤ باتیں کرنا بند کرو اور شام کا ناشتہ کرو۔"

توت توچان جب نئے اسکول کی خاصی عادی ہو گئی تب بھی ہر دن اس کے پاس بتانے کے لئے ہزاروں باتیں ہوتیں۔ اور ماں یہ سوچ کر خوش ہو جاتیں کہ ایسا ہو رہا ہے۔

ایک دن اسکول جاتے ہوئے ریل گاڑی میں توت توچان اچانک یہ سوچنے لگی کہ تو موئے کا کوئی اسکول کا گیت ہے یا نہیں؟ جلدی سے اس بات کا پتہ چلا لینے کے لئے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے وہاں پہنچ جائے۔ حالانکہ دو اسٹیشن اور باقی رہ گئے تھے لیکن وہ جا کر دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی اور تیار تھی کہ جوں ہی ریل گاڑی جی او گا و کا اسٹیشن میں داخل ہو وہ چھلانگ لگا دے۔

ایک صاحبہ نے جو ایک اسٹیشن پہلے سوار ہوئی تھیں، دروازے پر چھوٹی سی لڑکی کو کھڑے دیکھا تو سمجھیں کہ وہ اتر رہی ہے لیکن جب وہ بت بنی کسی دوڑنے والے کی طرح تیار اور مستعد کھڑی رہی تو وہ بڑبڑائیں۔ "عجیب بات ہے آخر اس لڑکی کو ہوا کیا ہے؟"

جب ریل گاڑی اسٹیشن پر پہنچی توت توچان بجلی کی سی تیزی سے اتر کر چلدی۔ اس سے پہلے کہ نوجوان کنڈکٹر جی او گا و کا۔ جی او گا و کا کہتا ہوا ریل کے پوری طرح رک جانے سے پہلے، اپنا ایک پاؤں پلیٹ فارم پر رکھے توت توچان باہر نکلنے والے دروازے سے غائب ہو چکی تھی۔

جیسے ہی وہ ریل گاڑی کے ڈبے والے اپنے کلاس روم میں پہنچی اُس نے تائی چی یا مانوچی سے، جو پہلے ہی آگیا تھا پوچھا "تائی چان اِس اسکول کا کوئی گیت بھی ہے؟"

تائی چان نے جسے علم ریاضی سے دلچسپی تھی تھوڑا غور کرنے کے بعد کہا "میرے خیال سے تو کوئی نہیں ہے۔"

"اوہ" توت توچان افسردگی سے بولی، "میں سوچتی ہوں کوئی گیت تو ہونا ہی چاہیے۔ میرے دوسرے والے اسکول میں بڑا پیارا سا تھا۔" وہ اونچی آواز میں یہ گیت گانے لگی۔

سن رڈ گو تال کا پانی ہے چھچھلا
دور دراز کا ہمارا گیان ہے گہرا

توت توچان پہلے والے اسکول میں کچھ ہی دن گئی تھی اور گیت کے الفاظ ذرا مشکل تھے لیکن یہ گیت یاد کرنے میں اُسے ذرا بھی دقت نہیں ہوئی خاص کر اس حصے کو جو وہ گا رہی تھی۔

لگتا تھا تائی چان رعب کھا گیا۔ اس وقت تک کچھ اور بچے بھی آگئے تھے اور وہ سب بھی ان بڑے بڑے الفاظ سے مرعوب ہو گئے۔

"چلو چلو ہم سب ہیڈ ماسٹر صاحب سے اسکول کا ایک گیت بنوائیں۔" توت توچان بولی۔

"ہاں ہاں چلو بنواتے ہیں۔" سب نے اتفاق کیا اور غول ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر کی طرف چل پڑا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے توت توچان سے دوسرے اسکول کا گیت سننے اور بچوں کی فرمائش پر غور کرنے کے بعد کہا کہ اچھا ٹھیک ہے میں کل صبح تک تم لوگوں کیلئے اسکول کا گیت تیار کر دوں گا"۔

"پکا وعدہ ہے نا کہ آپ کریں گے؟" سب بچے ایک ساتھ بول پڑے اور پھر وہ

سب قطار بنا کر اپنے اپنے درجوں کی طرف واپس چلے گئے۔

دوسرے دن صبح کو ہر درجے میں ایک نوٹس لگا تھا کہ سب لوگ سکول کے میدان میں جمع ہو جائیں۔ توت توچان بھی دوسرے بچوں کی طرح مشتاق اور حیران تھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے میدان کے بیچ میں ایک بلیک بورڈ رکھتے ہوئے کہا "ہاں تو لو اب تمہارے اسکول تو موئے کے لئے بھی ایک گیت ہے۔"

انہوں نے بلیک بورڈ پر پانچ متوازی لائینیں کھینچیں اور گیت کا یہ نوٹ لکھا:

توـ موـ اے　　　توـ موـ اے　　　توـ موـ اے

پھر انہوں نے کسی موسیقی کے کنڈکٹر کی طرح اپنے دونوں ہاتھ یہ کہتے ہوئے اٹھالئے کہ "آؤ کوشش کریں اور ہم سب اسے مل کر گائیں۔"

"توـ موـ اے، توـ موـ اے، توـ موـ اے"

ہلکے سے وقفے کے بعد توت توچان نے پوچھا۔

"کیا بس اتنا سا ہی ہے؟"

"ہاں بس اتنا ہی ہے۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے بڑے فخر سے کہا۔

"کچھ خوبصورت لفظوں میں ہوتا تو زیادہ اچھا رہتا" توت توچان نے مایوس کن لہجے میں کہا۔ کچھ اسطرح کا۔۔۔ "اگر چھپلا ہے سن زو کو تال کا پانی۔۔۔"

"تو کیا تم کو پسند نہیں آیا؟" ہیڈ ماسٹر صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے ہنس کر پوچھا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ یہ خاصہ اچھا ہے"۔

گیت کسی کو بھی پسند نہیں آیا۔ بہت زیادہ سیدھا سادا جو تھا۔ ان سب کو لگا کہ اتنے

سیدھے سادے الفاظ سے تو اچھا ہے کہ اُن کے اسکول کا کوئی گیت ہی نہ ہو۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کچھ افسردہ سے تو لگ رہے تھے لیکن خفا بالکل نہیں تھے اور انہوں نے جا کر بلیک بورڈ کو صاف کر دیا۔ توت توچان کو لگا کہ ان لوگوں نے تھوڑی سی بدتمیزی کر دی لیکن اسکے ذہن میں تو کوئی اور ہی گیت بسا ہوا تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ بچوں اور اسکول سے ہیڈ ماسٹر صاحب کو جو محبت اور گہرا لگاؤ تھا اس کا اظہار لفظوں میں مشکل تھا لیکن بچوں کی عمر ایسی نہ تھی کہ انہیں اس کا احساس ہوتا۔ وہ جلدی ہی بھلا بیٹھے کہ وہ اسکول کا کوئی گیت چاہتے ہیں اور ہیڈ ماسٹر صاحب نے تو یہ ضروری ہی نہیں سمجھا کہ اسکول کا کوئی گیت بھی ہو۔ لہذا گیت کا سر جو بلیک بورڈ پر لکھا گیا تھا جب مٹا دیا گیا تو معاملہ وہاں ختم ہی ہو گیا اور تو موئے گا کوا ین کا اسکول گیت کبھی نہیں بنا۔

اس سب کو واپس رکھ دو

توت توچان نے اپنی زندگی میں اتنی محنت کبھی نہیں کی تھی۔ کیا دن تھا وہ بھی جب توت توچان نے اپنا بٹوا فلش میں گرا دیا تھا۔ اس میں پیسے تو تھے نہیں لیکن توت توچان کو وہ اس قدر پیارا تھا کہ وہ اُسے پاخانے میں بھی ساتھ لے گئی تھی۔ واقعی بڑا خوبصورت بٹوا تھا ہرے لال اور پیلے خانوں والے کپڑے کا بنا ہوا جسے ٹیفیٹا کہتے ہیں۔ یہ بالکل چوکور اور چپٹا سا تھا اور اُسکے بند کرنے والے حصے پر ایک سنہرا کتا بنا ہوا تھا، جو بالکل کسی جڑاؤ پن کی طرح تھا۔

توت توچان کی ایک بڑی عجیب سی عادت تھی کہ جب وہ چھوٹی سی تھی تب ہی سے پاخانے جانے پر ضرور سنڈاس کے اندر جھانکتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ابتدائی اسکول جانا شروع کرنے سے پہلے ہی اُسکی ٹوپیاں جس میں ایک بیلوں والی سفید اور ایک گھاس سے بنی تھی، گر چکی تھیں اُس زمانے میں آج جیسے فلش تو ہوتے نہیں تھے۔ سنڈاس ہوتے تھے جس کے نیچے گندے پانی کا حوض ہوتا تھا اور گرنے کے بعد ٹوپیاں اسی میں تیرتی رہ جاتی تھیں۔ ماں ہمیشہ اُسے سنڈاس میں جھانکنے سے منع کرتی تھیں۔

اُس روز اسکول شروع ہونے سے پہلے جب توت توچان ضرورت سے گئی تو ماں کی تاکید کو بھول گئی اور اس کے پہلے کہ اسے کچھ پتہ چلے وہ سنڈاس کے اندر جھانک رہی تھی

ضرور اس کی پکڑ ڈھیلی ہو گئی ہو گی۔ اسی وقت بٹوہ اسکے ہاتھ سے پھسل کر چھپاک سے سوراخ کے اندر جا گرا۔ بٹوہ گرتے ہی اندھیرے میں غائب ہو گیا اور توت تو چان کی چیخ نکل گئی۔

لیکن نہ تو وہ روئی اور نہ ہی ہمت ہار بیٹھی کہ بٹوہ کھو گیا۔ وہ دوڑ کر دربان کے چھپر میں گئی اور وہاں سے ایک لانبے ہتھے والی ڈوئی نکال لائی جسے باغ سینچا جاتا تھا۔ یہ ڈوئی توت تو چان کے قد سے دو گنی لمبی تھی لیکن بھلا وہ کہاں ہار ماننے والی تھی وہ اُسے کھینچتی ہوئی پچھواڑے پہنچی اور اُس سوراخ کو تلاش کرنے لگی جہاں سے گندہ پانی باہر نکالا جاتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ سوراخ پاخانے کی دیوار کے پاس ہی ہو گا لیکن ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے کوئی ایک گز کی دوری پر کنکریٹ کا بنا ایک بدرو نظر آیا جس پر ڈھکن لگا تھا۔ بڑی مشکلوں سے اُس نے یہ ڈھکنا اٹھایا تو پتہ چلا کہ وہاں ایک بڑا سوراخ تھا۔ اور یقیناً یہ وہی تھا جس کی اُسے تلاش تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ سوراخ کے اندر ڈال دیا۔ ارے یہ تو اتنا بڑا ہے جیسے (KOHONBUTSU) کوہن بت سو کا تالاب! اس نے تعجب سے کہا

پھر اس نے اپنا کام شروع کر دیا وہ ڈوئی کے ذریعہ گندے پانی کے حوض سے گندگی نکالنے لگی پہلے تو اس نے اس جگہ کوشش کی جہاں بٹوہ گرا تھا لیکن یہ حوض خاصا بڑا، اندھیرا، اور گہرا تھا کیونکہ اسی کے اندر تین پاخانوں کی الگ الگ گندگی آتی تھی۔ اسکے علاوہ ڈر تھا کہ وہ زیادہ نیچے سر جھکائے تو کہیں خود ہی نہ اندر گر جائے۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صرف ڈوئی سے گندگی نکال نکال کر سوراخ کے چاروں طرف ڈھیر لگاتی جائے گی۔ اور اس طرح امید ہے کہ شاید بٹوہ مل جائے۔

وہ ہر بار ڈوئی کو غور سے دیکھتی کہ کہیں اس میں بٹوہ تو نہیں ہے اُسے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ بٹوہ ڈھونڈنے میں اتنی دیر لگ جائے گی۔ اور اب بھی بٹوے کا تو کہیں پتہ نہیں تھا۔ آخر کہاں ہو سکتا ہے وہ؟ اتنے میں کلاس کی گھنٹی بج گئی۔

وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کرے لیکن اتنا سب کرنے کے بعد اسنے کام جاری رکھنے کا ہی فیصلہ کیا۔ وہ ایک نئے جوش اور ولولے سے گندگی نکالنے لگی۔

جب ہیڈ ماسٹر صاحب اتفاقیہ ادھر سے گزرے تو گندگی کا ڈھیر کافی بڑا ہو چکا تھا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے توت تو چان سے پوچھا۔ "میرا بٹوہ گر گیا ہے۔"

اس نے جواب دیا اور ڈوئی سے گندگی نکالتی رہی۔۔ وہ ایک لمحہ بھی برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا میں سمجھا۔" ہیڈ ماسٹر صاحب یہ کہہ کر حسبِ عادت دونوں ہاتھ پیچھے باندھے ہوئے صبح کی سیر کو روانہ ہو گئے۔

وقت گزرتا رہا اور اسے بٹوہ پھر بھی نہ ملا، گندگی بدبو دار ڈھیر اونچا ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ہیڈ ماسٹر واپس بھی آگئے اور انہوں نے پوچھا۔ "بٹوہ مل گیا؟"

"جی نہیں۔" توت تو چان نے گندگی کے ڈھیر سے پھر جواب دیا۔ وہ پسینے سے نہائی ہوئی تھی اور اس کے گال تمتما رہے تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب اور نزدیک آگئے اور دوستانہ لہجے میں بولے۔ "جب تم کام ختم کر لو تو ساری گندگی اندر واپس ڈال دینا۔ ڈال دو گی نہ؟" اور وہ پھر پہلے کی طرح روانہ ہو گئے

"جی ہاں کیوں نہیں ڈالوں گی۔" خوش ہو کر توت تو چان نے جواب دیا۔ اچانک اسے خیال آیا اور اس نے گندگی کے ڈھیر پر نظر دوڑائی۔ جب میں بٹوہ ڈھونڈنا ختم کر لوں گی تب ساری ٹھوس گندگی اندر واپس ڈال سکوں گی۔ لیکن پھر پانی کے بارے میں کیا کروں گی میں؟ کیچڑ کا پانی تیزی سے زمین کے اندر غائب ہو رہا تھا توت تو چان نے کام بند کر دیا اور غور کرنے لگی کہ اس پانی کو بھی کیسے حوض کے اندر واپس ڈالے گی کیونکہ اُس نے تو ماسٹر صاحب سے "سب کچھ" اندر ڈالنے کو وعدہ کیا تھا آخر کار اُس نے طے کیا کہ وہ تھوڑی گیلی مٹی بھی اندر ڈال دے گی۔

اب تو گندگی کا ایک پورا پہاڑ سا بن چکا تھا اور حوض تقریباً خالی تھا لیکن بٹوے کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ہو سکتا ہے وہ حوض کی تہہ یا اس کے کنارے پر چپک گیا ہو۔ توت چان نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ وہ مطمئن تھی کہ جو کچھ بھی ممکن تھا وہ کر چکی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا یہ اطمینان اُس احساسِ خودداری کا بھی نتیجہ تھا جو ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُسے نہ ڈانٹ کر اور اُس پر بھروسہ کر کے اُس میں پیدا کیا تھا۔ زیادہ تر بزرگوں نے توت تو چان کو اس حالت میں دیکھ کر یہی کہا ہوتا کہ "ارے تم یہ سب کیا کر رہی ہو؟ رک جاؤ یہ خطرناک ہے۔" یا پھر انہوں نے اسے مدد دینے کی کوشش کی ہوتی۔

ذرا سوچیئے تو صرف اتنا ہی کہنا کہ "جب تم سب ختم کر لو گی تو تم سب کچھ اندر واپس ڈال دو گی نہ؟" جب توت تو چان نے یہ قصہ ماں کو بتایا تو انہوں نے سوچا کمال ہے کتنے

زوردار ہیڈ ماسٹر ہیں۔

اس واقعے کے بعد پھر کبھی توت توچان نے سنڈاس کے اندر نہیں جھانکا۔ اُسے لگا ہیڈ ماسٹر صاحب تو ایسے آدمی ہیں جن پر پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ پسند کرنے لگی۔

توت توچان نے اپنا وعدہ پورا کیا اور "سب کچھ" حوض میں واپس ڈال دیا گندگی اندر سے نکالنا بڑا دشوار کام تھا لیکن واپس ڈالنا آسان تھا اور کام بڑی جلدی ختم ہو گیا۔ اس نے تھوڑی گیلی مٹی بھی اندر پھینک دی۔ زمین ٹھیک سے برابر کی حوض کا ڈھکنا بند کیا اور ڈوئی دربان کے چھپر میں واپس لے گئی۔

اس رات سونے سے پہلے اُسے اپنا خوبصورت بٹوہ یاد آیا جو اندھیرے میں اُس نے گرا دیا تھا۔ بٹوہ کھو کر اُسے بڑا دکھ ہو رہا تھا لیکن دن بھر کی تکان نے اسے اس قدر تھکا دیا تھا کہ وہ جلدی ہی گہری نیند سو گئی۔

اور اس دوران اس جگہ جہاں اس نے سخت محنت کی تھی، گیلی زمین چاند کی روشنی میں کسی حسین چیز کی طرح چمک رہی تھی اور بٹوہ ایک جگہ خاموش پڑا تھا۔

توت توچان کا پورا نام

توت توچان کا اصلی نام تت سو کو تھا۔ اس کی پیدائش سے پہلے ابا اور اماں کے رشتے داروں اور دوستوں نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ بیٹا ہی پیدا ہو گا۔ یہ ان کا پہلا بچہ تھا اور انہوں نے اس بات کا یقین کر لیا۔ بس انہوں نے طے کر لیا کہ بیٹے کا نام تورو رکھیں گے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تو لڑکی تھی۔ انہیں تھوڑی سی ناامیدی تو ہوئی لیکن ماں باپ دونوں کو تورو لکھنے کے چینی رسم الخط بہت پسند تھے (جن کا مطلب تھا گہرائی میں جانا دور تک لے جانا اور گونج دار ہونا) چنانچہ انہوں نے کو ملا کر جو اکثر لڑکی کے نام میں ہوتا تھا۔ لڑکیوں جیسا نام بنایا۔ یعنی چینی سے نکلا ہوا لفظ تت سو لے کر اس میں کو جوڑ دیا جو لڑکیوں کے نام میں اکثر لگا دیا جاتا ہے۔

بس سب لوگ اسے تت سو کو چان پکارنے لگے (چان، سان کی جانی پہچانی شکل ہے جو کسی کے نام میں لگا دیتے ہیں) اُس کو شائد سننے میں اپنا نام تت سو کو چان لگتا ہی نہ تھا۔

جب بھی کوئی اس سے اُس کا نام پوچھتا وہ توت توچان بتاتی۔ وہ سمجھتی تھی کہ چان بھی اس کے نام کا ہی حصہ ہے۔

کبھی کبھی ابا اسے "تو تسکی" پکارتے تھے جیسے وہ لڑکا ہو۔ وہ کہتے "تو تسکی! یہاں آؤ۔ ذرا میری مدد کرنا گلاب پر سے ان کیڑوں کو ہٹانے میں!" ابا اور راکی کو چھوڑ کر سب لوگ اسے توت توچان کہتے تھے اور حالانکہ وہ اسکول میں اپنی کاپیوں پر اپنا نام تت سو کو ہی لکھنے لگی تھی لیکن وہ اب بھی اپنے آپ کو توت توچان ہی خیال کرتی تھی۔

ریڈیو کے مسخرے

کل توت توچان بڑی پریشان تھی۔ ماں نے کہہ دیا تھا کہ "اب تم ریڈیو پر مسخروں کا مذاق نہیں سنا کرو گی۔"

جب توت توچان چھوٹی سی تھی تو ریڈیو خوب بڑے اور لکڑی کے بنے ہوتے تھے۔ وہ بہت ہی شاندار لگتے تھے۔ اس کے گھر کا جو ریڈیو تھا وہ مستطیل شکل کا اور اوپر سے گولائی لئے ہوئے تھا۔ اسمیں بڑا سا ایک اسپیکر سامنے لگا ہوا تھا جو گلابی رنگ کے سلک سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر نقاشی کی ہوئی تھی۔ اسمیں کنٹرول کرنے والے دو (Knobs) گھمانے والے لٹو بھی لگے تھے۔

اسکول جانا شروع کرنے سے پہلے ہی توت توچان کو گلابی سلک پر کان لگا کر زکوگو مسخروں کو سننا بڑا اچھا لگتا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اُنکے مذاق بہت ہی مزیدار ہوتے ہیں۔ ابھی کل تک تو ماں کو، ان مسخروں کا مذاق سننے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

کل رات ابا کے کچھ دوست جو آرکسٹرا بجاتے تھے اس کے گھر کے بڑے کمرے میں اِسٹرنگ کوارٹٹ کی مشق کرنے کے لئے آئے تھے۔

"دیکھو چیلو بجانے والے مسٹر سنے سادا تچی بانا تمہارے لئے کیا لائے ہیں!" ماں نے کہا۔ توت توچان خوشی سے کھل اٹھی۔ وہ مسٹر پچی بانا کے سامنے تعظیم کے لئے جھکی اور شکریہ ادا کرنے کی غرض سے اپنے ماں سے زور سے بولی "ارے اماں یہ تو سالی بڑھیا بات ہوئی"۔

اُس روز سے توت توچان کو مسخروں کا پروگرام، جب ماں باپ گھر پر نہ ہوں، چھپ چھپ کر سننا پڑتا۔ اگر مسخرے اچھا مذاق کرتے تو وہ دل کھول کر زور زور سے قہقہہ لگاتی۔ اگر کوئی بڑا آدمی اس وقت دیکھ لیتا تو سوچتا رہ جاتا کہ اتنی چھوٹی سی بچی ایسے مشکل مذاق کیونکر سمجھ لیتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں میں مذاق کو سمجھ لینے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ کتنے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں، وہ خوب جانتے ہیں کہ کون سی بات دلچسپ اور مزیدار ہے۔

ریل کا ایک نیا ڈبّہ آگیا

لنچ کی چھٹی میں میو چان نے کہا "آج رات کو ریل کا نیا ڈبّہ آرہا ہے۔" میو چان ہیڈ ماسٹر صاحب کی تیسری والی بیٹی تھی اور توت توچان کی کلاس میں تھی۔

پہلے سے چھ ڈبّے کلاس روم کی طرح قطار میں کھڑے تھے لیکن ایک ریل ڈبّہ اور آرہا تھا۔ میو چان نے خبر دی کہ یہ ڈبّہ لائبریری بنے گا اور سارے بچے بیحد خوش ہوگئے۔

میں حیران ہوں کہ اسکول پہنچنے کے لیے نہ جانے وہ کس راستے سے آئے گا؟ کسی کی آواز آئی۔

یہ موضوع تو ایک چیلنج جیسا تھا۔ تھوڑی دیر مکمل خاموشی چھائی رہی "شائد اوئی ماچی لائن کی پٹریوں سے آئے اور پھر لیول کراسنگ سے مڑ کر اسکول کے راستے پر ہولے۔" کسی نے تجویز کیا "لیکن تب تو وہ اُلٹ ہی جائے گا۔" کسی اور نے کہا۔

"شاید وہ لوگ اس کو کسی بڑی گاڑی پر لائیں جو اسے اٹھا سکے"۔ کسی دوسرے نے کہا۔

"لیکن اتنے بڑے ایک ریل کے ڈبّے کو اٹھانے کے لئے شاید ہی کوئی گاڑی ہو۔" فوراً ہی کسی نے کہا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ نہیں ہوگی"۔

خیالات کا اظہار تیزی سے ہو رہا تھا بچے سمجھ رہے تھے کہ یقیناً ریل کا ڈبّہ کسی گاڑی

یا ٹرک میں نہیں سما سکے گا۔

"ریل کی پٹری" بہت سوچنے کے بعد توت توچان بولی۔

"جانتے ہو۔ شاید وہ لوگ یہاں بالکل اسکول تک ریل کی پٹری بچھا رہے ہوں۔"

"کہاں سے؟" کسی نے پوچھا

"کہاں سے کیا؟ ارے وہیں سے جہاں کہیں بھی وہ ریل گاڑی اس وقت ہے۔"

توت توچان بولی لیکن وہ سوچنے لگی تھی کہ اس کی بات بھی کوئی ایسی ٹھیک تو نہیں لگ رہی ہے۔ اُسے پتہ ہی نہ تھا کہ ریل ڈبّہ کہاں سے آرہا تھا اور یہ بھی درست ہے کہ سیدھے اسکول تک ریل کی پٹری بچھانے کیلئے وہ راستے میں پڑنے والے گھر اور دوسری چیزیں تو نہ توڑ ڈالیں گے۔

بلا کسی نتیجے پر پہنچے ایک کے بعد دوسرے امکان پر بحث کرنے کے بعد بچوں نے فیصلہ کیا کہ وہ تیسرے پہر گھر نہ جاکر اسکول میں ریل کے ڈبّے کے آنے کا انتظار کریں گے۔ میو چن کو اس بات کے لئے چنا گیا کہ وہ گھر جاکر اپنے والد ہیڈ ماسٹر صاحب سے پوچھے کہ کیا بچے اس رات، جب تک ریل ڈبّہ آنہ جائے اسکول میں رہ سکتے ہیں؟

میو چان تھوڑی دیر بعد واپس آگئی۔ اور اس نے کہا:

"ریل کا ڈبّہ تو آج رات بڑی دیر سے آئے گا، ساری ریل گاڑیوں کے چلنا بند کرنے کے بعد، جس کسی کو سچ مچ ریل ڈبّہ آتے دیکھنا ہو اُسے گھر جاکر اسکول میں ٹھہرنے کی اجازت لینا ہوگی۔ پھر اگر وہ چاہے تو رات کے کھانے کے بعد اپنے سونے والے کپڑے اور ایک کمبل لے کر لوٹ آئے"۔

"ارے واہ!" بچے بیحد خوش ہوگئے۔

"کیا انہوں نے کہا کہ ہم لوگ اپنے سونے والے کپڑے لیکر آئیں؟ اور کمبل بھی؟"

اس روز تیسرے پہر کسی کا بھی دل سبق پڑھنے میں نہیں لگا۔ اسکول ختم ہونے کے بعد توت توچان کی کلاس کے بچے سیدھے گھر بھاگے راستے بھر یہی سناتے ہوئے کہ رات کو سب لوگ اپنے اپنے کمبل اور رات کو پہننے والے کپڑوں کے ساتھ ایک بار پھر اسکول میں

ملیں۔

گھر پہنچتے ہی توت تو چان نے ماں سے کہا۔ "اماں ایک ریل گاڑی آرہی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسے وہاں پہنچے گی۔ رات کے کپڑے اور کمبل دیدیجئے۔ کیا میں جا سکتی ہوں؟"

کونسی ماں ہوگی جو اس طرح کی بات سنکر حالات کو بھانپ لے گی۔ توت تو چان کی ماں کچھ نہ سمجھ سکیں کہ وہ کہہ کیا رہی تھی لیکن اپنی بیٹی کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر ہی جان گئی تھیں کہ وہ کوئی اہم بات ہونے والی ہے۔

ماں نے توت تو چان سے طرح طرح کے سوال کیئے۔ آخر کار انہیں پتہ چل گیا کہ سارا قصہ کیا ہے اور واقعی کیا ہونے جا رہا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ توت تو چان کو واقعی اسے دیکھنا چاہئے کیونکہ ایسے موقع اسے زیادہ پھر نہیں ملیں گے بلکہ انہوں نے تو یہ بھی سوچا کہ وہ ریل ڈبے کو آتا ہوا خود بھی دیکھنا چاہیں گی۔

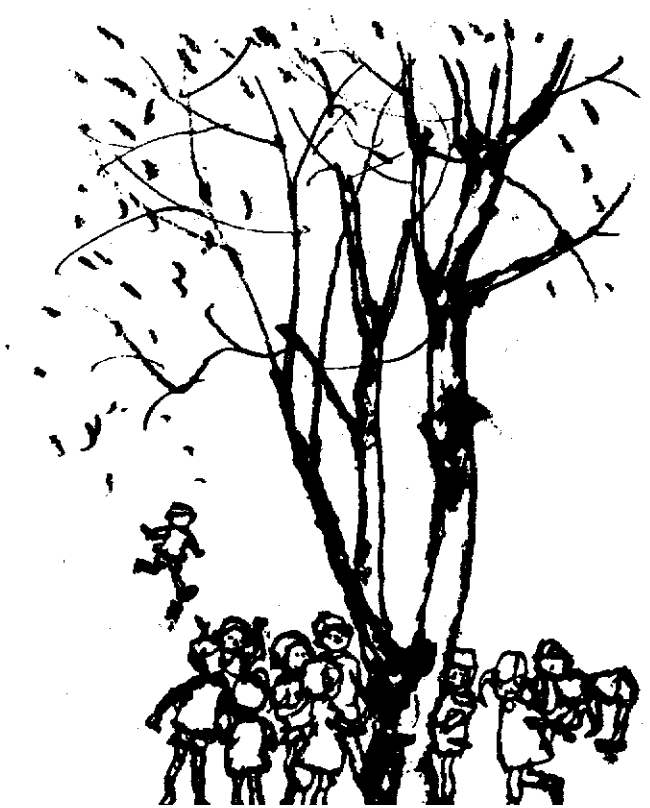

ماں نے توت تو چان کے لئے رات کے پہننے کے کپڑے اور کمبل نکالا اور کھانے کے بعد خود اُسے اسکول لے کر گئیں۔ کوئی دس بچے وہاں آئے ہوئے تھے۔ ان میں بڑی عمر کے بچے بھی تھے جنہوں نے کہیں سے ریل ڈبے کے بارے میں سن لیا تھا۔ کئی دوسری مائیں بھی اپنے بچوں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا وہ بھی ٹھہرنا چاہیں گی لیکن وہ بچوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب کے حوالے کر کے گھر واپس چلی گئیں۔

"جونہی ریل ڈبہ آئیگا میں تم سب کو سوتے سے جگا دوں گا۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے بچوں کو یقین دلاتے ہوئے کہا جو اپنے کمبلوں میں لپٹے اسمبلی ہال میں لیٹ گئے تھے۔

بچوں نے سوچا کہ انہیں تو نیند نہیں آئیگی اس لئے کہ وہ اس بات پر حیران ہوتے رہیں گے کہ ریل ڈبہ وہاں آئیگا کیسے؟ لیکن اتنے ہنگامے کے بعد وہ تھک چکے تھے اور اونگھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ کہتے "دیکھئے مجھے جگا دیجئے گا" زیادہ تر گہری نیند سو گئے۔

"وہ آگیا! وہ آگیا!" کی آوازوں کے شور سے توت تو چان کود کر کھڑی ہو گئی اور اسکول کے میدان سے ہو کر پھاٹک کی طرف بھاگنے لگی۔ صبح کے دھندلکے میں ریل کا ایک بڑا سا ڈبہ دکھائی دیا۔ بالکل خواب سا لگ رہا تھا یہ۔ سڑک پر ریل چلی آرہی ہے بغیر پٹری کے اور کوئی آواز بھی نہیں ہو رہی ہے۔ ریل کا ڈبہ ایک بہت بڑے ٹریلر پر لایا جا رہا تھا۔ جیسے یوما ماچی لائن ڈپو کے ٹریکٹر کھینچ رہے تھے۔ توت تو چان اور دوسرے بچوں کو ایسی بات معلوم ہوئی جو وہ نہیں جانتے تھے یعنی ایک چیز ٹریکٹر بھی ہوتی ہے جو ٹریلر کو کھینچ سکتی ہے۔ اور ٹریلر ٹھیلے سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ وہ بڑے مرعوب ہوئے۔

ریل کا ڈبہ، ٹریلر پر آہستہ آہستہ صبح سویرے کی سنسان سڑک پر چلا آرہا تھا۔

اچانک زور دار شور و غل مچنے لگا۔ ان دنوں بڑے بڑے کرین نہیں ہوتے تھے چنانچہ ریل ڈبے کو ٹریلر پر سے اتار کر میدان میں پہنچانے کا کام بڑا زبردست تھا۔ جو لوگ اُسے لائے تھے انہیں اس کے نیچے کئی بڑے بڑے لٹھے رکھنے پڑے پھر انہوں نے اسے آہستہ آہستہ لڑھکا کر نیچے اتارا اور اسکول کے احاطے تک لائے۔

"غور سے دیکھو۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "ان لٹھوں کو رولر کہتے ہیں۔ اتنے

بڑے ریل کے ڈبّے کو طاقت سے کھسکایا جا رہا ہے۔"

بچے بڑے دھیان سے دیکھ رہے تھے۔ "ھئیا ہو ھئیا ہو۔ زور لگا کے ھئیا ہو" محنت کرنے والے مزدوروں نے کہنا شروع کیا۔ لگ رہا تھا سورج بھی انکی آواز سے لے ملا کر اوپر اٹھ رہا تھا۔ اسکول میں موجود چھ ڈبّوں کی طرح اس ریل ڈبّے کے بھی پہیے لگا دئے گئے تھے، جس نے اب تک سینکڑوں لوگوں کو ڈھویا تھا۔ اس کی سفر کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ بچوں کے قہقہوں کی آواز ادھر ادھر لے جائیگا۔

صبح کی ہلکی چمکیلی دھوپ میں اپنے رات کے کپڑوں میں کھڑے ہوئے لڑکے لڑکیاں اس قدر مسرور تھے۔ کبھی وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے گلے میں بانہیں ڈال دیتے تو کبھی ان کے بازوؤں میں جھولنے لگتے۔

بچوں کے اس حملے سے ہیڈ ماسٹر صاحب لڑکھڑا گئے لیکن وہ خوشی سے مسکرادئے ان کی خوشی دیکھ کر بچے بھی مسکرانے لگے۔ اور ان میں سے کوئی بھی بچہ کبھی نہ بھول سکا کہ اُس دن وہ کس قدر خوش تھا۔

اسکول کا سوئمنگ پول

توت تو چان کے لئے وہ دن انتہائی خوشی کا تھا۔ اُس دن زندگی میں پہلی بار وہ کسی سوئمنگ پول میں تیری تھی، اور وہ بھی بنا کپڑوں کے!

ایک صبح ایسا ہوا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے سب بچوں سے کہا کہ "اچانک بڑی گرمی ہو گئی ہے تو میں سوچتا ہوں تالاب میں پانی بھروا دوں"۔ "ارے واہ"۔ سارے بچے چیخ اُٹھے اور اچھلنے کودنے لگے انکی اچھل کود بڑے بچوں سے کہیں زیادہ جوش سے بھری ہوئی تھی۔ توموئے کا یہ تالاب مستطیل نہیں تھا جیسا کہ زیادہ تر ہوتا ہے۔ اس کا ایک سرا کچھ پتلا سا تھا اور اس کی شکل ناؤ سے ملتی جلتی تھی۔ اس کی وجہ شاید وہاں کی زمین کی بناوٹ تھی لیکن تب بھی یہ کافی بڑا اور شاندار تھا یہ تالاب کلاس روم اور اسمبلی ہال کے درمیان بنا تھا۔

جب تک پڑھائی ہوتی رہی توت تو چان اور دوسرے بچے کھڑکی سے باہر تالاب پر چپکے سے اک نظر ڈال لیتے تھے۔ جب تالاب خالی تھا تو کھیل کے میدان کی طرح وہاں

ڈھیروں سوکھی پتیاں پڑیں تھیں لیکن اب جبکہ اس کی صفائی ہو گئی تھی اور اس میں پانی بھرا جا رہا تھا وہ ایک اصلی سوئمنگ پول جیسا لگ رہا تھا۔

آخر کار لنچ کا وقت ہو گیا اور جب سارے بچے تالاب کے چاروں طرف جمع ہو گئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا: "پہلے ہم لوگ کچھ ورزش کریں گے۔ پھر تیریں گے"۔

توت تو چان سوچنے لگی کہ کیا تیرنے کے لئے مجھے سوئمنگ سوٹ کی ضرورت نہیں ہو گی؟ ایک بار تیرنے کے واسطے جب وہ اپا اور اماں کے ساتھ کاماکورا گئی تھی تب تو اس نے اپنا سوئمنگ سوٹ، ربڑ کا ایک گھیرا اور کئی طرح کی چیزیں ساتھ لی تھیں اُس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ کیا ٹیچر نے بچوں سے سوئمنگ سوٹ لانے کو کہا تھا۔

عین اسی وقت ایسا لگا جیسے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکے خیال کو بھانپ لیا تھا۔ وہ بولے "سوئمنگ سوٹ کی فکر مت کرو۔ جاؤ اور جا کر اسمبلی ہال کے اندر تو دیکھو"۔

جب توت تو چان اور پہلے درجے کے دوسرے بچے اسمبلی ہال میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بڑے بچے خوشی سے چیختے ہوئے اپنے کپڑے اتار رہے تھے جیسے وہ نہانے جا رہے ہوں۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے ننگ دھڑنگ ہو کر اسکول کے میدان میں بھاگ گئے۔ توت تو چان نے بھی جلدی ہی ان کا ساتھ پکڑ لیا۔ گرم ہوا میں بدن پر کپڑے نہ ہوں تو کیسا اچھا لگتا ہے۔ جب یہ بچے اسمبلی ہال کے باہر سیڑھیوں پر پہنچے تو دیکھا کہ دوسرے بہت سے بچوں نے ورزش کرنا شروع کر بھی دیا تھا۔ توت تو چان اور اس کے ساتھی ننگے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے دوڑ گئے۔ تیرنا سکھانے والے صاحب میو چان کے بھائی یعنی ہیڈ ماسٹر صاحب کے بیٹے تھے۔ وہ جمناسٹک کے ماہر۔ وہ توموئے میں پڑھاتے تو نہیں تھے لیکن وہ یونیورسٹی کی تیراکی ٹیم میں تھے۔ اُن کا نام وہی تھا جو اسکول کا تھا یعنی توموئے۔ توموئے سان تیرنے والی پوشاک میں تھے۔

جب ورزش کر چکے تو ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جانے لگا پھر تو ان کی چیخ نکل گئی اور وہ سب بھاگ کر تالاب میں کود پڑے۔ مگر توت تو چان فوراً نہیں کودی اس نے کچھ دیر دوسرے بچوں کو دیکھا اور جب اس بات کا اطمینان کر لیا کہ وہ پانی کی گرمی برداشت کر پا رہے ہیں تب ہی وہ پانی میں کودی۔ پانی زیادہ گرم نہیں تھا جیسا کہ حمام میں ہوتا ہے۔ تیرنے کا

تالاب خوب کشادہ اور پیارا سا تھا جہاں تک بازو پھیلاؤ پانی ہی پانی تھا۔

دبلے پتلے بچے گول مٹول بچے لڑکے لڑکیاں اپنی پیدائشی پوشاک میں یعنی ننگ دھڑنگ ہنس رہے تھے اور چیخ پکار کرتے ہوئے ایک دوسرے پر پانی پھینک رہے تھے۔

"کیسا مزا آ رہا ہے۔۔۔۔اور کتنا اچھا محسوس ہو رہا ہے۔" توت تو چان نے سوچا۔

بس اس کو افسوس تھا تو ایک بات کا کہ راکی اسکول نہیں آ سکا اسے یقین تھا کہ اگر راکی کو معلوم ہوتا کہ بغیر سوئمنگ سوٹ پہنے بھی تیرا جا سکتا ہے تو وہ بھی ضرور اس وقت تالاب میں ہوتا۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب بچوں کو ننگا نہانے کی اجازت کیوں دیتے تھے اس سلسلے میں کوئی قاعدہ طے نہیں تھا۔ اگر کوئی بچہ تیرنے کی پوشاک لایا ہے اور پہننا چاہتا ہے تو ضرور پہنے۔ بالکل ٹھیک ہوگا۔ دوسری طرف ایسی صورت میں جیسا کہ آج ہوا تھا جب بچوں کو ذرا جلدی میں تیرنے جانے کا فیصلہ کرنا پڑا اور وہ سوئمنگ سوٹ نہیں لائے تھے تو بنا اس کے تیر لینا بھی ٹھیک ہی تھا۔ انہوں نے ننگا نہانے کی اجازت دی کیوں؟ اس کے پیچھے ایک اور خیال بھی تھا لڑکوں اور لڑکیوں میں ان کے جسموں میں فرق کے بارے میں کوئی غیر صحت مند یا پراگندہ خیالات اور جانکاری کی خواہش پیدا نہ ہو۔ اُن کا خیال تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے اپنے جسموں کو چھپائے رکھنے کی جو کوشش کرتے ہیں وہ غیر قدرتی ہے۔

وہ بچوں کو سکھانا چاہتے تھے کہ سبھی جسم خوبصورت ہوتے ہیں۔ تو موئے کے طالب علموں میں کچھ ایسے بچے بھی تھے جنہیں پولیو کی بیماری ہو چکی تھی جیسے کہ یاسو آ کی چان، یا پھر کچھ بہت چھوٹے قد کے معذور بچے۔ اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو ایسا لگتا تھا کہ اگر بچے اپنے جسم کھول کر ایک ساتھ کھیلیں گے تو وہ شرم کے احساس سے چھٹکارہ پا جائیں گے اور احساسِ کمتری پیدا نہ ہونے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ جیسا کہ صاف نظر آ گیا معذور بچے شروع شروع میں تو شرما رہے تھے لیکن دھیرے دھیرے انہیں بھی مزہ آنے لگا اور آخر میں تو ان کی شرم بالکل دور ہو چکی تھی اور وہ دوسروں کے ساتھ خوب کھیل رہے تھے۔

بعض والدین اس خیال سے کچھ پریشان تھے اور انہوں نے اپنے بچوں کے لئے سوئمنگ سوٹ منگا لئے اور اصرار کیا کہ اسے ہمیشہ پہنایا جائے۔ پھر انہیں کیا خبر کہ یہ سوٹ

بہت کم پہنے گئے!

ایسے بچوں کو لیجئے جیسے کہ توت تو چان۔ ہمیشہ غور کرتی رہتی تھی اس نے تو شروع سے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ ننگے نہانا سب سے اچھا تھا۔ اور وہ بچے بھی جو کہتے کہ سوئمنگ سوٹ لانا بھول گئے لیکن تیرنے روانہ ہو جاتے ان میں سے بہت سوں کو یقین ہو تا گیا کہ دوسروں کی طرح ننگے نہانے میں زیادہ مزہ آتا ہے چنانچہ وہ بس اتنا ضرور یاد رکھتے کہ جب گھر جائیں تو سوئمنگ سوٹ بھیگے ہوئے ہوں!

نتیجہ یہ ہوا کہ تو موئے کے سارے کے سارے بچے پکے بیروں کی طرح بھورے رنگ کے ہو گئے اور شاید ہی کوئی بچہ ایسا ہو جسکے بدن پر سوئمنگ سوٹ جیسا سفید نشان بنا ہو۔

رپورٹ کارڈ

توت تو چان نہ دائیں دیکھ رہی تھی نہ بائیں۔ اس کا تھیلا پیٹھ پر اچھل رہا تھا اور وہ اسٹیشن سے بے تحاشہ گھر بھاگی جا رہی تھی جو لوگ اسے دیکھ رہے تھے وہ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ ضرور کوئی بھیانک حادثہ ہو گیا ہے۔ اس نے تو اسکول گیٹ سے نکلتے ہی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے سامنے کا دروازہ کھولا اور چلائی "میں آ گئی ہوں" اور پھر راکی کو تلاش کرنے لگی۔ وہ برآمدے میں پیٹ کے بل پسرا پڑا تھا اور اس ٹھنڈک کا مزہ لے رہا تھا۔ توت تو چان کچھ نہ بولی وہ راکی کے سامنے بیٹھ گئی پیٹھ پر سے اپنا بستہ اتارا اور ایک رپورٹ کارڈ نکالا یہ اس کا سب سے پہلا رپورٹ کارڈ تھا۔ اس نے کارڈ کو کھولا تو راکی اس کے نمبر اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔

"لو دیکھو" اس نے بڑے فخر سے کہا۔ کارڈ پر چند اے بی اور کچھ دوسرے حروف لکھے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ توت تو چان ابھی تک یہ سب نہیں جانتی تھی کہ اے بی سے بہتر ہے یا بی اے سے۔ تو پھر راکی کے لئے تو یہ سب اور بھی مشکل تھا لیکن توت تو چان چاہتی تھی کہ کسی اور کے رپورٹ دیکھنے سے پہلے راکی ہی اس کی رپورٹ دیکھے۔ اُسے یقین تھا وہ بیحد خوش ہو جائے گا۔

جب راکی نے کاغذ اپنے منہ کے سامنے دیکھا تو اسے سونگھنے لگا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا

اور اس نے توت توچان کو غور سے دیکھا۔

"کیوں؟ تم رعب کھا گئے نا؟ یا نہیں کھایا۔ لیکن یہ مشکل لفظوں سے بھرا ہوا ہے تم شاید پڑھ بھی نہ سکو"۔

راکی نے گردن ایک طرف کچھ ٹیڑھی کرلی جیسے وہ کارڈ کو دوبارہ دیکھ رہا ہو۔ اور پھر اس نے توت توچان کا ہاتھ چاٹ لیا۔

"بہت خوب" توت توچان نے اطمینان کا سانس لیکر اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب میں جاکر اسے اماں کو دکھاؤں گی۔"

توت توچان کے چلے جانے کے بعد راکی اٹھ کر ایک زیادہ ٹھنڈی جگہ پر چلا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ لیٹ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اُسے دیکھ کر توت توچان ہی نہ کہتی کہ جس طرح اس کی آنکھیں بند ہیں اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رپورٹ کارڈ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہے۔

گرمیوں کی چھٹیاں شروع

"ہم لوگ کل کسی جگہ کیمپنگ کے لئے جارہے ہیں مہربانی کرکے کمبل اور رات کے کپڑے لیکر آئیے گا۔" یہ لکھا تھا اس نوٹ میں جو ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف سے تھا اور توت توچان گھر لے گئی ماں کو دکھانے۔ دوسرے ہی دن سے گرمی کی چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں۔

"ماں! یہ کیمپنگ کیا ہوتا ہے؟" توت توچان نے پوچھا۔ ماں خود حیران تھیں مگر انہوں نے جواب دیا۔ "کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاید تم لوگ کہیں باہر جاکر خیمے لگاؤ اور اسی میں سوؤ؟ خیمے کے اندر سوتے ہوئے تم چاند اور تارے دیکھ سکتی ہو۔ میں سوچ رہی ہوں کہ وہ لوگ خیمے لگائیں گے کہاں؟ کرائے کا تو کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے شاید یہ جگہ اسکول کے کہیں قریب ہی ہو گی۔"

اس رات جب توت توچان بستر میں لیٹی تو بڑی دیر تک سو نہ سکی "کیمپنگ" پر جانے کا خیال کچھ ڈراؤنا سا تھا۔ بڑی مہم جوئی کا اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

دوسری صبح اٹھتے ہی اس نے سامان ٹھیک کرنا شروع کر دیا۔ لیکن شام کو جب

سفری تھیلے پر جس میں اس کے رات کو پہننے والے کپڑے تھے، کمبل لپیٹا رکھا تھا، اور وہ خدا حافظ کہہ کر روانہ ہو گئی تو وہ ایک بیحد ڈری ہوئی ننھی سی بچی لگ رہی تھی۔

جب بچے اسکول میں اکٹھا ہو گئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا ہاں تو اب تم لوگ اسمبلی ہال میں آجاؤ۔ جب بچے وہاں پہنچے تو ہیڈ ماسٹر صاحب کوئی سخت سی کلپ دار چیز ہاتھ میں اٹھائے چھوٹے سے اسٹیج پر جا رہے تھے۔ وہ ایک ہرے رنگ کا خیمہ تھا۔

"میں تم لوگوں کو دکھاؤں گا کہ خیمہ کیسے لگاتے ہیں"۔ انہوں نے خیمے کو پھیلاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو بچوں غور سے دیکھنا"۔

بالکل اکیلے ہی انہوں نے کبھی ہانپتے اور کبھی گہری سانس کھینچتے ہوئے ادھر رسیاں کھینچیں اور ادھر بانس کھڑے کردئے اور اس سے پہلے کہ آپ جیک رابن سن Jack Rabinson کہیں ایک خوب صورت خیمہ کھڑا ہوا تھا۔

"آجاؤ اب تم لوگ"۔ انہوں نے کہا اب تم لوگوں کو پورے اسمبلی ہال میں خیمے کھڑے کرنے ہیں اور یہاں ہی کیمپ لگے گا۔

ماں نے تو یہ سوچا تھا، جیسا کوئی بھی دوسرا سوچتا کہ خیمے باہر کھلے میں لگائے جائیں گے لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذہن میں کچھ اور تھا۔ اسمبلی ہال میں بچے ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔ چاہے رات میں بارش ہو یا تھوڑی سردی ہو جائے۔

"ہم خیمے لگا رہے ہیں۔ ہم خیمے لگا رہے ہیں۔" خوشی سے یہ چلاتے ہوئے سارے بچے ٹولیوں میں بٹ گئے اور ٹیچروں کی مدد سے انہوں نے جتنی ضرورت تھی اتنے خیمے کسی نہ کسی جگہ لگا ہی دئے۔ ایک خیمے کے اندر تین بچے سو سکتے تھے۔ توت توچان نے فوراً کپڑے بدل کر رات کے کپڑے پہن لئے جلدی ہی دوسرے بچے بھی خوشی خوشی ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں رینگ کر جاتے نظر آنے لگے۔ ادھر ادھر آنا جانا بہت زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

جب سبھی بچوں نے رات کے کپڑے پہن لئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب آکر ان کے بیچوں بیچ بیٹھ گئے تاکہ سب لوگ انہیں دیکھ سکیں اور وہ دیش بدیش کے سفر کے اپنے قصے سنانے لگے۔

کچھ بچے اپنے خیموں کے اندر ایسے لیٹے تھے کہ صرف ان کے سر باہر دکھائی دے

رہے تھے کچھ ٹھیک سے باہر بیٹھے ہوئے تھے اور کئی چھوٹے والے تو بڑے والوں کی گود میں سر رکھے کر لیٹ گئے تھے سب ہی بڑے انہاک سے غیر ملکوں کے بارے میں باتیں سن رہے تھے، ایسے ملک جو انہوں نے دیکھے بھی نہیں تھے، اور ایسے بھی جن کے بارے میں سنا تک نہ تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے قصے بڑے دلچسپ تھے اور کبھی کبھی تو بچوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سات سمندر پار ملکوں کے سارے بچے جن کے بارے میں بتایا گیا ان کے دوست تھے۔

یہ چھوٹا سا واقعہ کہ بچے اسمبلی ہال میں خیمے لگا کے سوئے انکے لئے انتہائی قیمتی اور خوش کن تجربہ ثابت ہوا جسے وہ کبھی بھول نہیں سکتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یقیناً یہ خوب جانتے تھے کہ بچوں کو کیسے خوش کیا جاسکتا ہے۔

جب ہیڈ ماسٹر صاحب کی باتیں ختم ہو گئیں اور اسمبلی ہال کی روشنی گل کر دی گئی تو سب بچے اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ کہیں سے قہقہوں تو کہیں سے کھسر پسر کی آوازیں آنے لگیں اور ایک خیمے میں تو جو کہ دور کنارے پر تھا ہاتھا پائی بھی ہو رہی تھی۔ رفتہ رفتہ خاموشی ہو گئی۔

"یہ کیمپنگ" بنا چاند تاروں کی ضرور تھی لیکن بچوں کو بڑا لطف آیا۔ ان کے لئے چھوٹا سا اسمبلی ہال ہی اصلی کیمپ کرنے کا میدان بن گیا اور ان کی یاد میں وہ ایک رات، چاند کی کرنوں اور تاروں کی روشنی میں لپٹی ہمیشہ محفوظ رہی۔

عظیم مہم

اسمبلی ہال میں بچوں کے کیمپ کرنے کے دو دن بعد توت توچان کے لئے ایک بڑی مہم سر کرنے کا دن آیا۔ اُس روز اسے یاسو آکی چان سے ملنا تھا۔ جسکی نہ اماں نہ ابا اور نہ ہی یاسو آکی چان کے ماں باپ کو خبر تھی۔ اُس نے یاسو آکی چان کو اپنے درخت کے پاس آنیکی دعوت دی تھی۔

تو موئے میں ایک قاعدہ تھا کہ اسکول کے میدان میں ہر طالب علم کا ایک پیڑ ہوتا تھا جسے وہ خود اپنے چڑھنے کا پیڑ سمجھتا تھا۔ اسکول کے میدان کے کنارے توت توچان کا پیڑ، جھاڑی سے ملی ہوئی سڑک کے پاس تھا یہ سڑک کو ہون بت سو جاتی تھی۔ درخت کافی بڑا سا تھا لیکن اس پر چڑھو تو پیر پھسلتے تھے لیکن اگر ٹھیک سے کوئی چڑھ جائے تو زمین سے کوئی چھ

فٹ کی اونچائی پر ایک دو شاخے تک پہنچا جاسکتا تھا۔ اور یہ جگہ ایک بالکل جھولن کھٹولے کی طرح آرام دہ تھی۔ توت توچان اکثر چھٹی کے وقفے میں یا اسکول کے بعد وہاں جاتی اور بیٹھ کر وہاں سے دور دور تک یا پھر آسمان کی طرف یا نیچے چلنے والوں کو دیکھا کرتی تھی۔

بچے اپنے پیڑ کو اپنی نجی ملکیت سمجھتے چنانچہ اگر آپ کسی دوسرے پیڑ پر چڑھنا چاہتے ہوں تو آپ کو بڑی تمیز سے یہ کہہ کر اجازت لینا پڑتی کہ "معاف کیجئے گا کیا میں اندر آسکتی ہوں۔"

یاسو آکی چان کو پولیو ہو چکا تھا۔ وہ پیڑ پر کبھی نہیں چڑھا تھا۔ اس کا اپنا کوئی پیڑ نہ تھا اس لئے توت توچان نے فیصلہ کیا کہ وہ اُسے اپنے پیڑ پر آنے کی دعوت دے گی۔ یہ بات راز میں رکھی گئی اسلئے کہ انہوں نے سوچا کہ لوگ ضرور شور مچائیں گے اور ڈانٹیں گے۔

جب وہ گھر چلی تو اس نے ماں سے کہا کہ وہ یاسو آکی سے ملنے اُس کے گھر دے نن شوفو (DENINSHOFU) جا رہی ہے۔ چونکہ وہ جھوٹ بول رہی تھی اسلئے اس نے ماں سے نظریں چرانے کی کوشش کی اور اپنے جوتے کا فیتہ دیکھنے لگی۔ راکی اسٹیشن تک اس کے پیچھے پیچھے گیا جب وہ اس سے رخصت ہونے لگی۔ تو اس نے سچ سچ بتا دیا "میں یاسو آکی چان کو اپنے پیڑ پر چڑھنے دونگی۔" اس نے کہا۔

جب توت توچان اسکول پہنچی تو اس کا ریل کا پاس گلے میں جھول رہا تھا۔ یاسو آکی چان پھولوں کی کیاریوں کے پاس اُس کا منتظر تھا۔ گرمی کی چھٹیوں کی وجہ سے اسکول کا میدان سونا پڑا تھا۔ یاسو آکی چان اُس سے صرف ایک ہی سال بڑا تھا لیکن جب بات کرتا تو زیادہ بڑا لگتا۔

جب یاسو آکی چان کو توت توچان نظر آئی تو وہ اپنے کو سیدھا رکھنے کے لئے دونوں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے ٹانگ گھسیٹتا جلدی جلدی اس کی طرف چلا۔ توت توچان یہ سوچ کر بڑی خوش تھی کہ وہ لوگ کوئی کام ایسا کرنے جا رہے ہیں جو دوسروں کے لئے ایک راز ہے اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ یاسو آکی چان بھی ہنسنے لگا۔

توت توچان یاسو آکی چان کو اپنے پیڑ کے پاس لے گئی اور پھر جیسا کہ اس نے رات کو سوچ رکھا تھا، وہ دربان کے چھپر کی طرف بھاگی اور وہاں سے ایک سیڑھی اٹھا لائی۔ اُس نے

سیڑھی کو گھسیٹ کر پیڑ کے تلے کے سہارے اس طرح کھڑا کر دیا کہ وہ دوشاخ تک پہنچ سکے پھر وہ بڑی تیزی سے پیڑ پر چڑھ گئی اور سیڑھی کا اوپری حصہ پکڑ کر پکارنے لگی "اچھا، اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔"

یاسو آکی چان کے ہاتھ پیر اس قدر کمزور تھے کہ لگتا تھا بغیر مدد کے وہ پہلی سیڑھی بھی نہیں چڑھ پائے گا۔ لہذا توت توچان سیڑھی سے نیچے اتر آئی اور یاسو آکی چان کو پیچھے سے دھکا دے کر سیڑھی پر چڑھانے لگی۔ توت توچان خود اتنی دبلی پتلی اور چھوٹی سی تھی کہ وہ یاسو آکی چان کو سنبھالنے کے لئے بس اتنا ہی کر سکتی تھی نہ کہ اس کے ساتھ ہی سیڑھی کو سیدھا بھی رکھتی۔ یاسو آکی چان نے سیڑھی کے نچلے ڈنڈے پر سے اپنا پیر ہٹا کر نیچے رکھ لیا اور سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا توت توچان کو پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ کام اُس سے بھی زیادہ

مشکل ہے جتنا اس نے سوچا تھا۔ اب وہ کرے کیا؟ اُس کی دلی تمنا تھی کہ یاسو آکی چان اس کے پیڑ پر چڑھ جائے اور وہ اس بات کا کتنے اشتیاق سے انتظار کر رہا تھا وہ جا کر اُسکے سامنے کھڑی ہو گئی۔

لڑکا اس قدر افسردہ تھا کہ توت توچان نے اپنے گال پھلا کر خوب مزاحیہ سا چہرہ بنا لیا تا کہ اسے خوش کر سکے۔ وہ دربان کے چھپر کی طرف پھر دوڑی یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا وہاں ایسی کوئی چیز مل سکتی ہے جو مددگار ہو۔ آخر اسے ایک چوڑے قدمچوں والی سیڑھی مل ہی گئی۔ یہ مضبوطی سے بغیر ہلے جلے کھڑی رہے گی اور اُسے پکڑنا نہیں پڑے گا۔ وہ اس سیڑھی کو گھسیٹتی ہوئی لائی۔ اسے اپنی طاقت پر خود تعجب ہو رہا تھا جب اُس نے دیکھا کہ قدمچوں والی سیڑھی بالکل درخت سے دوشاخے تک پہنچ گئی ہے تو اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

"دیکھو اب تم بالکل نہ ڈرو۔" اس نے بڑی بہن والے انداز میں کہا "یہ سیڑھی ڈگمگائے گی نہیں"۔

یاسو آکی چان نے ڈر کر اور کچھ گھبراتے ہوئے قدمچے کو دیکھا۔ پھر توت توچان پر ایک نظر ڈالی جو پسینے میں شرابور تھی۔ یاسو آکی چان کے بھی پسینہ چھوٹ رہا تھا اُس نے اوپر پیڑ کو دیکھا پھر پکے ارادے سے سیڑھی پر اپنا ایک پیر رکھا۔

دونوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ سیڑھی کے اوپری سرے تک پہنچنے میں کتنی دیر لگ گئی تھی۔ گرمی کا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا لیکن دونوں سوائے اس بات کے کہ یاسو آکی چان کو پیڑ پر چڑھنا ہے کچھ اور نہیں سوچ رہے تھے۔ توت توچان یاسو آکی چان سے پیچھے تھی۔ وہ نیچے سے اُسکے پاؤں اٹھا کر اوپر کی سیڑھی پر رکھتی اور اپنے سر کو اُسکے پچھلے حصے پر دباؤ ڈالتے ہوئے اُسے سیدھا رکھنے کی کوشش کرتی۔ یاسو آکی چان بھی اپنی پوری قوت سے جدوجہد کر رہا تھا اور آخر کار وہ اوپر پہنچ ہی گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ توت توچان کود کر دوشاخوں پر پہنچ گئی لیکن اُس کی انتہائی کوششوں کے باوجود یاسو آکی چان وہاں نہیں پہنچ سکا۔ سیڑھی کے دونوں سروں کو ہاتھوں میں زور سے پکڑے ہوئے وہ منہ اُٹھائے توت توچان کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک توت توچان کو رونا آنے لگا۔ اُسکی بے حد خواہش تھی کہ وہ یاسو آکی چان کو اپنے پیڑ پر لائے اور وہاں سے اُسے طرح طرح

کی چیزیں دکھائے۔ لیکن وہ روئی نہیں۔ وہ ڈری کہ اگر اس نے ایسا کیا تو یاسو آکی چان بھی کیا پتہ رونا شروع کر دے۔ رونے کے بجائے اس نے یاسو آکی چان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا یاسو آکی چان کی ساری انگلیاں پولیو کی وجہ سے ایک دوسرے میں جڑ سی گئی تھیں۔ اس کے ہاتھ بھی توت تو چان کے ہاتھ سے بڑے اور انگلیاں لمبی تھیں۔ پھر وہ بولی: "اچھا اب تم لیٹ جاؤ میں تم کو کھینچ کر اوپر لانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

اگر کوئی بڑی عمر کے لوگ توت تو چان کو پیڑ کے دو شاخے پر کھڑے ہو کر یاسو آکی چان کو گھسیٹتے ہوئے دیکھتے جو پیٹ کے بل سیڑھی پر لیٹا ہوا تھا تو ان کی چیخ نکل جاتی۔ انہیں یہ منظر بڑا خطرناک دکھائی دیتا۔

لیکن یاسو آکی چان کو توت تو چان پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ اس کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالے ہوئے تھی۔ اپنے ننھے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ پکڑ کر وہ اسے پوری قوت سے اوپر کھینچ رہی تھی۔ سورج کی تیز دھوپ اور گرمی سے انہیں بچانے کے لئے کبھی کبھی بادل کا کوئی بڑا ٹکڑا، رحم کھا کر وہاں آجاتا اور ان پر اپنا سایہ ڈال جاتا۔

آخر کار ایک وقت ایسا آیا کہ وہ دونوں پیڑ پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ پسینے سے نم اپنے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے توت تو چان نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر کہا: "میں اپنے پیڑ پر آپ کا خیر مقدم کرتی ہوں"۔ یاسو آکی چان تنے کے سہارے شرمایا سا کھڑا مسکرا رہا تھا، اُس نے پوچھا "کیا میں اندر آجاؤں؟" اوپر پہنچ کر اس نے جو منظر دیکھا ایسا تو زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خوش ہو کر بولا "اچھا تو یہ ہے پیڑ کے اوپر چڑھنا۔"

وہ دونوں دیر تک پیڑ پر بیٹھے رہے اور طرح طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ یاسو آکی چان نے خوش ہو کر بتایا کہ، "میری بہن جو امریکہ میں ہے کہتی ہے ایک چیز ہوتی ہے ٹیلی ویژن۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ جب یہ ٹیلی ویژن جاپان میں آجائے گا تو ہم لوگ گھر بیٹھے کشتی دیکھ سکیں گے۔ اُس نے بتایا کہ ٹیلی ویژن ایک بکس کی طرح ہوتا ہے۔"

توت تو چان اُس وقت یہ نہ سمجھ پائی تھی کہ یاسو آکی چان کے لئے جو کھیت تک بھی نہیں جاسکتا، گھر بیٹھے ہر طرح کی چیزیں دیکھ سکنا کتنی بڑی بات ہو گی۔ وہ بس یہی تعجب

کرتی رہی کہ تمہارے اپنے گھر میں ایک بکس کے اندر سومو پہلوان کیسے چلے جائیں گے؟ وہ تو اتنے بڑے اور موٹے ہوتے ہیں! لیکن بھئی کچھ بھی ہو بات تھی دلچسپ۔ ان دنوں جاپان میں لوگ ٹیلی ویژن کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔ یاسو آکی چان پہلا آدمی تھا جس نے توت تو چان کو اس کے بارے میں بتایا۔

جھینگر گا رہے تھے اور دونوں بچے بیحد خوش تھے۔ لیکن یہ پہلی اور آخری بار تھا کہ یاسو آکی چان پیڑ پر چڑھ پایا۔

بہادری کا امتحان

وہ کونسی چیز ہے جو ڈراؤنی ہے جو بدبودار ہے مگر ہے مزیدار۔ یہ پہیلی سب بچوں کو اس قدر پسند تھی کہ اُس کا جواب جانتے ہوئے بھی توت تو چان اور اس کے دوست ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے نہ تھکتے تھے کہ مجھ سے پوچھو کہ کیا چیز ہے جو ڈراؤنی اور بدبودار ہے؟ جواب تھا پاخانے میں بیٹھا بھوت، پھلی کا جیم کھاتا ہوا۔

تو موئے میں بہادری کا امتحان جس طرح ختم ہوا تھا اس کی بھی ایک اچھی پہیلی بن گئی تھی، "وہ کیا چیز ہے جو ڈراؤنا ہے، کھجلی کرتا ہے، اور سب کو ہنساتا ہے؟" اسمبلی ہال میں جس رات خیمے لگے تھے اور کیمپنگ کی گئی تھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان کر دیا تھا کہ ایک رات ہم کیو ہون بت کا مندر میں جا کر امتحان لیں گے۔ ہاتھ اُٹھاؤ اگر تم بھوت بننا چاہتے ہو تب۔

تقریباً سات لڑکوں نے ایسا کرنا منظور کیا تو جو بھوت بننے والے تھے اپنی بھوت والی پوشاکیں لے کر آئے تھے۔ یہ سب انہوں نے خود ہی بنائی تھیں وہ سب تیار ہو کر مندر کے میدان میں چھپنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

جاتے ہوئے وہ کہہ گئے تھے کہ ہم تم لوگوں کو ایسا ڈرائیں گے کہ دم ہی نکل جائے گا تمہارا۔ باقی تیس بچوں نے اپنے کو پانچ پانچ کی چھوٹی ٹولیوں میں بانٹ لیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے کیو ہون بُت سو روانہ ہوئے۔ ان بچوں کو مندر کے چاروں طرف پھیلے ہوئے میدان اور وہاں کے قبرستان پر ٹہلنا اور پھر اسکول واپس آجانا تھا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ان کو سمجھادیا تھا کہ اگر چہ یہ امتحان اس بات کا ہے کہ کون کتنا بہادر ہے لیکن اگر کوئی بچہ بغیر پورا راستہ طے کئے واپس آنا چاہے تو آسکتا ہے۔

توت توچان ماں سے ایک ٹارچ مانگ کر لائی تھی۔ ''کھومت دینا اسے'' ماں نے اس سے کہا تھا۔

بعض بچوں نے کہا کہ وہ بھوتوں کو پکڑیں گے اور تتلیاں پھنسانے کے جال لیکر آئے تھے کہ ان کو باندھ دیں گے۔

جب ہیڈ ماسٹر صاحب یہ سمجھا چکے کہ بچوں کو کیا کرنا ہے اور بچوں نے ''پتھر، کاغذ، قینچی'' کا کھیل کھیلنے کے بعد ٹولیاں بنالیں اُس وقت تک اندھیرا ہو چکا تھا۔ شور و غل مچاتے ہوئے بچوں کی پہلی ٹولی اسکول کے گیٹ سے نکل کر روانہ ہوئی۔ آخر کار توت توچان کی باری آئی کہ وہ باہر نکلے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ لوگ کیو ہون بت سو پہنچ نہیں جاتے انہیں کوئی بھوت نظر نہیں آئے گا، مگر بچوں کو اس پر زیادہ یقین نہیں تھا وہ کچھ گھبرائے گھبرائے سے اور ڈرے سہمے سے روانہ ہوئے اور مندر کے دروازے پر پہنچے جہاں سے وہ دیوار راجاؤں کی نگہبانی کرنے والی بڑی مورتیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ چاند نکلا ہونے پر بھی مندر کا میدان اندھیرا تھا۔ یہی جگہ دن میں بڑی کھلی ہوئی اور خوشگوار لگی تھی، لیکن اِس وقت یہ نہ جانتے ہوئے کہ کب کسی بھوت سے مقابلہ ہو جائے گا بچے اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ اُن سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ذرا سا بھی کوئی پتہ ہوا سے سَر سَرا تا تو کوئی نہ کوئی بچہ ''ای۔ای'' کہہ کر چیخ پڑتا، اگر کسی کے پیر سے کوئی نرم چیز چھو گئی تو چلا اٹھا ''بھوت آیا بھوت''! کچھ دیر بعد تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ کسی بچے کے ہاتھ میں دوست کا جو ہاتھ ہے کہیں وہ بھوت کا تو نہیں ہے؟ توت توچان نے طے کر لیا کہ وہ قبرستان تک سارے راستے نہیں جائے گی۔ وہی تو جگہ ہے جہاں بھوت انتظار کر رہے ہوں گے! اور کچھ بھی ہو اب وہ یہ تو جان ہی گئی ہے کہ بہادری کے امتحان کیسے ہوتے ہیں چنانچہ وہ واپس جاسکتی ہے۔ اس کی ٹولی کے دوسرے بچوں نے بھی اُسی وقت بالکل یہی فیصلہ کیا۔ ان کو تسلی تھی کہ واپس جانے کا فیصلہ کسی اکیلے بچے نے نہیں کیا تھا۔ وہ سب بڑی تیزی سے بھاگ نکلے۔

جب وہ اسکول پہنچے تو دیکھا کہ جو ٹولیاں اُن سے پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ وہاں موجود تھیں۔ لگتا تھا تقریباً سبھی لوگ قبرستان تک جانے سے بہت ہی خوف زدہ تھے۔

اُسی وقت ایک لڑکا جس کے سر پر سفید کپڑا تھا اسکول کے پھاٹک سے روتا ہوا چلا آرہا تھا اور ایک ٹیچر بھی اس کے ساتھ تھے۔ لڑکا اُن بھوتوں میں سے ایک تھا جو سارے وقت قبرستان میں جھکے ہوئے بیٹھے رہے تھے لیکن وہاں تک کوئی بھی بچہ نہیں گیا۔ اس کو اکیلے میں ڈر لگنے لگا اور قبرستان سے باہر نکل آیا۔ وہ ٹیچر کو سڑک پر روتا ہوا ملا تھا۔ ٹیچر اُسے ساتھ لے آئے۔ سب لوگ اُسے ہنسانے اور خوش کرنے میں لگے تھے کہ ایک اور لڑکا جو بھوت بنا تھا روتا دھوتا پہنچا اور ایک دوسرا لڑکا بھی روتا ہوا اس کے ساتھ آرہا تھا۔ جو لڑکا بھوت بنا قبرستان میں چھپا بیٹھا تھا، اُس نے جب کسی کے دوڑتے ہوئے آنے کی آہٹ سنی تو انھیں ڈرانے کے لئے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بس دونوں لڑکوں کے سر ٹکرا گئے۔ دونوں بے حد ڈرے ہوئے اور گھائل، ایک ساتھ بھاگتے ہوئے اسکول واپس پہنچے تھے۔ سب کچھ اتنا مزاحیہ تھا اور اُس قدر خوفزدہ ہونے کے بعد بھی، جب سب کی جان میں جان آئی تو بچوں نے ہنس ہنس کر برا حال کر لیا۔ جلدی ہی توت توچان کا ایک دوست جس کا نام مگی تا تھا۔ واپس آیا۔ وہ بھوت کی ٹوپی لگائے ہوئے تھا جو اخبار سے بنائی گئی تھی۔ وہ بے حد ناراض تھا کہ کوئی بھی قبرستان کے اندر نہیں آیا ''میں اب تک وہاں انتظار کرتا رہا'' اُس نے شکایت کی اور اپنے ہاتھ پیر کھجلانے لگا جہاں مچھروں نے بری طرح کاٹ کھایا تھا۔

کسی کی آواز آئی ''ایک بھوت کو ہی مچھروں نے کاٹ کھایا'' اور سب نے پھر کھل کھلا کر ہنسنا شروع کر دیا۔

''اچھا اب میں جا کر باقی بھوتوں کو بھی لاؤں۔'' پانچویں درجے کے ٹیچر مسٹر مارو یاما (MARUYAMA) نے چلتے ہوئے کہا۔ انہوں نے جا کر اُن سارے لڑکوں کو جو بھوت بنے تھے اور سڑک پر لگی روشنی کے نیچے حیران و پریشان کھڑے تھے، اور انہیں بھی جو ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اکٹھا کیا اور سب کو لیکر اسکول واپس آئے۔

اُس رات کے بعد سے توموئے کے بچوں نے کبھی کسی بھوت سے خوف نہیں کھایا۔ آخر بھوت بھی تو کبھی کسی سے ڈر جاتے ہیں۔ کیوں؟ کیا نہیں ڈرتے؟

ریہرسل کا ہال:

توت توچان کی چال سنجیدہ تھی۔ راکی بھی سنجیدگی سے چل رہا تھا وہ منہ اُٹھا کر کبھی کبھی توت توچان پر نظر ڈال لیتا اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں ابا کے ریہرسل کے کمرے میں جا رہے ہوں گے کیوں کہ ویسے تو عموماً توت توچان جتنا تیز بھاگ کر چل سکتی تھی چلا کرتی تھی، اور چلتے چلتے وہ ادھر اُدھر دیکھتی پھرتی جیسے کچھ گر گیا ہو اور وہ ڈھونڈھ رہی ہو یا پھر وہ دوسرے لوگوں کے باغوں میں ایک کے بعد ایک جھاڑیوں کے نیچے سے جھک کر نکل جاتی۔ اُس کے ابا کا ریہرسل ہال گھر سے کوئی پندرہ منٹ کی دوری پر تھا۔ وہ ایک آرکیسٹرا کے کنسرٹ ماسٹر تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ وائلن بجاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب وہ کنسرٹ میں گئی تو ایک بات نے اُسے بڑے اچنبھے میں ڈال دیا جب سب لوگ تالیاں بجا چکے تو پسینے میں شرابور کنڈکٹر صاحب نے اپنا منہ لوگوں کی طرف موڑ لیا۔ چبوترے سے اترے اور انہوں نے ابا سے ہاتھ ملایا جو کنسرٹ میں وائلن بجا رہے تھے۔ تب ابا اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر آرکیسٹرا بجانے والے باقی سبھی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''ان لوگوں نے ہاتھ کیوں ملایا؟'' توت توچان نے دھیمے سے پوچھا ''کنڈکٹر آرکیسٹرا بجانے والوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے انہیں اتنا اچھا آرکیسٹرا بجایا لہٰذا انہوں نے ابا سے ہاتھ ملایا کیونکہ وہی آرکیسٹرا بجانے والوں کے نمائندے ہیں۔'' ماں نے سمجھایا۔ توت توچان کو ریہرسل ہال جانا اسلئے پسند تھا کہ یہ جگہ اسکول سے بہت ہی مختلف تھی۔ اسکول میں تو زیادہ تر بچے ہی تھے مگر یہاں سبھی لوگ بڑی عمر کے ہوتے تھے اور وہ طرح طرح کے باجے بھی بجاتے تھے۔ اس کے علاوہ کنڈکٹر مسٹر روزین اسٹاک جاپانی زبان بھی تو بڑی مزیدار بولتے تھے۔

ابا نے اُسے بتایا تھا کہ جوزف روزین اسٹاک یوروپ کے ایک بڑے جانے مانے کنڈکٹر تھے لیکن ہٹلر نام کے ایک آدمی نے وہاں بڑی ہی بھیانک حرکتیں شروع کر دیں چنانچہ مسٹر اسٹاک کو وہاں سے فرار ہونا پڑا اور وہ موسیقی تیار کرنے کا کام جاری رکھنے کے لئے اتنی دور جاپان چلے آئے۔ ابا نے یہ بھی بتایا کہ وہ مسٹر روزین اسٹاک کو بے انتہا پسند کرتے ہیں اور ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ توت توچان کو دنیا کے حالات کا کچھ پتہ نہ تھا۔ ٹھیک اسی زمانے میں ہٹلر نے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو روزین اسٹاک کبھی جاپان

نہیں آتے اور وہ آرکیسٹرا جس کی بنیاد کوسک یمادا نے ڈالی اتنے کم وقت میں ایسی ترقی نہ کر لیتا جیسی کہ اُس نے کی۔ یہ ترقی بین الاقوامی شہرت کے مالک انہیں کنڈکٹر کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

روزین اسٹاک، جاپانی آرکیسٹرا سے بھی اسی معیار کی توقع رکھتے تھے جیسی کہ یوروپ کے کسی اول درجہ کے آرکیسٹرا سے انہیں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آرکیسٹرا کا ہر پروگرام ختم ہونے پر وہ تقریباً رو پڑتے۔

''میں کتنی سر توڑ کوشش کرتا ہوں مگر آپ لوگوں پر اثر ہی نہیں ہوتا۔'' جب کبھی روزن اسٹاک آرام کر رہے ہوتے تو چیلو بجانے والے ہی دیوسئیو کنڈکٹر بن جاتے۔ وہ جرمن زبان بڑی اچھی بولتے تھے لہٰذا وہی سب کی طرف سے جواب دیا کرتے۔ ''ہم جو کچھ کر سکتے ہیں کر رہے ہیں لیکن ہماری تکنیک ابھی کمزور ہے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری ناکامی جان بوجھ کر نہیں ہوتی''۔

حالات کی پیچیدگی توت توچان کی سمجھ میں تو نہ آتی لیکن اکثر روزین اسٹاک کا چہرہ اس قدر لال ہو جاتا کہ لگتا اُن کے سر سے بھاپ اُٹھنے لگے گی اور پھر وہ جرمن میں چلانے لگتے۔ ایسے وقت توت توچان اپنی پسندیدہ کھڑکی پر سے جہاں سے وہ ہتھیلیوں پر تھوڑی جمائے بیٹھی دیکھ رہی ہوتی تھی، ہٹ کر راکی کو گود میں دبا کر بیٹھ جاتی۔ اُس کا سانس مشکل سے آ رہا ہوتا۔ وہ انتظار کرتی رہتی کہ آرکیسٹرا کی موسیقی پھر سے سنائی دینے لگے!

لیکن عام طور پر مسٹر روزین اسٹاک بہت ہی اچھی طرح پیش آتے تھے اور ان کی جاپانی بھی دلچسپ ہوا کرتی تھی جب آرکیسٹرا اچھا بجاتے تو وہ کہتے ''بہت عمدہ'' کیوروبانا گی ساں'' مگر اُن کا لفظوں پر دباؤ بڑا ہی مضحکہ خیز ہوتا تھا کبھی وہ کہتے۔ ''بہت خوب کمال کر دیا''۔ توت توچان ریہرسل ہال کے اندر کبھی نہیں گئی تھی۔ اُسے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے موسیقی سننا اچھا لگتا تھا چنانچہ جب وہ وقفہ ہوتا اور بجانے والے سازندے سگریٹ پینے باہر آتے تو ابا اُسے وہاں ہی پاتے تھے۔ وہ کہتے تم یہاں ہو توتسکی! اور ماسٹر روزین اسٹاک اُسے دیکھ لیتے تو اپنے مزیدار لہجے میں کہتے گڈ مارننگ یا گڈ ڈے۔ حالانکہ وہ اب کافی بڑی ہو گئی تھی لیکن وہ اُسے اسی طرح اوپر اُٹھایا کرتے تھے جیسے کہ اس وقت اٹھاتے تھے جب وہ چھوٹی سی

تھی اور اپنے گال اُس کے گالوں پر رکھ دیتے تھے۔ وہ پتلے سنہرے فریم کا چشمہ لگاتے تھے، ان کی ناک لمبی اور قد زیادہ اونچا نہیں تھا لیکن ان کا چہرہ بڑا ہی خوب صورت تھا جسے دیکھ کر آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ کسی فنکار کا ہے۔

توت توچان ریہرسل ہال کو بڑا پسند کرتی تھی وہ کچھ مغربی طرز پر بنا تھا اور تھوڑا ٹوٹا پھوٹا سا بھی تھا۔ سن زو کو تالاب سے بہہ کر آتی ہوئی ہوائیں موسیقی کی آواز کو ریہرسل ہال سے دور دور تک اُڑالے جاتیں اور کبھی کبھی سنہری مچھلیاں بیچنے والے کی آواز کنگ۔ گی یو۔ ای ی۔۔۔ کنگ گی یو بھی موسیقی کی آواز میں گھل مل جاتی۔

سفر گرم پانی کے چشمے کا

گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہوئیں اور پھر گرم پانی کے چشمے کی سیر کا دن آخر کار آہی گیا۔ اسکول کے بچے اسے تو موئے کا خاص واقعہ سمجھتے تھے۔ ماں کو تو بہت کم باتوں پر حیرانی ہوتی تھی۔ مگر ایک دن جب توت توچان نے اسکول سے آکر اُن سے پوچھا کہ اماں کیا میں دوسرے بچوں کے ساتھ گرم پانی کے چشمے کی سیر کو جاسکتی ہوں تو وہ سٹپٹا گئیں انہوں نے بڑی عمر کے لڑکوں کو تو گرم پانی کے چشمے پر جاتے سنا تھا مگر پہلے درجے کے بچوں کو نہیں۔ مگر جب انہوں نے احتیاط سے ہیڈ ماسٹر صاحب کا خط پڑھا تو سوچنے لگیں کہ یہ تو بڑا زوردار خیال ہے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے پلان کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ یہ منصوبہ تھا شیزواوکا کے جزہ نما ایزو میں تو موئی نامی جگہ پر سمندر کے کنارے اسکول ”کا۔ وہاں سمندر میں ہی گرم پانی کا ایک چشمہ تھا، جہاں بچے تیر بھی سکتے تھے اور گرم چشمے میں نہا بھی سکتے تھے بچوں کو وہاں تین دن اور دو راتیں گزارنی تھیں تو موئے کے ایک بچے کے والد کا وہاں چھٹیاں گزارنے کا ایک گھر تھا اور تو موئے کے سارے کے سارے پچاس بچے جو پہلی سے لیکر چھٹی تک کے تھے، وہاں آرام سے ٹھہر سکتے تھے ظاہر ہے ماں راضی ہو گئیں۔

تو موئے کے بچے روانگی سے پہلے ایک مقررہ دن پر اسکول میں جمع ہوئے۔ جب سب اکٹھا ہو گئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا ”ہاں تو بچوں ہم لوگ ریل گاڑی اور پھر سمندری جہاز میں سفر کریں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بچہ کھو جائے سمجھ گئے نا؟ اچھا اب ہم چلتے ہیں۔“

انہوں نے صرف اتنی ہی ہدایت دی تھی بچوں کو مگر جب وہ جی او گاؤ کا اسٹیشن پر ٹوکیو ریل گاڑی میں بیٹھے تو سبھی بچوں کا رویہ بڑا اچھا تھا۔ کوئی ڈبے کے اندر نیچے اوپر نہیں دوڑا اور باتیں بھی وہ آہستہ آہستہ صرف انہیں کے درمیان ہو رہی تھیں جو ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے۔ تو موئے کے بچوں سے کسی نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ قطار میں رہیں، ٹھیک سے چلیں، ریل گاڑی میں خاموشی سے بیٹھیں اور کھانا کھاتے ہوئے فرش پر کچرا نہ پھینکیں۔ اسکول کی وفادانہ زندگی نے انہیں سکھادیا تھا کہ اپنے سے کمزور اور چھوٹوں کو کبھی دھکا مت دو اور یہ بھی کہ ہلڑ بازی پر تو خود کو ہی شرم آنی چاہئے اور اگر کہیں کوڑا کچرا ہو تو

اسے اُٹھا دینا چاہیے۔ اور ایسا کچھ بھی نہیں کرنا چاہیے جس سے دوسروں کو پریشانی ہو یا وہ خفا ہوں۔ سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ توت توچان جو ابھی چند مہینے پہلے اپنے پرانے اسکول میں کلاس میں پڑھائی کے دوران کھڑکی کے باہر جھانک کر سڑک پر گانے والوں کی ٹولی کو بلا کر باتیں کرتی تھی اور پوری کلاس کو گڑبڑا دیتی تھی، جس دن سے تومو ئے آئی تھی اسی دن سے وہ اپنی میز پر بیٹھنا اور ٹھیک سے سبق پڑھنا سیکھ گئی تھی۔ پرانے اسکول کی کوئی ٹیچر اگر آپ اسے دیکھیں کہ وہ کیسے ریل گاڑی میں دوسروں کے ساتھ ٹھیک سے بیٹھی ہے تو کہتیں کہ ”یہ تو کوئی اور ہی ہے!“

نومازو پہنچ کر سب لوگ ایک سمندری جہاز میں بیٹھے جو کہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ بچے تصور کر رہے تھے۔ یہ جہاز بہت بڑا نہیں تھا لیکن بچے اتنے زیادہ خوش تھے کہ انہوں نے جہاز کے عرشے کا ہر کونہ چھان مارا کبھی وہ کسی چیز کو چھوتے تو کبھی کہیں لٹک کر جھولنے لگتے۔ جب جہاز روانہ ہوا تو انہوں نے شہر والوں کو الوداع کہا۔

ابھی وہ لوگ زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ پانی برسنے لگا اور اندر کمرے میں جانا پڑا۔ جلدی ہی سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں اور توت توچان اور کچھ دوسرے بچوں کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ اسی وقت ایک بڑا لڑکا اٹھا اور عرشے پر بیچوں بیچ کھڑا ہو گیا جیسے متوازن مستحکم بنانے والی مشین ہو۔ جب جہاز ایک طرف کو جھکا تو وہ بھی اُف کہہ کر ایک طرف کو دوڑ تا پھر دوسری بار اُف کہہ کر دوسری طرف دوڑ جاتا۔ یہ منظر ایسا مزاحیہ اور دلچسپ تھا کہ سارے بچے ہنسے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔ حالانکہ ان سب کو سخت متلی آ رہی تھی جب وہ توائی (Toi) پہنچے تب بھی ہنس ہی رہے تھے۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ سب کے جہاز سے اتر جانے کے بعد اُف کہنے والے لڑکے کی طبیعت خراب ہونے لگی جب کہ سارے دوسرے لوگ ٹھیک ٹھاک ہو گئے تھے اور اچھا محسوس کر رہے تھے۔

توئی اسپا سمندر کے کنارے جنگلوں سے بھری پہاڑیوں سے بیحد خوبصورت اور پُر سکون گاؤں میں تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ٹیچر بچوں کو سمندر پر لے گئے۔ یہ اسکول کے نہانے کے تالاب کی طرح نہیں تھا اس لئے سب نے اپنے سوئمنگ سوٹ (تیراکی پوشاک) پہن لیے تھے۔

سمندر کے اندر ایک گرم پانی کا چشمہ ہونا سب سے عجیب و غریب بات تھی۔ بس ایک کرشمہ ہی سمجھیے اسے کسی طریقے سے گھیرا نہیں گیا تھا چنانچہ اُس جگہ کوئی ایسی لائن تو تھی نہیں جو گرم پانی کے چشمے کو بقیہ سمندر سے الگ کر دیتی۔ جہاں بتایا جاتا کہ گرم پانی کا چشمہ ہے وہاں اگر آپ جُھک کر بیٹھ جائیں تو وہاں گرم پانی آپ کی گردن تک آ جاتا تھا اور بہت ہی اچھا لگتا تھا۔ ایسے ہی جیسے کہ آپ کسی گرم حمام میں نہا رہے ہوں۔ گرم پانی کے چشمے سے اگر آپ سمندر میں پہنچنا چاہیں تو آپ کو بس اتنا ہی کرنا ہوتا تھا کہ آپ کوئی پندرہ فٹ ایک طرف ہٹ جائیں۔ اور وہاں پانی نسبتاً ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ آپ تیرتے تیرتے جتنا بھی دور ہوتے جاتے پانی اتنا ہی ٹھنڈا ہوتا جاتا۔ اور آپ یہ جان جاتے کہ آپ بیچ بیچ سمندر میں ہیں۔ چانچہ اگر سمندر میں تیرتے تیرتے ٹھنڈ لگنے لگے تو آپ کو صرف یہ کرنا پڑتا کہ جلدی سے تیر کر گرم چشمے کی طرف چلے جائیں اور گردن تک گرم پانی میں نہالیں! ایسا ہی محسوس ہوتا جیسے آپ گھر پر نہا رہے ہوں اور یہ بڑا ہی عجیب سا بھی لگتا۔ عجیب منظر تھا۔ تیرنے والی ٹوپیاں پہنے ہوئے بچے تو عام طور پر سمندر میں تیر رہے تھے لیکن جو بچے گرم چشمے میں تھے وہ ایک گھیرے میں پانی کے اندر بڑے آرام سے گپ شپ کر رہے تھے جیسے کسی حمام میں ہوں۔ کوئی دیکھتا تو یہی سوچتا ”خوب بھئی! چوٹے چھوٹے بچے بھی تو گرم پانی کے چشمے میں پہنچ کر بالکل ویسا ہی کرتے ہیں جیسا بڑے بوڑھے“۔

ان دنوں سمندر کے کنارے بہت کم لوگ آ رہے تھے اور وہاں ایسا سناٹا تھا جیسے وہ ان لوگوں کا اپنا نجی بیچ ہو اور بچوں نے گرم چشمے کے اس سمندر میں نہانے کا بیحد ہی لطف اٹھایا۔ شام کو بہت دیر تک پانی میں رہنے کے بعد وہ لوگ گھر لوٹے تو ان کی انگلیاں جھریوں سے بھر گئی تھیں۔

روزانہ رات کو جب بچوں کو سلا کر رضائیاں ان کے تین طرف سے دبا دی جاتیں تو وہ باری باری بھولوں کی کہانیاں سناتے۔ توت توچان اور پہلے درجے کے دوسرے بچے اتنے خوفزدہ ہو جاتے کہ رونے لگتے لیکن آنسو بہاتے بہاتے بھی یہی پوچھتے ”کہ پھر کیا ہوا؟“ اسکول کے اندر کیمپنگ اور بہادری کے امتحان سے الگ توئی اِسپاس گزارے تین دنوں میں بچوں کو اصلی زندگی کا تجربہ حاصل ہوا۔ مثلاً انہیں باری باری رات کے کھانے کے لئے

سبزیاں اور مچھلی خریدنے بھیجا گیا اور جب اجنبی لوگ سوال کرتے کہ وہ کس اسکول میں پڑھتے ہیں یا کہاں سے آئے ہیں تو بچوں کو بڑے ادب سے جواب دینا پڑتا تھا۔ کئی بچے تو جنگل میں کھوتے کھوتے بچے اور کچھ تیرتے ہوئے اتنی دور نکل گئے کہ خود واپس ہی نہ آپائے اور سب کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی۔ کئی دوسروں نے ساحل کے کنارے ریت پر پڑے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں سے اپنے پیر لہولہان کر لئے۔ ہر موقعہ پر سبھی نے بہت امداد دی۔

لیکن زیادہ تر تو وہاں مزہ ہی مزہ تھا۔ وہاں ایک جنگل جھینگروں سے بھرا ہوا تھا اور ایک دوکان تھی جہاں مکا کے بھنے پھول ملتے تھے۔ اور ایک دن سمندر کے ساحل پر انہیں ایک آدمی ملا جو خود بالکل اکیلے لکڑی کی ایک بڑی ناؤ بنا رہا تھا۔ ناؤ کی شکل بن چکی تھی۔ بچے روز صبح سب سے پہلے بھاگ کر ساحل پر جاتے یہ دیکھنے کہ اُس آدمی نے اور کتنا بنالیا۔ اُس آدمی نے توت تو چان کو لکڑی کی ایک بڑی لمبی سی چھیلن دی جو گھنگرالے بالوں جیسی تھی۔

جس دن بچے وہاں سے رخصت ہونے والے تھے اس دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "ایک یادگار تصویر کے بارے میں تم لوگوں کو کیا خیال ہے؟" اس سے پہلے ان لوگوں کی کبھی کوئی تصویر اکٹھا نہیں کھنچی تھی۔ سبھی بچے اس بات سے بڑے خوش ہو گئے۔ اب ٹیچر تصویر کھینچنے چلے۔ جوں ہی انہوں نے کیمرہ ٹھیک ٹھاک کیا کہ کوئی پاخانے گیا ہے تو کسی نے جوتے الٹے پہن رکھے ہیں اور اسے ٹھیک کر رہا ہے "جب ٹیچر نے کہا اچھا تو آپ سب لوگ تیار ہیں؟" تو اس وقت دو بچے زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ بڑی دیر سے پوز دیتے دیتے وہ تھک چکے تھے اس تصویر کے کھینچنے میں خاصی دیر لگ گئی۔

لیکن وہ تصویر جس کے پس منظر میں سمندر تھا اور جس میں ہر بچہ اپنے خیال اور اپنی مرضی کے مطابق کھڑا یا بیٹھا تھا، ہر ایک کے لئے ایک بڑا قیمتی خزانہ بن گئی۔ اس پر ایک نظر پڑتے ہی سالوں پرانی یادیں بجلی کی سی تیزی سے لوٹ آتیں۔ سمندری جہاز کا سفر، گرم پانی کا چشمہ، بھوتوں کی کہانیاں اور "اُف" کہنے والا لڑکا۔ توت تو چان تو گرمی کی وہ پہلی چھٹی، جو اتنی خوشگوار تھی کبھی نہیں بھولی۔

یور تھمکس

گرمی کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو دوراسمسٹر شروع ہو گیا کیونکہ جاپان میں اسکولی سال اپریل سے

شروع ہوتا ہے۔ توت تو چان کی دوستی اپنی کلاس کے بچوں کے علاوہ دوسرے درجوں کے سبھی لڑکے لڑکیوں سے بھی ہو گئی تھی کیونکہ گرمی کی چھٹیوں میں کئی بار سب بچے مختلف موقعوں پر اکھٹے ہوئے تھے۔ اس لئے تو موئے گاؤکن اب اُسے اور بھی اچھا لگنے لگا تھا۔

علاوہ اس کے کہ تو موئے میں کلاسوں کا طریقہ دوسرے عام اسکولوں سے مختلف تھا، یہاں سنگیت یعنی گانے بجانے پر زیادہ وقت صرف کیا جاتا تھا۔ موسیقی کے سبق بھی طرح طرح سے ہوا کرتے تھے۔ ہر دن ایک کلاس ہوتی تھی جسے یور تھمکس کی کلاس کہتے تھے اور یہ تھی لے اور تال پہچاننے والوں کی کلاس۔ سوئزرلینڈ کے موسیقی کے ایک استاد اور کمپوزر ایمل جیکس ڈِلکروز نے تال کی مشق کا ایک خاص طریقہ ڈھونڈ نکالا جو کہ نیا تھا لوگوں کو اسکا علم ۱۹۰۴ء میں ہوا۔ جلدی ہی سارے یوروپ اور امریکہ میں یہ طریقہ اپنا لیا گیا اور جگہ جگہ تیزی سے اسکے تربیتی اور تحقیقی ادارے کھل گئے۔

تو موئے میں ڈِیل کروز کی یور تھمکس کیسے استعمال ہوئی اسکی بھی ایک کہانی ہے۔

تو موئے گا کو شروع کرنے سے پہلے ہیڈ ماسٹر گوبایاشی یہ دیکھنے یوروپ گئے کہ بدیشی ملکوں میں بچوں کو تعلیم کیسے دی جاتی ہے۔ انہوں نے بہت سے ابتدائی اسکولوں کا دورہ کیا اور وہاں کے ماہرینِ تعلیم سے بات چیت کی۔ پیرس میں ان کی ملاقات ڈِیل کروز سے ہوئی جو کہ ایک بہترین سنگیت کار اور ساتھ ہی تعلیم داں بھی تھے۔

ڈِیل کروز نے ایک لمبے عرصے تک اس بات پر غور کیا تھا کہ کس طرح بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ وہ صرف کانوں سے ہی نہ سنیں بلکہ موسیقی کو اپنے دل و دماغ میں محسوس بھی کریں۔ وہ موسیقی کو حرکت کرنے والی چیز سمجھیں اور اُسے محض ایک بے حس اور بے جان شے نہ تصور کریں۔ انہوں نے غور کیا اس سب کیلئے بچوں کی حس کو کیسے جگایا جاسکتا ہے؟

وہ دیکھا کرتے تھے کہ بچے کس طرح اچھلتے کودتے ہیں اور پیروں کو پٹک کر دھم دھم کرتے ہیں، یہی دیکھ کر اچانک انہیں تال کے ساتھ طرح طرح کی ورزش بنانے کا خیال آیا۔ اس ورزش کو انہوں نے یور تھمکس کا نام دیا۔

گوبایاشی نے پیرس میں ایک سال سے زیادہ عرصے تک ڈِیل کروز اسکول میں تعلیم حاصل کی اور اس طریقے کو بڑی اچھی طرح سے سیکھ لیا۔

بہت سے جاپانی ڈیل کروز سے بیحد متاثر تھے جیسے سنگیت کار کوس کاک یماؤ جاپان میں جدید رقص کے بانی (شروع کرنے والے) بکواشی کیو کی کے اداکار اچی کاوا سوان جی دوئم، جدید ڈرامے کے بانی کاؤر واو سان نائی، اور رقاصہ مچی اوای توان سب لوگوں کا یہی خیال تھا کہ آرٹ کی تعلیم کے لئے ڈل کروز کی تعلیمات بُنیادی تھیں۔ لیکن سوسا کو یاباشی پہلے شخص تھے جو ابتدائی تعلیم کے وقت اس طریقے کو کام میں لائے۔

اگر آپ ان سے پوچھتے کہ یہ یوریتھمکس ہے کیابلا تو وہ جواب دیتے، "یہ ایک ایسا کھیل ہے جو جسم اور ذہن کو تال سر کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے یوریتھمکس کی مشق سے شخصیت بھی بڑی سر تال والی بنتی ہے۔ اور ایسی شخصیت بڑی خوبصورت اور مضبوط ہوتی ہے جو قدرت کے قوانین کو مانے اور ان پر عمل کرے"۔

توت توچان کی کلاس کا سبق جسم کو سُر تال کی تربیت دینے سے شروع ہوا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اسمبلی ہال کے چھوٹے بینچ پر پیانو بجاتے اور بچے جہاں بھی کھڑے ہوتے موسیقی کی آواز پر صحیح وقت سے چلنا شروع کر دیتے۔ وہ جیسے چاہتے چلتے بس یہ اچھا نہیں ہوتا تھا اگر وہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو پھر ہوتا یہی تھا کہ وہ ایک ہی چکر میں چلتے رہتے۔ اگر انہیں لگتا کہ موسیقی دو تال کی ہے تو وہ اپنے بازوؤں کو اوپر نیچے ہلاتے جاتے ایک کنڈکٹر کی طرح جہاں تک پیروں کا سوال ہے بچوں کو پیر پٹک کر نہیں چلنا ہوتا تھا لیکن یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے پنجوں کے بل چلیں جیسا کہ بیلے رقص میں کرتے ہیں۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ خوب آرام سے چلیں جیسے پنجے گھسیٹ رہے ہوں سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ قدرتی طور پر چلنا۔ لہٰذا بچے جس طرح چلنے کو ٹھیک خیال کرتے چل سکتے تھے۔ اگر لگتا کہ موسیقی تین تال میں بدل گئی ہے تو وہ اپنے بازو اسی حساب سے ہلاتے اور چال کو موسیقی کی رفتار کے مطابق کر لیتے، یا تو تیزی سے چلتے یا آہستہ جیسی بھی ضرورت ہوتی کرتے۔ انہیں سیکھنا پڑتا تھا کہ تال کے ساتھ کیسے بازوؤں کو اوپر نیچے کرتے ہیں۔ چار تال تک تو خاصا آسان تھا۔ انہیں چھ تال تک بازوؤں کو اوپر نیچے، دونوں طرف اور پھر آگے کرنا سیکھنا پڑتا تھا۔

"نیچے، چاروں طرف، دونوں طرف، اور پھر اوپر" لیکن پانچ تال ہوتا تو کہتے "نیچے چاروں طرف۔" سامنے کی طرف، دونوں طرف اور اوپر اور اگر چھ تال ہو تو بازو اس

طرح اُٹھتے نیچے، چاروں طرف، سامنے کی طرف، ایک بار پھر چاروں طرف، دونوں طرف اور اوپر۔" چنانچہ جب تال بدلنے لگتی تو کافی مشکل پڑتی اور سب سے زیادہ مشکل تو جب پڑتی جب ہیڈ ماسٹر صاحب پکارتے: "بچو اگر میں پیانو پر اپنی رفتار بدل بھی دوں تو تم لوگ اس وقت تک کچھ نہ بدلنا جب تک میں نہ کہوں"۔

سمجھیے کہ بچے دو تال کی موسیقی پر چل رہے ہیں۔ موسیقی بدل کر تین تال کی ہو جاتی ہے تو بچوں کو تین تال کی موسیقی دھیان سے سنتے ہوئے دو تال پر ہی چلتے رہنا ہوگا۔ یہ بڑا مشکل کام تھا، لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ ایسا کرنے سے بچوں میں دھیان دینے کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کو بڑھاوا ملتا ہے۔

آخر وہ چلا کر کہتے، "اب تم بدل سکتے ہو"۔

بچے اطمینان کا سانس لے کر فوراً تین تال پر چلنے لگتے لیکن یہی وہ وقت ہوتا تھا کہ جب انہیں خاص طور پر چوکس رہنا پڑتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ جب تک وہ ذہنی طور پر دو تال چھوڑ کر تین تال پر چلنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں، موسیقی اچانک بدل کر پانچ تال کی ہو جائے! پہلے تو ان کے بازو اور پیر ہر جگہ نظر آتے اور آوازیں سنائی دیتیں، "ابھی نہیں ٹیچر انتظار کیجئے۔" لیکن مشق کے بعد بچوں کی یہ حرکات بہت اچھی لگنے لگتیں اور وہ نئے نئے طریقوں سے ہاتھ پیر ہلاتے اور اس میں مزا لیتے۔

عام طور پر تو ہر بچہ انفرادی طور پر ہی چلتا تھا لیکن اکثر ایک جوڑا مل کر چلنے کا فیصلہ کرتا۔ جب دو تال کا وقت ہوتا تو وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے یا اپنی آنکھیں بند کرکے چلنے لگتے۔ صرف ایک ہی بات منع تھی اور وہ تھی آپس میں باتیں کرنا۔

اکثر جب والدین اور ٹیچروں کی میٹنگ ہوتی تو مائیں آکر کھڑکیوں سے جھانکا کرتیں۔ بچوں کو موسیقی کی تال پر چلتے دیکھنا بہت ہی پیارا لگتا تھا۔ ہر بچہ بڑی آسانی سے موسیقی کی تان کے عین مطابق پیر ہاتھ ہلاتا ہوا اور خوشی سے اِدھر اُدھر اُچھلتا کودتا نظر آتا۔

اس طرح یوریتھمکس کا پہلا مقصد تو تھا جسم و ذہن دونوں میں تال کا احساس پیدا کرنا، پھر اس کے ذریعے، جسم اور روح میں ہم آہنگی لانا اور آخر کار تخیل پرواز کو بیدار کرنا، اور قوتِ تخلیق کو بڑھاوا دینا۔

جب توت توچان سب سے پہلی بار اسکول آئی تھی تو اُس نے پھاٹک پر اسکول کا نام دیکھ کر پوچھا تھا کہ "توموئے کا کیا مطلب ہے اماں؟"

توموئے قدیم زمانے کی کلا کی ایک شکل کی ایک علامت ہے اور ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک سفید اور ایک کالے رنگ کے گولے کی شکل میں لکھے انہیں دو قدیم علامتوں کو اپنے اسکول تسان (کی علامت) بنالیا گیا تھا۔ یہ دو علامتیں متحد ہو کر مکمل گولا بنادیتی تھیں۔

یہ علامت ان کے اس مقصد کی نشاندہی کرتی تھی کہ جسم اور ذہن دونوں برابر سے ترقی کریں اور ہم آہنگ رہیں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکول کے نصاب میں یورتھمکس کو اس لئے شامل کیا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے اچھے نتیجے نکلیں گے اور بڑوں کی بہت زیادہ مداخلت کے بنا بچوں کے کردار کی قدرتی نشو نما میں مدد ملے گی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب مصر کے تعلیمی، نظام کو ناپسند کرتے تھے جس میں تحریری باتوں پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

میں صرف یہی چاہتی ہوں

یہ پہلا موقعہ تھا کہ توت توچان کسی میلے میں گئی تھی۔ اُس کے پرانے اسکول کے نزدیک سن زو کی تال کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ وہاں ہی حسن کی دیوی بن تن کا مندر تھا۔ سالانہ میلے کی رات کو جب وہ ابا اماں کے ساتھ دھیمی روشنی والی سڑک پر جارہی تھی تو میلے کے پاس پہنچتے ہی اچانک رات، روشنیوں کی چکا چوند سے جگمگا اُٹھی۔ توت توچان چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ عجب عجب سی آوازیں آرہی تھیں کہیں سے تلنے کی تو کہیں سے بھوننے کی۔ سارا میلہ طرح طرح کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ ہر چیز نئی اور عجیب و غریب!

وہاں سے کھلونے کے تھے جنہیں گڑ گڑاؤ تو پر منٹ کا دھواں گلے میں پہنچتا۔ اُن پر کتے بلیوں کی تصویریں بنی تھیں۔ وہاں چوسنے والی مٹھائی کی گولیاں اور بُڑھیا کے کاتے بھی تھے (چینی کے بنے باریک باریک تاروں کے گولے جو لکڑی لگے رہتے ہیں) بانس کی بنی بندوقیں تھیں جن کے اندر ایک خاص قسم کی گھاس ڈالنے سے 'دھائیں' کی زوردار آواز ہوتی تھی۔

سڑک کے کنارے کھڑا ایک آدمی تلواریں نگل رہا تھا اور شیشہ چبا رہا تھا۔ ایک آدمی ایسا پوڈر بیچ رہا تھا جسے اگر پیالے کے کنارے رگڑ دیا جائے تو گونج سی سنائی دیتی تھی۔

وہاں ایسی جادوئی انگوٹھیاں بھی مل رہی تھیں۔ تصویریں تھیں جنہیں سورج کی روشنی دکھاؤ تب نظر آتیں۔ کاغذ کے ایسے پھول تھے جو پانی کے گلاس میں ڈالنے پر کھل اُٹھتے۔ توت توچان ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں کہ اچانک وہ رک گئی۔

"ارے دیکھئے!" وہ چلائی۔ اُس نے ایک ٹوکری دیکھ لی تھی جو مُرغی کے پیلے پیلے چوزوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ چوں چوں کر رہے تھے۔

"مجھے ایک چاہیے! اس نے اپنے ماں باپ کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "میرے لئے ایک خرید دیجئے۔"

مرغی کے سارے چوزوں نے اپنا سر توت توچان کی طرف موڑ لیا اور ننھے ننھے سروں کو اٹھا کر اُسے دیکھنے لگے۔ انہوں نے اپنا بدن ہلانا اور زور زور سے چوں چوں کرنا شروع

کر دیا۔

توت تو چان نے سوچا کتنے پیارے پیارے ہیں یہ! اُس نے ساری زندگی ایسی پیاری چیز کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ چوزوں کے نزدیک ہی جھک کر بیٹھ گئی۔

اس نے اماں ابّا کی طرف دیکھتے ہوئے خوشامد سے کہا۔ "مہربانی کر کے لے دیجئے نہ لیکن وہ حیران رہ گئی کہ اس کے ماں باپ نے جلدی سے اُسے کھینچ کر الگ کر لینے کی کوشش کی۔ "لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ میرے لئے کچھ خرید دیں گے۔ اور مجھے تو بس یہی چاہیے"۔

"نہیں میری پیاری بیٹی!" ماں نے آہستہ سے کہا، "یہ چوزے تو بہت جلدی مر جائیں گے!" "آخر کیوں؟" توت تو چان نے پوچھا اور بس رونے ہی والی تھی کہ ابّا نے اُسے ایک طرف کھینچ لیا اور دو کان دار کچھ سن نہ سکا۔ انہوں نے سمجھانا چاہا۔ تو تسکی ابھی تو وہ بہت پیارے ہیں لیکن بے حد کمزور ہیں وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ اور جب چوزہ مر جائے گا تو تم روؤ گی۔ اسی لئے ہم لوگ تمہیں نہیں خریدنے دے رہے ہیں"۔

لیکن توت تو چان کا دل تو چوزے میں ہی لگا تھا اور وہ کچھ سننا نہیں چاہتی تھی بولی، "میں اسے مرنے نہیں دوں گی اس کی خوب اچھی دیکھ بھال کروں گی۔"

ابّا اماں توت تو چان کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ٹوکری سے دور لے گئے لیکن وہ چوزوں کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ چوزے بھی بڑی چاہت سے اُسے دیکھ رہے تھے اور زیادہ زور زور سے چوں چوں کر رہے تھے۔ توت تو چان نے طے کر لیا تھا کہ اگر کچھ چاہیے تو بس وہ ایک چوزہ ہی تھا۔ اُس نے ماں باپ کی بڑی منّتیں کیں، "مہربانی سے ایک خرید دیجئے میرے لئے۔"

ماں باپ اپنے بات پر اڑے رہے۔

ہم نہیں چاہتے کہ تم ایک چوزہ خرید و کیونکہ اس سے یہی ہو گا کہ تم کو بعد میں رونا پڑے گا۔ توت تو چان نے رونا شروع کر دیا تھا اور گھر لوٹتے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی اس کے دونوں گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ جب وہ لوگ اندھیری سڑک پر پہنچے تو اُس نے بُری طرح سسکیاں بھرتے ہوئے کہا، "میں نے ـــــ میں نے زندگی میں کبھی کسی چیز کی اتنی خواہش نہیں کی تھی۔ اب میں کبھی آپ لوگوں سے کوئی چیز خریدنے کو نہیں کہوں گی۔ بس

مہربانی سے ان میں سے میرے لئے ایک چوزہ خرید دیجئے۔"

آخر اماں کو اس کی بات ماننا پڑی۔

ایسا لگا جیسے لمبی برسات کے بعد سورج پھر سے چمکا ہو۔ توت تو چان ننھے ننھے چوزے ایک ڈبّے میں لئے مسکراہٹ بکھیرتی گھر جا رہی تھی۔

دوسرے دن ماں نے بڑھئی بلوا کر ایک خاص قسم کا بکس بنوایا جس میں بجلی کا بلب بھی لگایا جا سکتا تھا تاکہ چوزوں کو گرم رکھا جا سکے۔ چھوٹے چھوٹے پیلے پیلے مُرغی کے بچے بڑے ہی پیارے لگ رہے تھے لیکن افسوس کہ ان میں سے ایک نے ہلنا جلنا بند کر دیا۔ پانچویں دن دوسرا بھی چپ چاپ پڑا تھا۔ توت تو چان نے انہیں تھپکی دی اور پکارا لیکن انہوں نے ایک بار بھی چوں چوں نہ کیا۔ وہ انتظار کرتی رہی لیکن چوزوں نے دوبارہ آنکھیں نہ کھولیں۔ اماں ابّا نے جیسا کہا تھا یہ بالکل ویسا ہی تھا۔ بری طرح روتے اور بلکتے ہوئے اُس نے باغ میں گڑھا کھود کر دونوں ننھے ننھے چوزوں کو اس میں دفن کر دیا۔ توت تو چان نے اس جگہ پر ایک چھوٹا سا پھول لا کر رکھ دیا۔ جس بکس میں چوزے رہتے تھے اب بہت بڑا اور خالی لگ رہا تھا۔ بکس کے ایک کونے میں چھوٹے سے پیلے پر کو دیکھتے ہی توت تو چان کو یاد آیا کہ جب اُس نے میلے میں ننھے چوزوں کو دیکھا تھا تو وہ کیسے چوں چوں کر رہے تھے۔ اُس نے دانت بھینچ لیے اور خاموشی سے بنا آواز نکالے روتی رہی۔

اُس نے اپنی زندگی میں کسی بھی چیز کو پانے کی اتنی زبردست خواہش کبھی نہیں کی تھی اور اب وہ اتنی جلدی ان سے جدا ہو گئی تھی۔ نقصان اور جدائی کا اُس کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

سب سے زیادہ خراب کپڑے

ہیڈ ماسٹر صاحب ہم سب سے کہا کرتے تھے کہ بچوں کو تموئے کے اسکول میں سب سے پرانے اور خراب کپڑے پہنا کر بھیجا کریں۔ وہ ایسا اس لئے چاہتے تھے کہ بچوں کے کپڑے میلے ہو جائیں تو کوئی زیادہ حرج نہ ہو۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر بچوں کو کپڑے میلے کرنے پر ڈانٹ پڑنے کا ڈر ہو یا وہ کسی کھیل میں اس وجہ سے حصّہ نہ لیں کہ اُن کے کپڑے پھٹ سکتے ہیں تو یہ ان کے لئے بڑی شرمندگی کی بات ہوتی ہے۔ تو موئے کے نزدیک ہی دوسرے ابتدائی

اسکول تھے جہاں لڑکیاں سمندری بیڑے والوں جیسی پوشاک اور لڑکے اونچے گلے کے جیکٹ اور نیکر پہنا کرتے تھے۔ تو موئے کے بچے اپنے معمولی کپڑے پہن کر اسکول آتے اور ان کے ٹیچر اس کی اجازت دیتے کہ وہ کپڑوں کی فکر کئے بغیر جی بھر کر کھیلیں۔

ان دنوں جس کپڑے کے پتلون سلا کرتے تھے وہ اتنے پائیدار نہیں ہوتے تھے جیسے کہ آج کل جینز کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تقریباً ہر بچے کے پتلون پر کسی نہ کسی دوسرے کپڑے کا پیوند لگا رہتا تھا۔ لڑکیاں خوب مضبوط کپڑوں کے اسکرٹ بلاؤز یا فراک پہنا کرتی تھیں۔

توت توچان کو دوسرے لوگوں کے باغ یا خالی زمینوں کے چاروں طرف لگی تار کی باڑھوں کے نیچے سے سَرک کر جانا بڑا اچھا لگتا تھا چنانچہ اپنے کپڑوں کے بارے میں فکر نہ کرنے کی بات اُسے بہت ٹھیک لگتی۔ اُن دنوں تار کی باڑھ لگانے کا بڑا رواج تھا اور اکثر تو یہ تار زمین کی سطح سے بہت قریب ہوتے تھے اُن کے نیچے سے دوسری طرف جانے کے لئے کتے کی طرح کھود کر جگہ بنانا پڑتا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی بچنا چاہے توت توچان کے کپڑے ضرور باڑھ کی کٹیلی تار میں پھنس کر پھٹ جایا کرتے تھے۔ ایک بار اُسکی ململ کی فراک جو بے حد باریک کپڑے کی تھی کانٹے دار تار میں ایسا پھنسی کہ پوری ہی اوپر سے نیچے تک تار تار ہوگئی۔

اگرچہ فراک پرانی ہو گئی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ ماں کو وہ بیحد پسند تھی۔ اب توت توچان نے دماغ پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ ماں سے کہے گی کیا۔ اُس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ انہیں یہ بتائے کہ کٹیلے تاروں والی باڑھ میں پھنسا کر اُس نے فراک پھاڑی ہے۔ اُس نے سوچا کہ بہتر ہو گا وہ ایسی کوئی جھوٹ بات بتائے جس سے لگے کہ فراک تو پھٹنی ہی تھی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر کار اس کو یہ کہانی سوجھی:

گھر پہنچ کر اس نے جھوٹ بولا، "جب میں سڑک پر چل رہی تھی تو بہت سے بچوں نے جنہیں میں پہچانتی نہیں تھی میری پیٹھ پر چاقو پھینکے جس سے میری فراک اس بری طرح پھٹ گئی ہے"۔ لیکن جب وہ یہ سب کہہ رہی تھی تو وہ سوچ میں تھی کہ اگر اماں کچھ اور پوچھ دیں تو میں کیا کہوں گی؟ شکر ہے ماں نے صرف اتنا ہی کہا۔ "ارے یہ تو بہت ہی تکلیف دہ رہا ہو گا تمہارے لئے۔"

توت توچان نے اطمینان کا سانس لیا۔ ظاہر ہے ماں کو لگا کہ ایسی صورتِ حال میں تو وہ ماں کے پسندیدہ لباس کو بچانے سے مجبور ہو گئی۔

قدرتی بات یہ ہے کہ ماں کو چاقوؤں کی اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ پیٹھ پر پھینکے گئے چاقوؤں سے تو فراک پھٹنے کے ساتھ ساتھ وہ زخمی بھی تو ہوئی ہوتی! اور اس حادثے سے توت توچان بالکل ڈری ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماں سمجھ گئیں کہ یہ من گھڑت کہانی تھی۔ کوئی بہانہ بنانے میں اس حد تک چلا جانا توت توچان کے لئے ایک غیر معمولی بات تھی۔ ماں کو احساس ہوا کہ اُسے فراک پھٹنے کا بہت افسوس ہوا ہے تب ہی اُسے کہانی بنانی پڑی ہے۔ لیکن اس پر وہ کچھ خوش بھی ہوئی۔ انھیں بہت دنوں سے ایک بات جاننے کی خواہش تھی اور اس کا پتہ لگانے کے لئے ایک اچھا موقع ہاتھ آیا تھا۔

انہوں نے کہا، "ہاں میں دیکھ رہی ہوں کہ چاقوؤں سے تمہارے فراک کس طرح پھٹ جاتے ہیں لیکن یہ ہر روز تم اپنی جانگھیہ کیسے پھاڑ لاتی ہو؟" ماں سمجھ ہی نہیں پاتی تھیں کہ توت توچان کی بیلیں لگی جانگھیہ کیسے کنارے سے روز روز پھٹ جایا کرتی تھی۔ وہ یہ تو سمجھتی تھیں کہ جانگھیہ میں کیچڑ کیسے لگ جاتا ہے اور بار بار سلائڈر پر پھسلنے یا بار بار گر پڑنے سے کیسے وہ گھس کر پتلی ہو جاتی ہے لیکن وہ پھٹ کر تار تار کیسے ہو جاتی ہے یہ بات سمجھ سے باہر تھی۔

اس کے بارے میں توت توچان تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر بولی، "دیکھئے نا جب آپ کسی باڑھ کے نیچے سے جھک کر نکل رہی ہوں تو آپ اپنی اسکرٹ یا جانگھیہ کانٹے میں پھنسائے بنا رہ ہی نہیں سکتیں۔ اور پھر واپس پلٹتے جانگھیہ تو پھٹے گا ہی۔ اور پھر آپ کو کہنا ہوتا ہے کہ "معاف کیجئے گا کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" اور یہ بھی تو کہنا پڑتا ہے "اچھا تو خدا حافظ!" یہ بات باڑھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہتی ہیں تو آپ کی جانگھیہ اور آپ کا فراک تو پھٹے گا ہی۔"

ماں واقعی کچھ نہ سمجھ پائیں۔ سب کچھ بڑا مضحکہ خیز لگا، انہوں نے پوچھا "کیا یہ سب کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے؟"

"آپ اس کی کوشش کر کے کیوں نہیں دیکھتیں؟"

"بڑا ہی مزہ آتا ہے۔ اور آپ بھی اپنا جانگھیہ ضرور پھاڑ لیں گی۔" جو کھیل توت توچان کو اس قدر پسند تھا اور جو اسے جذبات سے اتنا پُر لگتا تھا وہ خود یوں تھا:

پہلے آپ کو ایک بڑی سی خالی جگہ ڈھونڈنی پڑے گی جس کے چاروں طرف کانٹے دار تاروں کی باڑھ لگی ہو، "معاف کیجئے گا کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" اس جملے کا مطلب تھا کانٹے دار باڑھ کے نچلے تار کو اُٹھا کر ایک چھوٹا سا گڑھا بنانا اور اس میں سے پیٹ کے بل گذر کر دوسری طرف چلے جانا۔ ایک مرتبہ اندر پہنچ کر آپ پھر ایک دوسرا گڑھا کھودیں گے، کانٹے دار تار اوپر اُٹھائیں گے اور اس بار یہ کہتے ہوئے پیچھے پلٹیں گے کہ "اچھا تو پھر اب خدا حافظ۔" ماں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ توت توچان کی اسکرٹ کس طرح پیچھے پلٹتے ہوئے اوپر اُٹھ گئی ہو گی اور جانگھیہ کانٹے دار تاروں میں الجھ کر پھٹ گیا ہو گا۔

یہی بات بار بار دہرائی جاتی۔ زمین کھود کر گڑھا بنانا، معاف کیجئے گا کیا میں اندر آسکتی ہوں کہنا، اور پھر تاروں کے نیچے ایک نئے کھودے گئے گڑھے میں سے رینگ کر یہ کہتے ہوئے پلٹنا کہ اچھا تو خدا حافظ۔" اور ہر مرتبہ اسکرٹ اور جانگھیہ پھاڑ لینا۔ توت توچان تاروں کی باڑھ کے نیچے سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگے پیچھے ہوتی رہتی۔ اب اگر روز ہی اسکا جانگھیہ پھٹ جاتا تھا تو اس میں اس قدر تعجب کی کیا بات ہے؟ ذرا سوچیے ایک ایسا کھیل جو کسی بڑی عمر کے آدمی کو محض تھکا ہی دے گا اور بالکل دلچسپ نہیں ہو گا، ایک بچے کے لئے کس قدر دلچسپ ہو سکتا ہے۔

ماں توت توچان کے بالوں ناخنوں اور یہاں تک کہ کان میں بھی کیچڑ مٹی لگا دیکھ کر تھوڑا شک کئے بنا نہ رہ سکیں۔ اُن کے دل میں ہیڈ ماسٹر صاحب کی عزت اور بھی بڑھ گئی۔ ان کی یہ تجویز کہ بچے ایسا کپڑا پہن کر آئیں جسے وہ جتنا چاہیں گندہ کر سکیں اس بات کی ایک دوسری مثال تھی کہ وہ بچوں کو کتنی اچھی طرح سمجھتے اور جانتے تھے۔

تاکاہاشی

ایک صبح سارے بچے اسکول کے میدان میں بھاگ دوڑ رہے تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے آ کر کہا۔ "یہ تمہارا نیا دوست ہے۔ اسکا نام ہے تاکاہاشی، یہ بھی پہلے درجے والے ریل کے ڈبے

میں پڑھے گا۔" توت توچان اور سبھی بچوں نے تاکاہاشی کو دیکھا اس نے اپنی ٹوپی اتاری، سر کو جھکایا، اور کچھ شرماتے ہوئے کہا، "کیسے مزاج ہیں؟" پہلے درجے میں ہونے کی وجہ سے توت توچان اور اس کے کلاس کے سبھی ساتھی ابھی چھوٹے چھوٹے ہی تھے لیکن تاکاہاشی لڑکا ہونے کے باوجود اُن سے بھی بہت چھوٹا تھا۔ اُس کے بازو اور ٹانگیں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ جس ہاتھ میں اُس نے ٹوپی پکڑی تھی وہ بھی چھوٹا سا تھا بس کندھے ذرا چوڑے تھے۔ وہ کچھ اداس کھڑا تھا۔

"چلو ذرا اس سے باتیں کرتے ہیں۔" توت توچان نے میو چان اور سکو چان سے کہا۔ وہ سب تاکاہاشی کے پاس گئے جب وہ اسکے قریب پہنچے تو وہ مُسکرا پڑا، بچے بھی مُسکرائے۔ تاکاہاشی کی آنکھیں بڑی بڑی اور گول تھیں، لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"کیا تم ریل ڈبے والی اپنی کلاس دیکھنا چاہتے ہو؟" توت توچان نے پوچھا۔

"ہوں!" اُس نے اپنی ٹوپی پہنتے ہوئے کہا۔

توت توچان کو اسے ریل کا ڈبہ دکھانے کی بڑی جلدی تھی۔ اور وہ دوڑ کر ڈبے کی طرف چلی گئی۔ وہاں ریل ڈبے کے دروازے پر سے اس نے آواز لگائی۔ "جلدی سے آؤنا۔"

تاکاہاشی تیز تو چل رہا تھا لیکن تب بھی دور ہی تھا، "میں آرہا ہوں۔" اس نے دوڑنے کی کوشش میں پیر کو لڑھکاتے ہوئے جواب دیا۔

توت توچان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ حالانکہ تاکاہاشی یاسوا کی چان کی طرح جس کو پولیو ہو چکا تھا، پیر کو گھسیٹ کر تو نہیں چل رہا ہے مگر اُسے ریل ڈبے تک پہنچنے میں دیر اتنی ہی لگ رہی ہے۔ وہ خاموش کھڑی اُس کا انتظار کرتی رہی۔ تاکاہاشی جتنا ممکن تھا تیز چل رہا تھا اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ "جلدی کرو،" کیونکہ وہ خود ہی جلدی کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی چھوٹی اور کچھ مڑی ہوئی تھیں۔ ٹیچروں کو پتہ تھا کہ اُس کا بڑھنا رک گیا ہے۔ جب اُس نے توت توچان کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو وہ اور تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کے دونوں بازو اس کوشش میں زور زور سے ہل رہے تھے اور جب وہ ریل کے دروازے پر پہنچا تو اُس نے کہا تم تو خوب تیز دوڑتی ہو، پھر بولا "میں اوساکا سے آیا ہوں۔"

"اوساکا؟" توت توچان نے جوشیلی آواز میں کہا۔

اوساکا اسکے خوابوں کا شہر تھا جو اُس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ماں کے چھوٹے بھائی یعنی ماموجان جو وہاں یونیورسٹی میں پڑھتے تھے جب کبھی گھر آتے اُس کا سر اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اُسے اونچا اٹھا دیتے اور کہتے، "اچھا چلو میں تم کو اوساکا دکھاتا ہوں کیا دکھائی دیتا ہے۔ اوساکا؟"

یہ تو خیر ایک کھیل تھا جو بڑے بچوں کے ساتھ اکثر کھیلا کرتے تھے لیکن توت توچان تو ماموں کی بات کو سچ مان لیتی۔ اوپر اُٹھانے سے اس کی سر کی چمڑی زور سے کھنچتی، آنکھیں کھنچ کر عجیب سی ہو جاتیں، کان درد کرنے لگتا لیکن وہ تب بھی بڑے غور سے دور دیکھنے کی کوشش کرتی کہ اوساکا نظر آجائے۔ اُسے یقین تھا کہ ایک دن وہ ضرور اوساکا دیکھ لے گی چنانچہ جب بھی اس کے ماموں آتے وہ کہتی مجھے اوساکا دکھایئے ماموں اس طرح اوساکا اس کے خوابوں کا شہر بن گیا تھا اور تاکاہاشی اسی شہر سے آیا تھا!

مجھے اوساکا کے بارے میں بتاؤ نہ اس نے تاکاہاشی سے کہا، "اوساکا کے بارے میں؟ لڑکے نے خوشی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اُس کی آواز بہت صاف اور بڑوں جیسی تھی۔ اُسی وقت اسکول کا گھنٹہ بج گیا" ارے کتنے افسوس کی بات ہے!" توت توچان بولی۔

تاکاہاشی خوشی خوشی کلاس کے اندر گیا، چلتے ہوئے اسکا چھوٹا سا بدن جو بستے سے ڈھک گیا تھا، ادھر اُدھر ہل رہا تھا وہ جاکر سامنے کی قطار میں بیٹھ گیا۔ توت توچان بھی جلدی سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ اس بات سے بڑی خوش رہتی تھی کہ جہاں چاہو بیٹھ جاؤ وہ تاکاہاشی سے دور ہونا نہیں چاہتی تھی چنانچہ آگے چل کر وہ بھی اس کا ایک اچھا دوست بن گیا۔

کودنے سے پہلے دیکھ لو

ایک دن اسکول سے گھر جاتے ہوئے توت توچان کو گھر کے بالکل پاس ہی سڑک کے کنارے ایک بڑی ہی دل لبھانے والی چیز نظر آئی۔ وہ تھا ریت کا ایک بہت بڑا ڈھیر! سمندر سے اتنی دوری پر ریت کے ڈھیر کا مل جانا کتنی غیر معمولی بات تھی! کیا یہ خواب تو نہیں؟ توت توچان کا خوشی سے برا حال تھا، ایک چھوٹی سی جست لگانے کے بعد وہ تیزی سے ریت کے ڈھیر کی طرف دوڑی اور اُسکی چوٹی پر کود پڑی لیکن یہ ڈھیر دراصل ریت کا نہیں تھا۔ اس کے اندر تھا دیواروں پر لگایا جانے والا سلیٹی رنگ کا تیار پلاستر! وہ کودتے ہی گڑپ سے اندر ڈوب گئی۔ پھر

سینے تک کسی مورتی کی طرح گوند جیسے پلاستر سے پٹ گئی مع اپنے بستے اور جوتے کے تھیلے کے۔ وہ جتنا ہی باہر نکلنے کو شش کرتی اُس کے پیر اور پھسلتے، جوتا تو پیروں سے نکلا ہی جارہا تھا اور اُسے اس بات کا بڑا دھیان رکھنا پڑ رہا تھا کہ وہ پوری طرح پلاستر کے ڈھیر میں پھنس ہی نہ جائے۔ ہلے جلے بغیر بایاں پاؤں جس میں جوتے کا تھیلا تھا چپکنے والے پلاستر میں دھنسائے چپ چاپ کھڑے رہنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا۔ ایک دو عورتیں جنہیں وہ جانتی بھی نہ تھی پاس سے گذریں تو اُس نے انہیں دھیمی آواز میں پکارا اور کہا۔۔۔ لیکن وہ لوگ سمجھیں کہ بچی کھیل رہی ہے اور مسکراتی ہوئی اپنے راستے چلی گئیں۔

شام ہو رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اندھیرا ہونے لگا۔ ماں اُسے ڈھونڈنے گھر سے باہر نکلیں تو پلاستر کے ڈھیر میں سے توت توچان کا سر نکلا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ پھر جاکر کہیں سے وہ ایک بانس لائیں اور توت توچان سے اس کا ایک سرا پکڑنے کو کہا اور پر کھینچ کر اُسے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگیں۔ پہلے تو انہوں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن خود ان کا پیر پلاستر میں دھنسنے لگا تھا۔

توت توچان سرمئی رنگ کے پلاستر میں ایسی ڈھک گئی تھی جیسے کوئی دیوار۔

"میرا خیال ہے میں تم کو ایک بار پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ جب کوئی نئی چیز اور عجیب سی نظر آئے تو اس پر سیدھے کود مت پڑا کرو۔ کودنے سے پہلے دیکھا کرو!"

ماں جس "ایک بار پہلے" کا ذکر کر رہی تھیں وہ اسکول میں دن کے کھانے کا قصہ تھا۔ توت توچان اسمبلی ہال کے پیچھے پگڈنڈی پر ٹہل رہی تھی کہ اُسے بیچ راستے میں ایک اخبار رکھا ہوا نظر آیا اس نے سوچا اخبار پر کودنے میں بڑا مزہ آئے گا۔ بس وہ چند قدم پیچھے ہٹی اور ایک بار تھوڑا سا اچھلی اور پھر اخبار کے بالکل وسط کا نشانہ باندھ کر بڑی تیزی سے اُسکی طرف دوڑی اور اُس پر کود پڑی لیکن وہ اخبار وہاں دربان نے گندے پانی کے ایک گڑھے کو ڈھکنے کے لئے رکھا تھا۔ جسکا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، دربان کسی کام سے کہیں گیا تھا اور اُس نے اخبار اس خیال سے سوراخ کو ڈھکنے کے لئے رکھ دیا تھا کہ بدبو باہر نہ آئے۔ سیمنٹ کا ڈھکن اس وقت ہٹا ہوا تھا۔ بس توت توچان چھپاک سے گندے پانی میں جاگری۔ سچ بہت ہی برا ہوا تھا اُس روز۔ سخت محنت کے بعد توت توچان کو پھر سے صاف ستھری لڑکی بنایا جاسکا تھا۔ ماں

اُسی واقعہ کا ذکر کر رہی تھیں۔

"نہیں میں اب کسی چیز پر نہیں کودوں گی۔" توت تو چان نے دھیمے سے کہا۔ ماں نے چین کا سانس لیا لیکن اگلے ہی چند سیکنڈ میں اس نے جو کچھ کہا اُس سے ماں کو لگا انہوں نے اطمینان کا سانس لینے میں کچھ جلدی کر دی تھی۔

"میں اب کبھی بھی کسی ریت کے ڈھیر یا اخبار پر نہیں کودوں گی"۔ توت تو چان بولی۔

ماں کو بالکل یقین تھا کہ توت تو چان کو ان دو چیزوں کے علاوہ کسی دوسری چیز پر کودنے کی بات کبھی بھی آ سکتی ہے۔ اب دن چھوٹے ہو چلے تھے اور جب تک وہ لوگ گھر پہنچیں کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔

اور پھر آخ۔

دوپہر میں کھانے کا وقت تو موئے میں ہمیشہ سے ہی موج مستی کا وقت ہوا کرتا تھا مگر اب ایک نئی بات کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب ابھی بھی سب بچوں کے کھانے کے ڈبوں کا معائنہ کیا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ وہ وہ کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے لائے ہیں کہ نہیں اور ان کی بیوی اپنے دونوں بگونے ہاتھ میں لئے ساتھ ساتھ ہوتیں اور تیار رہتیں کہ اگر کسی کے کھانے میں کمی ہو تو پوری کی جا سکے۔ اسکے بعد سب لوگ گیت گاتے۔ "چباؤ چباؤ"۔ اچھی طرح چباؤ جو کچھ کھاؤ اچھی طرح چباؤ اس کے بعد کہا جاتا کہ میں شکریے کے ساتھ حصہ لیتا ہوں لیکن اب سے ایک نئی بات یہ جوڑی گئی کہ میں شکریے کے ساتھ حصہ لیتا ہوں کہنے کے بعد کسی نہ کسی کو ایک تقریر کرنی پڑتی۔

ایک دن ہیڈ ماسٹر صاحب بولے، میرا خیال ہے ہم سب کو سیکھنا چاہیے کہ بہتر گفتگو کیسے کرتے ہیں۔ تم لوگوں کا خیال کیا ہے؟"

بعض بچوں نے سوچا کہ وہ خود تو اچھی بات چیت نہیں کر پاتے لیکن دوسروں کو سننے میں بڑا مزہ آئے گا۔ کچھ نے خیال ظاہر کیا کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اسے دوسروں کو بتانا تو بہت ہی زوردار بات ہو گی۔ توت تو چان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس چیز کے بارے میں بات کرے گی لیکن وہ کوشش کرنے کو تیار تھی۔ زیادہ تر بچے اس بات کے حامی تھے کہ

تقریر کی جائے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگلے دن سے ہی یہ سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔

گھر پر جاپانی بچوں کو عام طور پر کھانا کھاتے وقت باتیں نہ کرنے کی تاکید کی جاتی ہے لیکن غیر ملکوں میں اپنے تجربے کے پیشِ نظر ہیڈ ماسٹر صاحب اپنے طالب علموں کی ہمت بڑھاتے تھے وہ دیر تک کھانا کھائیں اور اس دوران بات چیت میں دلچسپی لیں۔

اس کے علاوہ اُن کا خیال تھا کہ بچوں کے لئے یہ سیکھنا ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے بلا جھجک کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا صاف صاف لفظوں میں اور آزادی کے ساتھ کس طرح اظہار کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اس نظریے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

جب بچے اس خیال سے متفق ہو گئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو کچھ کہا وہ توت تو چان نے بڑے دھیان سے سنا۔ انہوں نے کہا، "ہمیں بہت اچھا تقریر کرنے والا بننے کی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ جس چیز کے بارے میں بھی تمہارا جی چاہے بولو تم ان باتوں کے بارے میں بتا سکتے ہو جو تم کرنا چاہتے ہو یا کوئی بھی بات ہو سکتی ہے۔ بہر حال اب ہمیں اس نظریے کو عمل میں لانا ہے۔

بچوں کو جلدی ہی پتہ لگ گیا کہ کھانے کے دوران دو تین دوستوں کے ساتھ باتیں کرنے کے مقابلے میں سارے اسکولوں کے بیچ کھڑا ہو کر بولنا کافی مشکل کام ہے اور اس کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ شروع شروع میں تو کچھ بچے جو ذرا شرمیلے تھے بولنے کھڑے ہوئے تو بس کھل کھل کر کے رہ گئے۔ ایک لڑکے نے اپنی تقریر تیار کرنے میں بڑی محنت کی تھی لیکن جونہی بولنے کھڑا ہوا سب کچھ بھول گیا اس نے کئی مرتبہ اپنی تقریر کا عنوان دہرایا جو بڑا بھاری بھرکم لگا یعنی "مینڈک ایک ہی طرف کیوں کودتے ہیں؟" پھر اُس نے بولنا شروع کیا، "جب پانی برستا ہے۔۔۔ پر وہ اس سے آگے نہ پڑھ سکا۔ آخر کار اس نے کہا 'بس اتنا ہی کہنا ہے' اور جھک کر آداب کرنے کے بعد اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

ابھی تک توت تو چان کی باری نہیں آئی تھی لیکن اُس نے طے کر لیا تھا کہ جب بھی اُس کی باری آئی وہ اپنی بیحد من پسند ایک کہانی سنائے گی 'شہزادہ اور شہزادی'۔ یہ بات سب کو معلوم تھی۔ وہ جب کبھی بھی اسکول میں چھٹی کے وقفے میں یہ کہانی سنانا چاہتی تو سب بچے کہہ دیتے "ارے ہم تو اسے سن کر تھک گئے! لیکن اس پر بھی اس نے یہی طے کیا تھا کہ بس سنائے گی تو یہی کہانی سنائے گی!

یہ نئی اسکیم خاصی اچھی چل رہی تھی کہ ایک دن جس لڑکے کی باتیں کرنے کی باری تھی اس نے بولنے سے صاف منع کر دیا کہنے لگا کہ "مجھے کچھ نہیں کہنا ہے"۔

توت تو چان حیران رہ گئی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جسکے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ ہو؟ ہیڈ ماسٹر صاحب اُس لڑکے کے ڈیسک کے پاس گئے جہاں کھانے کا ڈبہ خالی پڑا تھا۔ "اچھا تو تمہیں کچھ نہیں کہنا ہے؟" وہ بولے۔ "جی ہاں کچھ بھی نہیں" لڑکے نے جواب دیا۔

وہ چالاک بننے کی بالکل کوشش نہیں کر رہا تھا سچ مچ ہی وہ کوئی ایسی بات نہیں سوچ

رہا تھا جس کے بارے میں بتا سکے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے سر پیچھے کر کے ایک قہقہہ لگایا۔ انہیں اپنے دانتوں کے بیچ دراڑوں کا ذرا بھی خیال نہ رہا۔

"اچھا اب آؤ ہم لوگ کوشش کر کے تمہارے لئے کوئی بات نکالیں جس پر تم بول سکو۔"

لڑکے نے گھبرا کر پوچھا، "میرے لئے کوئی بات نکالیں گے؟" ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُس لڑکے کو بچوں کے گھیرے کے درمیان کھڑا کر دیا اور خود اس کے ڈیسک پر جا بیٹھے۔

"کوشش کرکے یاد کرو۔" انہوں نے لڑکے سے کہا، "آج صبح جب تم اُٹھے تو اسکول آنے سے پہلے تم نے کیا کیا؟ اچھا بتاؤ سب سے پہلے کیا کیا تھا؟"

"اچھا تو۔۔۔۔" لڑکا بولا اور بس اپنا سر کھجا کر رہ گیا۔ "بہت خوب" ہیڈ ماسٹر نے کہا "تمہارے پاس بتانے کو بہت کچھ ہے۔ہاں تو تم نے کیا کیا؟ اچھا تو کے بعد۔۔۔؟"

"ہاں تو۔۔۔۔ آخ۔۔۔ میں اٹھا۔۔۔۔" اس نے سر کو اور کھجا کر کہا توت توچان اور دوسرے بچے خوب مزہ تو لے رہے تھے لیکن سُن غور سے رہے تھے۔

لڑکے نے بولنا شروع کیا "اور تب اوں۔۔۔ووں" اس نے پھر سر کو کھجایا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب صبر سے بیٹھے لڑکے کو دیکھ رہے تھے،ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ان کے دونوں ہاتھ ڈیسک پر رکھے ہوئے تھے۔وہ بولے، "بہت اچھے شاندار۔۔یہ چلے گا۔ ہاں تو تم آج صبح اُٹھے یہ تو تم نے اچھی طرح سب کو سمجھا دیا ہے اچھا بولنے والا بننے کے لئے ضروری نہیں کہ تم مزاحیہ بنو یا دوسروں کو اپنی بات سے ہنساؤ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم نے کہا تھا کہ کچھ کہنے کو ہے ہی نہیں اور تم نے کچھ کہنے کو نکال ہی لیا۔"

لیکن لڑکا بیٹھ نہیں گیا اُس نے بڑی زوردار آواز میں کہا۔ "اور تب۔اوں۔۔"

سارے بچے آگے کو جھک گئے،لڑکے نے ایک گہری سانس کھینچی اور پھر بولنا شروع کر دیا اور تب اوں۔۔۔ماں ں۔۔اوں۔۔۔۔انہوں نے کہا کہ اپنے دانت صاف کرو۔اوں۔۔۔ تو میں نے منجن کر لیا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے تالی بجائی پھر سبھی تالی بجانے لگے۔اس پر لڑکے نے پہلے سے زیادہ زور سے کہنا شروع کیا "اور تب۔۔۔اوں۔۔۔۔" بچوں نے تالیاں بجانا روک دیا۔ وہ اور زیادہ آگے جھکے ہوئے اسکی بات سن رہے تھے۔

آخر کار لڑکے نے فتح و کامرانی سے بھری آواز میں کہا "اور تب۔اوں میں اسکول آگیا۔" ایک بڑا لڑکا اس قدر زیادہ آگے جھک گیا تھا کہ وہ توازن کھو بیٹھا اور منہ کے بل گر پڑا لیکن سب ہی بچے بیحد خوش تھے کہ آخر لڑکے کو کچھ کہنے کو مل ہی گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے خوب خوب تالیاں بجائیں اور توت توچان اور دوسرے بچے بھی تالیاں بجانے لگے۔یہاں تک کہ اور تب اوں۔۔۔اوں بھی جو ابھی تک سب کے بیچ میں کھڑے ہوئے تھے تالی بجا

رہے تھے! سارا اسمبلی ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔

بڑا ہو جانے پر بھی اس لڑکے کو اس کی تعریف میں بجائی گئی تالیوں کی یہ آواز شائد کبھی نہ بھولی ہو گی۔!

ہم تو بس کھیل رہے تھے

توت توچان کے ساتھ ایک دن بڑا حادثہ ہو گیا۔اسکول سے گھر آنے کے بعد رات کے کھانے سے پہلے اپنے کمرے میں راکی کے ساتھ "بھیڑیا بھیڑیا" کھیل رہی تھی تب ہوا یہ حادثہ۔

ان دونوں نے ایک کھیل شروع کیا۔ اس میں کمرے کی جانب سے ایک دوسرے کی طرف لڑھکنے لگتے ہیں اور جب کہیں ٹکرا جاتے ہیں تو تھوڑا سا ایک دوسرے سے مارا ماری بھی کرتے ہیں۔دونوں نے یہ کھیل کئی بار کھیلا، پھر سوچا کہ اس کو کچھ پیچیدہ بنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ توت توچان ہی تھی جس نے کہ فیصلہ کیا۔ طے پایا کہ ایک دوسرے کی طرف لڑھکتے لڑھکتے جب دونوں کمرے کے بیچ میں پہنچیں گے تب جو بھیڑیے کا سب سے خوفناک منہ بنائے گا وہ جیت جائے گا۔ راکی تو جرمن شیپرڈ نسل کا کتا تھا اس کے لئے بھیڑیے جیسا نظر آنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اُسے تو بس اتنا ہی کرنا تھا کہ وہ اپنے کان کھڑے کر لے منہ کھول دے اور سارے دانت باہر نکال دے۔اپنی آنکھیں تو وہ ویسے ہی خوفناک بنا سکتا تھا۔ توت توچان کے لئے زیادہ مشکل تھا کہ وہ بھیڑیے جیسی لگے۔وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کی جانب اُٹھا کر کان بناتی پھر خوب زیادہ منہ کھولتی اور آنکھیں جہاں تک ممکن ہو تا پھاڑ لیتی، کتے کی سی غرانے کی آوازیں نکالتی اور جھوٹ موٹ راکی کو کاٹنے لگتی۔ پہلے تو راکی اچھی طرح کھیلتا رہا لیکن وہ تھا تو کتے کا بلا ہی تھوڑی ہی دیر بعد بھول گیا کہ یہ سب صرف کھیل تھا اور اچانک اُس نے توت توچان کو سچ مچ کاٹ لیا۔

راکی ابھی بچہ ہی تھا لیکن تھا وہ توت توچان سے دوگنا بڑا اور اس کے دانت بیحد تیز اور نوکیلے تھے چنانچہ اس سے پہلے کہ توت توچان سمجھے کہ ہوا کیا ہے اس کا دایاں کان کٹ کر جھول رہا تھا اور خون کی دھار بہہ رہی تھی۔

اُس کی چیخ سن کر ماں باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی آئیں اور انہوں نے کمرے کے

کونے میں راکی اور توت توچان کو دیکھا۔ وہ اپنا دایاں کان دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھی اور اس کے فراک پر خون کے چھینٹے تھے۔ ابا بھی جو ڈرائنگ روم میں وائلن کی مشق کر رہے تھے دوڑے ہوئے آئے۔ راکی سمجھ گیا تھا کہ اس سے کوئی بڑی غلطی ہو گئی ہے اور وہ اپنی پچھلی دونوں ٹانگوں کے بیچ دم دبائے بڑے دکھ سے توت توچان کو دیکھ رہا تھا۔ اور توت توچان کو اس وقت بس ایک ہی خیال ستا رہا تھا کہ اس وقت وہ کیا کرے گی اگر ابا اماں خفا ہو کر راکی کو نکال دیں یا پھر کسی اور کو دیدیں؟ جہاں تک اس کا سوال تھا اس کے لئے تو یہ سب سے زیادہ افسوس ناک بات اور بھیانک بات ہو گی۔ چنانچہ وہ راکی کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ دایاں کان پکڑے ہوئے وہ رو رو کر بار بار کہہ رہی تھی راکی کو مت ڈانٹیے گا راکی کو مت ڈانٹیے گا! ماں باپ کو تو اسکی فکر زیادہ تھی کہ وہ دیکھیں کہ اسکے کان کو کیا ہوا ہے، لہٰذا انہوں نے اسکا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی لیکن توت توچان نے ہاتھ نہیں ہٹایا اور چلائی مجھے درد نہیں ہو رہا ہے۔ راکی سے ناراض مت ہوئیے اس سے ناراض نہ ہوئیے گا۔ واقعی توت توچان کو درد کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا اور وہ بس راکی کے بارے میں ہی سوچے جا رہی تھی۔ خون رِس رِس کر بہہ رہا تھا اور ماں باپ کو پتہ چل گیا کہ راکی نے اسے کاٹ کھایا ہے لیکن انہوں نے توت توچان کو یقین دلایا کہ وہ راکی سے بالکل خفا نہیں ہوں گے اور نہ اسے ڈانٹیں گے، تب اس نے کان پر سے اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ جب ماں نے توت توچان کا کان لٹکے ہوئے دیکھا تو ان کی چیخ نکل گئی۔ ابا جان اپنی چھوٹی سی بیٹی کو لیکر ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ماں آگے آگے تھیں۔ قسمت اچھی تھی کہ وقت پر علاج ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کان بالکل صحیح جگہ پر سی دیا اور وہ ایک دم پہلے جیسا لگ رہا تھا۔ ماں باپ کو بڑا سکون ملا لیکن توت توچان کو تو بس ایک ہی فکر لگی ہوئی تھی کہ 'کیا ابا اماں راکی کو نہ ڈانٹنے کا اپنا وعدہ پورا کریں گے!'

توت توچان جب گھر پہنچی تو سر سے تھوڑی تک پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ ایک سفید خرگوش لگ رہی تھی۔ اپنے اس وعدے کے باوجود کے وہ راکی کو ڈانٹیں گے نہیں ابا اماں کا بیحد جی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے اسکو تنبیہ کریں، لیکن اماں نے نظروں ہی نظروں میں کہا، "دیکھیے مہربانی سے اپنے وعدے پر قائم رہیے۔" اور ابا نے بڑی بے دلی سے اپنا وعدہ پورا کیا۔

توت توچان دوڑ کر گھر کے اندر داخل ہو گئی تا کہ راکی کو جلدی سے بتا سکے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور اب کوئی ناراض نہیں ہے، لیکن راکی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ ڈاکٹر کے یہاں بالکل نہیں روئی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ روئی دھوئی تو کتے پر ماں باپ کا غصہ اور بڑھے گا۔ لیکن اب تو آنسو روکے نہ رکتے تھے روتے ہوئے وہ پکار رہی تھی راکی راکی تم کہاں ہو؟

کئی مرتبہ اور پکارنے کے بعد آنسو سے تر اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھِل اٹھی۔ اُس نے دیکھا جانی پہچانی گہرے بھورے رنگ کی پیٹھ صوفے کے پیچھے سے آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی! راکی نے توت توچان کے پاس آ کر اُس کے اچھے والے کان کو جو پٹی سے باہر نظر آ رہا تھا بڑے پیار سے دھیمے سے چاٹ لیا۔ توت توچان نے اپنی بانہیں راکی کے گلے میں ڈالدیں اور اسکے کان کے پاس منہ لے جا کر اُسے سونگھا ابا اماں کہتے تھے کہ کان سے مہک آتی ہے۔ لیکن یہ جانی پہچانی مہک کیسی پیاری لگتی تھی اُسے۔

راکی اور توت توچان دونوں ہی بری طرح تھک گئے تھے اور انہیں نیند آ رہی تھی۔

گرمی کے خاتمے کے دنوں کا چاند اوپر باغ کی جانب سے پٹی بندھی ہوئی ننھی بچی اور کتے کو دیکھ رہا تھا جو اب کبھی بھی بھیڑیا بھیڑیا کا کھیل نہیں کھیلیں گے۔ لیکن اب وہ پہلے سے بھی زیادہ گہرے دوست بن گئے تھے۔

کھیل کا دن

تو موئے میں ہر سال تین نومبر کو "اسپورٹس ڈے" یعنی کھیل کا دن منایا جاتا تھا۔ تیسری نومبر پت جھڑ کے موسم کا ایک دن ہے اور اس دن سب سے کم بارش ہوتی ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ بات بہت چھان بین کے بعد دریافت کی تھی اور اسی لئے انہوں نے یہ کھیل کا دن طے کیا تھا یا تو یہ ان کا موسم کے بارے میں جانکاری جمع کرنے کا کمال تھا یا پھر شاید سورج اور بادل ہی ان کی خواہش پر چلتے تھے کہ کھیل کے دن بارش بچوں کے کھیل کا مزہ کرکرا نہ کر دے، جو ایک دن پہلے سے ہی اسکول میدان کو سجا دیتے تھے اور ہر طرح کی تیاریاں کر لیتے تھے۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو اُس دن کبھی بھی پانی نہیں برساتھا۔ چونکہ تو موئے میں ہر چیز ہی

نئے ڈھنگ سے ہوا کرتی تھی تو اسپورٹس ڈے بھی اپنی قسم کا ایک ہی تھا۔ دوسرے ابتدائی اسکولوں کی طرح یہاں بھی تین ٹانگوں والی دوڑ اور رسہ کشی تو ہوتی ہی تھی اور بہت سے کھیل ماسٹر صاحب کے ہی ایجاد کئے ہوئے ہوتے تھے۔ ان کھیلوں کے لئے کسی خاص ساز و سامان کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ اس میں اسکول میں موجود جانی پہچانی چیزوں سے ہی کام چل جاتا تھا۔ مثال کے طور پر سیم ہاسی (Carprace) کی دوڑ میں کو ہی لیجئے، مئی کے مہینے میں لڑکوں کا جو دن منایا جاتا ہے اُس میں دوہرے کپڑے سے بنے جھنڈوں پر سیم مچھلی کی رنگین تصویر ہوتی ہے۔ یہ جھنڈے دوہرے ہونے کی وجہ سے اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ اور بانس کے ڈنڈوں پر لہرائے جاتے ہیں۔ انہیں اسکول کے میدان کے بیچ لیٹا دیا جاتا تھا، اشارہ پاتے ہی بچوں کو کپڑے کی بنی ان مچھلیوں کی طرف دوڑنا اور پھر اُن کے سر کی طرف سے اندر داخل ہو کر دُم کی طرف سے باہر نکل کر اسی جگہ واپس پہنچنا ہوتا تھا جہاں سے وہ دوڑتے تھے۔ اسکول میں ایسی مچھلیاں صرف تین ہی تھیں۔ ایک لال اور دو نیلی۔ چنانچہ ایک وقت میں صرف تین ہی دوڑ سکتے تھے۔ یہ دوڑ دیکھنے میں تو آسان لگتی مگر تھی کافی مشکل۔ مچھلیاں خاصی لمبی ہوتیں اور ان کے اندر اچھا خاصہ اندھیرا ہوتا تھا۔ اس لئے سمت کا احساس آسانی سے ختم ہو جاتا تھا۔ بعض بچے جن میں توت تو چان بھی تھی مچھلی کے منہ سے ہی نکلنے لگتے اور جب غلطی کا اندازہ ہوتا تو پھر بڑی پھرتی سے اندر گھس جاتے۔ اس کھیل کو دیکھنے میں بڑا مزہ آتا تھا، کیونکہ آگے پیچھے رینگتے ہوئے بچوں کی وجہ سے مچھلیاں ہلنے لگتیں اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ان میں جان آگئی ہو۔

دوڑ کا ایک مقابلہ اور بھی ہوتا تھا۔ اُس کا نام تھا "ایک ماں کو تلاش کرو"۔ اس میں جیسے ہی اشارہ ملے لکڑی کی آڑی رکھی ہوئی ایک سیڑھی تک دوڑنا پڑتا تھا پھر اُس کے ہر خانے کے بیچ میں سے گذرتے ہوئے اس کے سرے پر رکھی ہوئی ٹوکری سے ایک لفافہ اُٹھانا ہوتا تھا۔ اندر رکھے ہوئے کاغذ پر کسی بھی بچے کی ماں کا نام لکھا ہو سکتا تھا۔ جیسے سکو چان کی ماں کا'۔ تب تماشہ دیکھنے والوں کے بیچ سے اُس ماں کو ڈھونڈ کر اور اس کا ہاتھ تھامے ہوئے جہاں کھیل شروع ہوتا تھا وہاں پہنچنا پڑتا تھا۔ سیڑھی کے ہر خانے میں سے نکلتے ہوئے بلی کی طرح بدن کو توڑ موڑ کر نکلنا ضروری تھا ورنہ پھنس جانے کا ڈر تھا۔ اس کے علاوہ کوئی سو کو چان کی ماں کی پہچانتا بھی رہا ہو تو ہو سکتا ہے اس کے کاغذ پر لکھا نکلے مس او کو کی بہن یا مسز

سو کو کی ماں" یا مسز کوئی نوری کا بیٹا، جس سے کبھی بچے کی ملاقات ہی نہ رہی ہو۔ تب تو تماشہ دیکھنے والوں کے پاس جا کر زور سے پکارنا پڑتا تھا۔ او کو کی بہن! اسکے لئے ذرا ہمت کی ضرورت تھی۔ اچھی قسمت والے بچے جنہیں پرچہ پر اپنی ماں کا نام لکھا ہوا مل جاتا وہ زور زور سے چلاتے اماں۔ اماں جلدی کیجئے۔ اس کھیل میں دیکھنے والوں کو بھی بڑا چوکس رہنا پڑتا تھا کہ کب کس کا نام پکار لیا جائے گا۔ انہیں بنچ یا چٹائی پر جہاں وہ بیٹھے ہوں، اجازت لے کر تیزی سے باہر نکلنا اور اُس جگہ پہنچنا ہوتا تھا جہاں اُن کا بیٹا یا بیٹی انتظار کر رہے ہوتے اور اُن کا ہاتھ تھام کر دوڑ جانا ہوتا تھا۔ لہٰذا جب بھی کوئی بچہ دوڑتا ہوا آتا اور بڑوں کے پاس کھڑا ہو جاتا تو ابا لوگوں کی بھی سانس رک جاتی اور وہ حیران ہوتے کہ دیکھو اب کس کا نام پکارا جاتا ہے۔ کھیل کے دوران بیٹھ کر گپ شپ کرنے یا کچھ کھانے پینے کا سوال ہی نہیں تھا۔ مقابلوں میں ماں باپ کو بھی اسی طرح حصہ لینا پڑتا تھا جیسے کہ اُن کے بچے لیتے تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے ٹیچر بھی دو ٹیموں میں بٹ کر رسہ کشی کے مقابلے میں شامل ہو جاتے تھے۔ رسہ کھینچتے ہوئے سب لوگ چلاتے "زور لگا کر ہیا" اور یاسوا کی چان جیسے معذور بچے جو رسہ نہیں کھینچ سکتے تھے، رسہ کے درمیان میں بندھے رومال پر نظر رکھتے اور دیکھتے کہ کون جیت رہا ہے۔

اور تموئے میں سب سے آخر میں ہوتی تھی "ریلے دوڑ" جس میں پورا اسکول حصہ لیتا تھا۔ کسی کو بھی بہت زیادہ دور تک نہیں دوڑنا پڑتا تھا۔ بس کرنا صرف یہ ہوتا تھا دوڑ کر ان پکی سیڑھیوں پر چڑھا اُترا جائے جو اسمبلی حال تک جاتی تھیں اور نصف دائرے کی شکل میں تھیں۔ یہ دوڑ بظاہر تو بڑی آسان لگتی تھی مگر پاس پاس بنی نیچی نیچی ہر سیڑھی پر پیر رکھنا پڑتا تھا اور سیڑھیاں لانگھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر آپ کے پیر بڑے یا ٹانگیں لمبی ہوں تو کافی مشکل ہو سکتی تھی۔ جانی پہچانی جن سیڑھیوں پر بچے ہر روز دوپہر کے کھانے کے وقت چڑھتے اترتے تھے وہ کھیل دن کے موقعہ پر ایک دلچسپ اور انوکھا روپ لے لیتی تھیں۔ بچے خوشی سے چلاتے۔ اُس پر چڑھتے اترتے اور دور سے دیکھنے پر یہ منظر، "عکس بین" سے رنگین شیشوں کی بنتی بگڑتی خوبصورت تصویروں جیسا لگتا تھا۔ اوپری سیڑھیوں کو ملا کر وہاں کل آٹھ ہی سیڑھیاں تھیں۔

جس پہلے دن کھیل میں توت تو چان اُس کی کلاس نے حصہ لیا وہ بھی ہیڈ ماسٹر صاحب کی خواہش اور امیدوں کے مطابق بیحد خوشگوار دن تھا۔ کاغذ کی بنا زنجیروں اور سنہرے ستاروں سے جو بچوں نے خود بنائے تھے، سارے باغ کو ایک دن پہلے ہی سجادیا گیا تھا۔ گراموفون پر جوش دلانے والے مارچوں کے گیت زوروں سے بج رہے تھے اور بالکل کسی میلے جیسا ماحول ہو گیا تھا۔

توت تو چان نے گہرے نیلے رنگ کی نیکر اور سفید بلاؤز پہن رکھا تھا حالانکہ اُسے کھیل کود والے لباس یعنی "بلومرز" پہننے کو بڑا جی چاہ رہا تھا۔ ایک دن اسکول کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کنڈر گارڈن کے کچھ ٹیچروں کے لئے یورِ ھمکس کی کلاس لے رہے تھے تو توت تو چان نے اُس میں کچھ عورتوں کو "بلومرز" پہنے دیکھا تھا اور یہ لباس دیکھ کر وہ بیحد خوش ہوئی تھی۔ سب سے اچھا تو اُسے یہ لگا تھا کہ وہ لوگ جب بھی اپنے پیر فرش پر پٹکتیں تو بلومرز کے نیچے سے دکھنے والی اُن کی پنڈلیوں کی مچھلیاں تن جاتیں اور خوبصورتی سے تھر تھراتیں۔ اُس دن وہ بھاگ کر گھر گئی تھی اور اُس نے اپنا نیکر نکال کر پہن لیا تھا اور اپنے پیر فرش پر پٹکے تھے تو اُس کی بچوں جیسی پنڈلیاں بالکل نہیں تھر تھرائیں تھیں۔ کئی بار کوشش کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اُن خواتین نے جو کپڑے پہنے تھے ان کی وجہ سے ہی ان کی پنڈلیوں میں تھر تھراہٹ پیدا ہوئی تھی! تب اُس نے اپنی ماں سے پوچھا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ "بلومرز" کھیل کود میں پہنا جانے والا لباس ہوتا ہے۔ اس نے ماں سے کہا کہ کھیل دن پر وہ بھی بلومرز ہی پہننا چاہے گی۔ لیکن بازار میں اس کے سائز کے چھوٹے بلومرز ملے ہی نہیں اور توت تو چان کو اپنے نیکر سے ہی کام چلانا پڑا لیکن افسوس کہ انہوں نے پنڈلیوں میں تھر تھری نہیں پیدا کی!

کھیل دن کے موقعے پر ایک عجیب بات ہوئی۔ تاکاہاشی جس کی بانہیں اور جسم کے پیر سب سے سے زیادہ چھوٹے تھے اور جسے قد کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا لڑکا تصور کیا جاتا تھا سبھی کھیلوں میں اول آگیا۔ کسی طرح اس پر یقین ہی نہیں آتا تھا۔

جبکہ سب لوگ کپڑے کی سیم مچھلی کے اندر ادھر اُدھر رینگ ہی رہے تھے، تاکاہاشی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس میں سے باہر نکل گیا۔ اور جبکہ دوسرے بچے سیڑھیوں

کے خانے میں سر ہی نکال پائے تھے کہ وہ جلدی جلدی سارے خانوں میں سے گذر کر باہر نکل چکا تھا اور کئی گز آگے دوڑ رہا تھا۔ اور ریلے دوڑ جو اسمبلی کی سیڑھیوں پر ہوئی، اُس میں تو دوسرے بچے بڑے بھونڈے طریقے سے، دھیرے دھرے سیڑھی پر اپنا ایک ایک قدم ہی رکھ رہے تھے ایک ہی جھونک میں سیڑھیاں چڑھا اور اُتر بھی گیا۔ لگتا تھا جیسے کوئی فلم بڑی تیزی سے دکھائی جا رہی ہو۔ اس کو ہرانے کی کوشش میں ہر بچے نے جان لگا دی تھی لیکن اس سے کچھ نہ ہوا اور ہر بار تاکاہاشی ہی جیت گیا۔ توت تو چان نے بھی بڑی کوشش کی لیکن وہ کسی بار بھی تاکاہاشی کو ہرا نہ پائی۔ کھلی جگہوں پر ہونے والی سیدھی دوڑ میں تو بچے اُس سے شائد کبھی آگے بھی نکل جاتے تھے لیکن مشکل جگہوں پر تو اُس سے ضرور ہی ہار جاتے تھے۔

تاکاہاشی جب اپنے انعام لینے پہنچا تو خوشی اور فخر سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ ہر دوڑ میں اول تھا تو ایک کے بعد ایک سارے انعام اُسے ہی ملے جا رہے تھے۔ ہر آدمی اُس کو بڑے رشک سے دیکھ رہا تھا۔

سب بچے اپنے دل میں یہی کہہ رہے تھے اگلے سال ضرور تاکاہاشی کو ہرا دوں گا لیکن ہر سال ہوا کیا؟ تاکاہاشی ہی جیتا اور نامور کھلاڑی بنا۔

ان ہیڈ ماسٹر صاحب کے انعام بھی بس اپنی قسم کے آپ ہی ہوتے تھے۔ پہلا انعام ہو سکتا تھا دیو جیسے سائز کی مولی۔ دوسرے انعام میں دو عدد قند (Burdokk Roots) مل سکتی تھیں اور تیسرا انعام پالک کا ایک بنڈل!

اسی طرح کی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ بہت بڑی ہو جانے تک توت تو چان یہی سوچا کرتی تھی کہ سبھی اسکولوں میں کھیل کے دن انعام میں سبزیاں ہی دی جاتی ہیں!

ان دنوں زیادہ تر اسکول انعام میں کاپیاں پنسلیں اور مٹانے والے ربڑ دیا کرتے تھے۔ تو موئے کے پھول بچوں کو یہ بات معلوم بھی نہیں تھی تب بھی وہ سبزیوں کے انعام سے خوش نہیں تھے۔ مثلاً جب توت تو چان کو پیاز اور کچھ قند ملے تو وہ انہیں ریل گاڑی سے گھر لے جانے کے خیال سے بہت خراب سا محسوس کر رہی تھی۔ بچوں کو اور بھی کئی کھیلوں کے لئے مزید انعام دئے جاتے تھے۔ اس لئے کھیل ختم ہونے پر تو موئے کے تقریباً ہر بچے کے پاس کسی نہ کسی قسم کی سبزی ضرور ہوتی تھی۔

کسی کو اسکول سے گھر جاتے ہوئے سبزی اُٹھانے میں آخر جھجک کیوں محسوس ہو؟ ماؤں کے کہنے پر آخر کبھی کبھار بازار سے سبزی لانا تو کسی کو خراب نہیں لگتا تھا۔ اصل میں بچوں کو لگتا تھا کہ اسکول سے گھر جاتے ہوئے بچوں کے ہاتھ میں سبزی دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے؟

ایک موٹے سے لڑکے نے انعام میں گوبھی پائی تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ اُس کا کیا کرے۔

وہ بولا میں نہیں چاہتا کہ "لوگ مجھے گوبھی لے جاتے دیکھیں۔ سوچتا ہوں اسے پھینک ہی دوں"۔

بچوں کی اس شکایت کے بارے میں ہیڈ ماسٹر صاحب نے شائد سن لیا ہو گا تب ہی وہ بچوں کے پاس جا پہنچے جو اپنی مولیاں گاجر اور ایسی دوسری چیزیں لئے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے بھائی؟ کیا تم لوگ یہ چیزیں نہیں چاہتے؟" انہوں نے پوچھا پھر وہ کہنے لگے، "لے جاؤ اور اپنی اماں سے کہو کہ وہ آج رات کے کھانے پر تمہیں پکا کر کھلائیں۔ تم نے اپنی محنت اور کوششوں سے اپنے خاندان کے لئے کھانا مہیا کیا ہے۔ کیوں کیسی کہی؟ ارے میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ مزیدار چیزیں ہیں!"

یقیناً وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اپنی زندگی میں توت توچان رات کے کھانے کے لئے کوئی چیز لا کر گھر میں دے رہی ہو۔

اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہا "میں تو اماں سے کہوں گی کہ وہ مصالحہ دار قند پکائیں۔ میں نے ابھی یہ نہیں سوچا کہ اُن سے پیاز کا کیا بنواؤں گی"۔

اس پر دوسرے بچوں نے بھی سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیا پکوائیں گے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو بتانے لگے۔

"بہت خوب! تو اب بات تم لوگوں کی سمجھ میں آ گئی"۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس قدر خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا کہ اُن کے گال لال ہو گئے۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ جب بچے اور ان کے خاندان کے لوگ کھیل کے دن کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سبزیاں کھا رہے ہوں گے تو کیسا اچھے لگے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سب خاص طور پر تاکاہاشی کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے جس کی کھانے کی میز پہلے انعاموں سے بھری ہو گی۔ وہ امید کر رہے تھے کہ یہ لڑکا ان بہت سے پہلے انعاموں کو جیتنے کی خوشی اور فخر کو ہمیشہ یاد رکھے گا تاکہ اُس میں اپنا قد بہت چھوٹا ہونے اور اس حقیقت پر کہ وہ اب کبھی نہیں بڑھے گا احساسِ کمتری نہ ہونے پائے۔ اور کیا پتہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے جان بوجھ کر ہی ایسی دوڑیں تو موئے کے لئے ایجاد کی ہوں کہ جس میں ہر بار تاکاہاشی ہی اول آ جائے!

شاعر اِسّا

بچے ہیڈ ماسٹر صاحب کو اسّا کو بایاشی! کہنا بہت پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اُن پر محبت اور پیار سے بھرے کئی شعر بھی لکھ رکھے تھے جیسے:۔

اِسّا کو بایاشی
اِسّا ہمارا بڈھا ہے
پر اُس کا سر تو گنجا ہے

ایسا اس لئے ہوا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا خاندانی نام بھی انیسویں صدی کے مشہور شاعر اِسّا کو بایاشی کی طرح کو بایاشی ہی تھی۔ اِسّا کو بایاشی کے لکھے HAIKO ہائیکو (دوہے؟) ہیڈ ماسٹر صاحب کو بیحد پسند تھے۔ وہ انہیں بار بار سناتے۔ اتنی بار کہ بچوں کو لگنے لگتا کہ اِسّا شاعر بھی بچوں کے اتنے ہی اچھے دوست ہیں جتنے کہ ہیڈ ماسٹر سوسا کو بایاشی!

ہیڈ ماسٹر صاحب کو اسّا کے ہائیکو اس لئے پسند ہوتے تھے کہ بڑے سچے اور زندگی کی معمولی سے معمولی چیزوں کے بارے میں ہوتے تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ ہائیکو لکھنے والے ہزاروں شاعر رہے ہونگے اسّا نے ایک اپنی ہی دنیا تخلیق کی، جس کی نقل کوئی بھی نہ کر سکا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کو ان کی شاعری اپنے بچوں کے جیسی سادگی کی وجہ سے بہت اچھی لگتی تھی لہذا وہ بچوں کو اسّا کے اشعار سناتے جنہیں بچے یاد کر لیتے۔ مثال کے طور پر ایسے اشعار:۔

کمزور سے مینڈک
تم ہر گز نہ جھکنا

اسا تمھارے ساتھ ہے
ننھی ہوشیار گوریا
راستہ چھوڑ راستہ چھوڑ
نیک اور شریف گھوڑے کے لئے
دیکھوں بخشو مکھی کو
ہاتھ مسلتی پیر مروڑتی
مانگ رہی ہے بھیک رحم کی

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک مرتبہ تو ایک ہائیکو کی دُھن بھی تیار کر ڈالی تھی اور سب مل کر اس کو گایا کرتے تھے۔

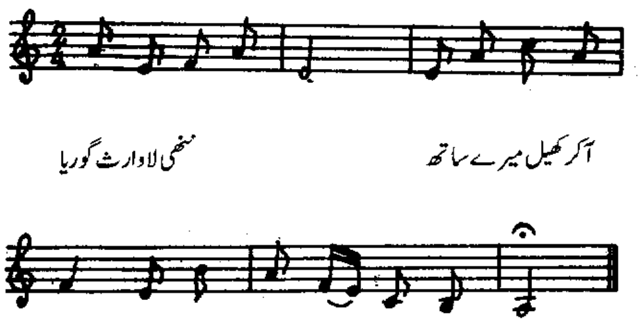

ہیڈ ماسٹر صاحب اکثر ہائیکو کی کلاسیں بھی لیا کرتے تھے حالانکہ یہ اسکول کے نصاب کا حصہ نہیں تھا۔

توت توچان نے جب پہلی مرتبہ ہائیکو لکھنے کی کوشش کی تو اُس نے مزاحیہ کردار تورا کو کی بات کی۔ یہ ایک آوارہ پھرنے والا کالا کتا تھا جو فوج میں سپاہی کی طرح بھرتی ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ اُس کی ترقی ہوتی گئی حالانکہ اس دوران بڑی اڑچنیں بھی آئیں۔ یہ لڑکوں کے ایک مقبول رسالے میں چھپی بھی تھی۔

لاوارث کتا کالو
چلا ہے یوروپ کو
اب جب کہ سینا سے
مِل گئی ہے اُس کو چھٹی

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا تھا کہ کوشش کرو کہ ہائیکو سیدھی سادی اور سچی ہو اور ایسی چیز پر لکھو جو تمہاری اپنی سوچی ہوئی ہو۔

توت توچان کا ہائیکو اصلی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا تھا کہ اُن دنوں اسے کس طرح کی چیزیں متاثر کرتی تھیں۔ اُس کے ہیکو میں رواج کے مطابق ۵۔۷۔۵ کے ارکان تہجی نہیں تھے بلکہ ۵۔۷۔۷ کے تھے لیکن شاعر اِسا کو باشی نے بھی تو جاپانی میں ہوشیار گوریا کے بارے میں جو ہائیکو لکھا تھا اسمیں تو ۵۔۷۔۸ کے ارکان تہجی تھے اسی لئے توت توچان نے بھی سوچا کہ اُس کا ٹھیک ہی ہو گا۔

کوہون بت سو مندر کی سیر کے وقت یا پھر جب بارش ہو رہی ہو اور بچے باہر نہ کھیل سکیں اور اسمبلی ہال میں اکٹھے ہوں تو اُس وقت تو موئے کے اِسا کو باشی بچوں کو ہائیکو کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار بھی اکثر ہائیکو میں ہی کیا کرتے تھے۔ اِسا کے چند ہائیکو شائد تو موئے کے بارے میں ہی تھے۔

برف پگھل جاتی ہے جب
اچانک سارا گاؤں تب
بچوں سے بھر جاتا ہے

بڑا ہی پر اسرار

توت توچان نے زندگی میں پہلی مرتبہ کچھ پیسے پڑے پائے۔ یہ ریل سفر کے دوران ہوا جب وہ اسکول سے گھر جا رہی تھی۔ وہ جی او گاؤں سے اوئی ماچی ریل گاڑی میں چڑھی تھی۔ اگلے اسٹیشن مُدوری گاؤں کا پہنچنے سے پہلے ایک بڑا گھماؤ پڑتا تھا اور وہاں پہنچ کر ریل گاڑی ہمیشہ آواز کے ساتھ ایک طرف کو جُھک جایا کرتی تھی۔ توت توچان گھماؤ کے آتے ہی اپنے پیر جما لیا کرتی

تھی تاکہ اسے "اوپس" نہ کہنا پڑے داہنے ہاتھ والے درواز کے پاس کھڑی ہوتی تھی جو ڈبے کے پچھلی طرف تھا اور منھ اس طرف کرتی جدھر ریل گاڑی جا رہی ہوتی تھی۔ وہ اس لئے ادھر کھڑی ہوتی تھی کیونکہ اس کا اسٹیشن اسی طرف آتا تھا اور وہ دروازہ نکلنے کی جگہ سے بہت ہی قریب تھا۔

اُس روز ریل گاڑی جوں ہی چوں چراں کی آواز کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ایک طرف کو جھکی توت توچان نے دیکھا کہ اسکے پیروں کے پاس پیسوں جیسی کوئی چیز پڑی تھی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار اس نے پیسے سمجھ کچھ اُٹھایا تھا تو وہ نکلا بٹن۔ اس لئے اس نے سوچا کے اس بار ذرا اچھی طرح دیکھ لے۔ جب ریل گاڑی سیدھی چلنے لگی تو اُس نے سر جھکا کر بڑی احتیاط سے نیچے دیکھا۔ سچ مچ وہاں پانچ سین (Cen) کا سکہ پڑا تھا۔ اُس نے سوچا قریب کے ہی کسی آدمی نے گرادیا ہوگا اور جب گاڑی جھکی تو وہ لڑھک کر اس کے پیروں کے پاس آگیا لیکن توت توچان کے آس پاس تو کوئی آدمی نہیں تھا۔

اُس نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اُسی وقت اسے کسی کا یہ کہنا یاد آیا کہ اگر کوئی روپیہ پیسہ کبھی مل جائے تو پولیس کو دے دینا چاہیے۔ لیکن ریل گاڑی پر تو کوئی پولیس والا نظر نہیں آیا۔ تھا کوئی؟

اسی وقت کنڈکٹر کے چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اُس ڈبے میں آئے جس میں توت توچان کھڑی تھی۔ توت توچان خود نہیں سمجھی کہ اُس نے ایسا کیوں کیا لیکن اُس نے اپنا دایاں پاؤں پانچ کے سکے پر رکھ دیا۔ کنڈکٹر مسکرایا کیونکہ وہ اسے جانتا تھا، لیکن وہ دل کھول کر مسکرا بھی نہ سکی اس لئے کہ وہ دائیں پیر کے نیچے دبے سکے کی وجہ سے کچھ قصوروار سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ بس ایک کمزور سی ہنسی ہنس پائی۔ اسی وقت ریل گاڑی اوکایاما اسٹیشن پر رک گئی۔ یہ اسٹیشن اس کے اسٹیشن سے پہلے تھا اور بائیں طرف کا دروازہ کھلا۔ بہت سارے لوگ اندر آگئے اور توت توچان کو دھکے لگنے لگے مگر وہ انہیں سہتی رہی اور وہاں ہی ڈٹی رہی اور اپنا دایاں پیر نہیں ہلایا۔ ایسا کرتے وقت اس نے اپنا پلان سوچ لیا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ ریل گاڑی سے اترتے ہی وہ پانچ کا سکہ پولس کے حوالے کر دے گی۔ پھر اُسے دوسرا خیال آیا کہ اگر کوئی اسے پیر کے نیچے سے سکہ اٹھاتے دیکھ لے تو کہیں اُسے چور نہ سمجھ بیٹھے! ان

دنوں پانچ کے سکے میں مٹھائی کی گولیوں کا پیکٹ یا ایک چھوٹا سا چاکلیٹ مل جایا کرتا تھا۔ بڑوں کے لئے تو یہ کوئی بہت بھاری رقم نہیں تھی لیکن جہاں تک توت توچان کا سوال ہے اُس کے لئے تو یہ ایک بڑی ہی پونجی ہوگئی۔

"ارے واہ خوب سوجھی! اس نے اپنے آپ سے کہا، "میں آہستہ سے کہوں گی کہ ارے میں نے تو اپنا پیسہ گرادیا۔ اُسے اٹھا لینا چاہیے۔" تب تو سب لوگ یہی سوچیں گے کہ یہ سکہ میرا ہی ہے۔ لیکن فوراً ہی دوسرا مسئلہ اُس کے سامنے تھا۔ اگر میں یہ سب کہوں اور سب لوگ میری طرف دیکھنے لگیں اور پھر کوئی کہہ دے، "یہ تو میرا ہے" تب میں کیا کروں گی؟"

بہت سی باتیں دل ہی دل میں سوچنے کے بعد اس نے یہی طے کیا کہ سب سے اچھا ہوگا اگر وہ جوتے کے فیتے باندھنے کے بہانے اسٹیشن آنے سے پہلے، جھک کر چپکے سے سکہ اُٹھالے۔ آخر یہی کیا اُس نے اور کامیاب رہی۔ جب وہ پلیٹ فارم پر اتری تو پسینے میں شرابور تھی اور پانچ کا سکہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ پولس اسٹیشن کافی دور تھا اگر وہ وہاں تک جا کر سکہ دے تو پھر گھر پہنچنے میں کافی دیر ہو جاتی ہے اور ماں بہت پریشان ہوتیں۔ اس نے سیڑھیاں چڑھتے اترتے بہت غور کیا اور پھر یہ فیصلہ کیا۔

"میں اسے چھپا کر رکھ دوں گی اور کل اسکول لے جاؤں گی پھر سب کی صلاح لوں گی۔ مجھے ہر حال میں سکہ ان لوگوں کو دکھانا ہے کیونکہ ابھی تک کسی کو بھی کوئی سکہ تو ملا نہیں ہے۔"

وہ سوچ میں تھی کہ سکہ چھپائے تو کہاں چھپائے۔ اگر گھر لے جاتی ہے تو شاید ماں اِس کے بارے میں کچھ پوچھ بیٹھیں۔ تو پھر اسے کہیں اور چھپانا ہی پڑے گا۔

وہ اسٹیشن کے قریب ہی ایک جھاڑی میں گھسی۔ کسی نے اُسے نہیں دیکھا اور کوئی وہاں جھاڑی پار کر کے آ بھی نہیں سکتا تھا۔ تو وہاں کافی محفوظ تھا اس نے ایک لکڑی سے جلدی جلدی زمین کھودی اور سوراخ میں قیمتی پانچ سین ڈال دیئے اور پھر مٹی ڈال کر سوراخ بند کر دیا۔ اُس نے ایک عجیب شکل کا پتھر اُٹھا کر نشان کے طور پر وہاں رکھ دیا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے گھر کی طرف بھاگی۔

زیادہ تر رات کو وہ ماں کے ساتھ دیر تک اسکول کی باتیں کیا کرتی تھی۔ آخر میں ماں کہتیں سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ چلو بستر میں لیکن اُس روز اُس نے زیادہ باتیں نہیں کیں

اور جلدی ہی سو گئی۔ اگلی صبح جب وہ اٹھی تو لگتا تھا جیسے اُسے کوئی بہت ضروری کام کرنا ہے اچانک اسے اپنا پوشیدہ خزانہ یاد آیا اور وہ بیحد خوش ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح جلدی ہی وہ راکی کو دوڑاتی ہوئی گھر سے روانہ ہو کر جھاڑی کے پاس پہنچ گئی "وہ یہاں ہے۔ وہ یہاں ہے!"

پتھر کا نشان اسی جگہ تھا جہاں وہ چھوڑ گئی تھی۔

"میں تم کو ایک پیاری سی چیز دکھاؤں گی۔" پتھر ہٹاتے ہوئے اس نے راکی سے کہا اور احتیاط سے زمین کھودنے لگی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ پانچ سین کا سکہ غائب ہو چکا تھا! اتنی زیادہ حیران تو وہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ کیا کسی نے اُسے سکہ چھپاتے دیکھ تو نہیں لیا؟ وہ سوچ میں پڑ گئی یا پتھر جگہ سے ہٹ گیا تھا؟ اُس نے چاروں طرف سے کھود ڈالا لیکن پانچ سین کا سکہ کہیں نہ ملا۔ اُسے بڑی مایوسی ہوئی کہ وہ توموئے کے اپنے دوستوں کو اسے نہ دکھا سکی۔ اس سے بھی زیادہ دل میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ آخر یہ ہوا کیا اور یہ راز کیا ہے؟

اس دن کے بعد جب بھی وہ ادھر سے گزرتی جھاڑی میں گھس کر زمین کھودتی دیکھتی لیکن پانچ سین کا سکہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔

"شائد کوئی چھچھوندر اسے اٹھالے گئی ہو!"

یا کیا میں نے اسے خواب میں تو نہیں دیکھا تھا؟

یا پھر شائد اللہ میاں نے مجھے سکہ چھپاتے ہوئے دیکھ لیا ہو گا۔ وہ اس کے بارے میں چاہے جتنا بھی سوچے، واقعی بڑی عجیب و غریب سی تھی۔ اتنی پر اسرار کہ وہ اسے کبھی نہ بھلا سکی۔

اپنے ہاتھوں کے ذریعے بات چیت

ایک سہ پہر توت توچان نے جیو گاؤ کا ریلوے اسٹیشن کے ٹکٹ خریدنے والے پھاٹک کے پاس دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو ساتھ ساتھ کھڑے دیکھا جو عمر میں اس سے کچھ بڑے لگتے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر، کاغذ، قینچی والا کھیل کھیل رہے ہوں لیکن اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی انگلیوں سے کھیل میں عام طور پر کئے جانے والے اشاروں سے بہت زیادہ اشارہ کر رہے تھے۔

کتنا مزہ آرہا تھا۔ وہ ان کے قریب چلی گئی تاکہ دیکھ سکے کہ تینوں بچے بغیر آواز نکالے آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ کوئی ایک بہت سارے اشارے انگلیوں سے کرتا،

تب دوسرا جو غور سے دیکھ رہا ہوتا جلدی جلدی بہت سے نئے اشارے کرتا اور تب تیسرا تھوڑا سا اشارہ کر دیتا اور پھر تینوں ایک دم ہنس پڑتے مگر ہنسی کی زیادہ آواز نہ نکلتی۔ وہ تینوں بیحد مزے لے رہے تھے۔ کچھ دیر ان لوگوں کو دیکھ کر توت توچان اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ اپنے ہاتھوں کے ذریعے باتیں کر رہے تھے۔

کاش میں بھی اپنے ہاتھوں کے ذریعے باتیں کر سکتی۔ اُس نے رشک سے سوچا۔ اس نے سوچا جا کر ان لوگوں کی بات چیت میں شامل ہو جائے لیکن وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ اپنے ہاتھوں سے اُن سے پوچھے کیسے۔ اس کے علاوہ وہ بچے توموئے اسکول کے تھے بھی نہیں پھر تو یہ بدتمیزی ہو جاتی۔ لہٰذا وہ بس کھڑی انہیں اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک کہ وہ ٹوکیو جانے والی ریل گاڑی کے پلیٹ فارم پر نہیں چلے گئے۔

"ایک دن میں یہ ضرور سیکھوں گی کہ لوگوں سے ہاتھوں کے ذریعہ کیسے بات کی جاتی ہے" اس نے فیصلہ کیا۔

توت توچان کو اس وقت تک بہرے بچوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ وہ تینوں بچے اوئی ماچی میں گونگوں بہروں کے میونسپل اسکول گئے تھے، اور جس ریل گاڑی میں وہ روزانہ اسکول جاتی ہے، اسی کا آخری اسٹیشن ہے اوئی ماچی۔

توت توچان بس اسی خیال میں تھی کہ وہ بچے جس طرح چمکتی آنکھوں سے ایک دوسرے کی انگلیوں کو غور سے دیکھ رہے تھے، وہ سب کس قدر خوبصورت تھا۔ اس کا بیحد دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی روز اُن لوگوں سے دوستی کر پائے۔

سینتالیسواں رونن

مسٹر کوبایاشی کا تعلیمی نظام تھا تو انوکھا لیکن یوروپ اور دوسرے ملکوں کے خیالات کا ان پر بہت اثر پڑا تھا۔ توموئے میں یوریتھمکس، لنچ کے وقت کے طریقے اور رواج، اسکول سے سیروں پر جانا اور دن کے کھانے کے وقت کا گیت کھے لوکھے لو اپنی ناؤ وغیرہ اس بات کی مثال تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے دائیں بازو تھے مسٹر ماروباجو اگر کسی عام اسکول میں ہوتے تو شائد نائب پرنسپل کہے جاتے وہ بہت سی باتوں میں مسٹر کوبایاشی کی بالکل الٹ ہی تھے۔ اُن

کے نام مارویاما کا مطلب تھا "گول پہاڑی"! سو اُن کا سر بھی بالکل گول ہی تھا اور ایک بال بھی نہیں تھا اس کے اوپری حصے پر بس پیچھے کان کے پاس سے گردن تک سفید بالوں کی پتلی سی جھالر سی نظر آتی تھی۔ وہ عینک بھی گول ہی لگاتے تھے اور اُن کے گال بالکل سرخ تھے۔ وہ مسٹر کوبایاشی سے نہ صرف مختلف ہی دکھائی دیتے بلکہ چینی طرز کی کلاسیکی نظمیں، بڑی گمبھیر آواز میں ترنم سے سنایا کرتے تھے۔

چودہ دسمبر کی صبح کو جب سب بچے اسکول اسمبلی کے لئے جمع ہوئے تو مسٹر رویاما نے اعلان کیا۔

"آج ہی کے دن تقریباً ڈھائی سو سال پہلے سینتالیس رونن نے اپنا مشہور بدلہ لیا تھا۔ اس لئے ہم سب لوگ سن گا کو جی کے مندر جائیں گے اور ان کی سمادھی پر دعا کریں گے۔ تم لوگوں کے والدین کو پہلے ہی اس کی اطلاع دی جا چکی ہے۔"

ہیڈ ماسٹر نے مارویاما کے پلان کی مخالفت نہیں کی۔ مسٹر کوبایاشی اس بارے میں کیا سوچ رہے تھے یہ تو بچوں کے والدین کو معلوم نہیں تھا۔ لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ اگر ہیڈ ماسٹر اسکے خلاف نہیں ہیں تو ضرور انہوں نے جانے کی منظوری دے دی ہو گی۔ تو موئے کے بچوں کا سینتالیس رونن کے مقبرے پر جانا یقیناً کچھ پر اسرار رہا تھا۔

روانہ ہونے کے پہلے مسٹر مارویاما نے مشہور سینتالیس لوگوں کی کہانی سنائی کہ کیسے لارڈ آسانو کے یہ بہادر اور وفادار اپنے مرحوم مالک کا بدلہ لینے کے واسطے جن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوئی تھی تقریباً دو سال تک کوشش کرتے رہے تھے۔ ان سینتالیس لوگوں کے ساتھ رہے ای امانویا نام کا ایک بڑی ہمت والا سوداگر بھی تھا جو اُن کا ساتھ دے رہا تھا۔ یہ وہی تھا جس نے لڑنے کے واسطے ہتھیار دئے تھے اور جب شوگن (Shogun) افسروں نے اسے گرفتار کر لیا تو اُس نے اعلان کیا: "میں رائی ہائی امانویا ایک مرد ہوں" اور اُس نے کوئی بھی راز بتانے یا سازش کا اقبال کرنے سے انکار کر دیا۔

زیادہ تر کہانی بچوں کے سمجھ میں تو آئی نہیں لیکن وہ اسمیں ہی خوش تھے کہ پڑھائی نہیں ہو گی اور وہ کو ہون بت سو مندر سے بھی دور کسی جگہ پر جائیں گے اور پکنک لنچ اڑائیں گے۔ سارے کے سارے پچاس بچے ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسروں سے رخصت ہو کر سیر کے لئے

روانہ ہو گئے۔ مسٹر مارویاما اُن کے آگے آگے تھے۔ بچوں کی قطار میں سے کہیں کہیں یہ آواز سنائی دے جاتی تھی "میں رائی ہائی امانویا ایک مرد ہوں" لڑکیاں بھی یہ دعویٰ کر رہی تھیں اور پاس سے گزرنے والے مڑ کر دیکھتے اور ہنس پڑتے۔ سن گا کو جی سات میل دور تھا۔ سڑک پر موٹر گاڑیاں بہت کم تھیں۔ دسمبر کا آسمان نیلگوں ہو رہا تھا لیکن چلتے چلتے بچوں کی اس مستقل آواز سے کہ "میں رائی ہائی امانویا ایک مرد ہوں" یہ راستہ بالکل طویل نہیں لگا۔

جب بچے سنگا کو جی پہنچے تو مسٹر مارویا نے ہر بچے کو ایک ایک اگر بتی اور چند پھول دیئے۔ یہ مندر کو سون بت سو مندر کے مقابلے چھوٹا تھا لیکن وہاں ایک قطار میں بہت سی قبریں تھیں یہ یاد آتے ہی کہ یہ مندر سینتالیس رونن کی یاد میں بنایا گیا ہے توت توچان پھول اور اگر بتیاں قبر پر چڑھاتے ہوئے بڑی سنجیدہ ہوگئی اور شری مارویاما کی دیکھا دیکھی خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔ بچوں میں ایک سناٹا چھا گیا۔ تو موئے کے بچے اس قدر خاموش کبھی نہیں رہتے تھے ہر قبر کے سامنے سلگتی اگر بتی کا دھواں اوپر اُٹھ رہا تھا اور وہ بڑی دیر تک آسمانوں میں تصویریں بنا رہا تھا۔

اس کے بعد سے اگر بتی کی مہک سب بچوں کو ہمیشہ مسٹر مارویاما کی اور رائی ہائی امانویا کی یاد دلاتی رہی اور یہ خوشبو ان کے لئے خاموشی کی علامت بن گئی۔

بچوں کی سمجھ میں چاہے سینتالیس رونن کے بارے میں سب کچھ نہ بھی آیا ہو لیکن ان کے دل میں مسٹر مارویاما کے لئے جنہوں نے اِن آدمیوں کے بارے میں اس قدر جوش و خروش سے بتایا تھا اتنی ہی عزت اور محبت پیدا ہو گئی تھی جتنی کہ کوبایاشی کے لئے تھی۔ لیکن یہ کچھ دوسرے ہی قسم کی تھی۔ توت توچان کو ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں جو عینک کے موٹے شیشے کے پیچھے سے جھانکتی رہتی تھیں اور ان کی نرم اور دھیمی آواز جو ان کے اتنے بڑے جسم سے میل نہیں کھاتی تھی بہت پیاری لگتی تھی۔

ماساؤچان

اسٹیشن سے گھر آتے جاتے توت توچان کو ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا جہاں کوریائی لوگ رہتے تھے۔ ظاہر ہے توت توچان کو پتہ نہ تھا کہ وہ لوگ کوریا کے تھے۔ ان کے بارے میں اسے بس ایک بات معلوم تھی کہ وہاں ایک عورت رہتی تھی جو بیچ سے مانگ نکال کر اپنے بالوں کا جوڑا بنائے رکھتی ہے، وہ تھوڑا موٹی ہے اور پیروں میں ربڑ کے سفید جوتے پہنتی ہے جو سامنے سے کسی ناؤ کی طرح نوکیلے ہیں، اس کا لباس ایک لمبی اسکرٹ اور چھوٹا بلاؤز ہے جس کے سامنے ربن کا بڑا سا پھول لگا رہتا ہے۔ یہ عورت ہمیشہ اپنے بیٹے کو ہی ڈھونڈتی رہتی ہے۔ وہ زور سے اُسے پکارتی ہے "ماساؤچان! وہ ہمیشہ اس کا نام پکارتی ہے اور عام طور پر

لوگوں کی طرح مہ۔ سا۔ اور چان نہ کہہ کر سا پر زور دیتی ہے اور چان کو لمبا کھینچتی ہے۔ اونچی اور تیز آوازیں۔ اور توت توچان کو اس کا اس طرح پکارنا گہری اداسی سے بھرا لگتا ہے۔

یہ بستی اوئی ماچی کی ریل کی پٹریوں کے بالکل قریب ایک پشتے پر بسی ہوئی تھی۔ توت توچان کو معلوم تھا کہ ساؤچان کون لڑکا ہے۔ وہ عمر میں اس سے تھوڑا ہی بڑا تھا اور شاید دوسرے درجے میں پڑھتا ہوگا لیکن اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ کس اسکول میں جاتا ہے۔ لڑکے کے بال بڑے گندے اور اُلجھے ہوئے رہتے تھے اور ایک کتا بھی ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ ایک دن توت توچان پیدل گھر واپس آ رہی تھی اور پشتے کے پاس سے گزری۔ اسے مساؤچان پشتے پر، دونوں ٹانگیں پھیلائے اور ہاتھ کمر پر رکھے بڑے گھمنڈ کے انداز میں کھڑا دکھائی دیا۔

"کوریائی!" اس نے چلا کر توت توچان سے کہا۔ اس کی آواز حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی تھی۔ توت توچان ڈر گئی۔ اُس نے تو اس لڑکے کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی، بلکہ اس سے تو کبھی بات تک نہیں ہوئی تھی، اس لئے جب یہ لڑکا اس کینہ پرور انداز میں پشتے کے اوپر سے چیخا تو وہ بیحد ڈر گئی۔

گھر پہنچنے پر اس نے اس بارے میں ماں کو بتایا۔ "ماں مساؤچان نے مجھے کوریائی پکارا ہے"۔ ماں نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ توت توچان نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں وہ اُلجھن میں پڑ گئی اور سوچنے لگی کہ یہ شاید کوئی بہت بری بات ہوگی۔ ماں آنسو پونچھنے کے لئے نہیں رکیں۔ ان کی ناک سرے پر لال ہو رہی تھی وہ بولیں "بے چارہ بچہ!" لوگ اسے "کوریائی کوریائی" پکارتے ہوں گے اسی لئے وہ اس لفظ کو گندا اور خراب سمجھتا ہے۔ وہ شاید نہیں سمجھتا کہ اس کا کیا مطلب ہے کیونکہ وہ ابھی چھوٹا ہی ہے۔ وہ سمجھتا ہے یہ لفظ بھی یا کا لفظ کی طرح ہے جس کا استعمال لوگ "بدھو" یا بیوقوف کے لئے کرتے ہیں۔ مساؤچان کو لوگوں نے اتنی بار کوریائی کہا ہوگا کہ وہ اسے ایک خراب لفظ سمجھنے لگا ہے اور غصے میں اس کا جی چاہا ہوگا کہ وہ کسی اور کو برا بھلا کہے تو اس نے تم کو کوریائی کہہ دیا۔ لوگ اتنے بے درد کیوں ہوتے ہیں؟

اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ماں نے بڑی آہستگی سے توت توچان کو سمجھایا "تم ایک جاپانی ہو اور مساؤچان ایک دوسرے ملک سے آیا ہے جسے کوریا کہتے ہیں۔ لیکن وہ تمہارے

جیسا ہی ایک بچہ ہے۔ پیاری بیٹی توت توچان دیکھو کبھی یہ نہ سوچنا کہ لوگ الگ الگ ہوتے ہیں وہ آدمی تو جاپانی ہے اور "تو کوریائی" ہے ایسے ہرگز مت سوچنا کہ کبھی مساؤچان سے اچھی طرح پیش آنا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ ایسے سوچتے ہیں کہ اگر کوئی کوریائی ہے تو وہ برا ہی ہوگا۔"

یہ ساری باتیں سمجھنا توت توچان کے لئے ذرا مشکل ہی تھا مگر وہ یہ ضرور جان گئی کہ مساؤچان ایک چھوٹا سالڑکا ہے جسکے بارے میں لوگ بلاوجہ برا سوچتے ہیں۔ یہی وجہ ہوگی کہ مساؤچان کی ماں پریشان ہو کر اُسے ہر وقت ڈھونڈتی رہتی ہے۔ چنانچہ اگلی صبح کو جب وہ پشتے کے پاس سے گزری اور اس نے لڑکے کی ماں کو اسی درد بھری باریک سی آواز میں پکارتے سنا مساؤچان تو وہ سوچنے لگی کہ آخر وہ لڑکا کہاں ہوگا؟ اُس نے اپنے ذہن میں یہ طے کرلیا کہ حالانکہ وہ کوریائی نہیں ہے لیکن اگر مساؤچان نے اُسے پھر "کوریائی" پکارا تو وہ جواب دے گی کہ "ہم سب تو بچے ہیں۔ ہم سب ایک ہی سے ہیں"۔ اور وہ اس کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش کرے گی۔

مساؤچان کی آواز میں فکر و پریشانی اور ناراضگی ملی ہونے کے باوجود ایک ایسی خاص بات تھی کہ وہ بڑی دیر تک ہوا میں گونجتی رہتی اور پھر کسی گذرنے والی ریل گاڑی کے شور میں ڈوب جاتی۔

"مساؤ۔چان"

اگر کوئی ایک بار بھی دُکھ اور آنسوؤں بھری یہ آواز سن لیتا تو کبھی بھلا نہیں سکتا تھا۔

چوٹیوں کا شوق

ان دنوں توت توچان کی دو زبردست خواہشیں۔ تھیں ایک تو بلومر زپہننے کی اور دوسری اپنے بالوں کی چوٹیاں گوندھنے کی۔ ریل گاڑی میں وہ اکثر اپنے سے بڑی اسکولی لڑکیوں کو چوٹیاں باندھے دیکھا کرتی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کے بال بھی بڑے ہوتے اور وہ اپنی چوٹی گوندھتی۔ اس کی کلاس کی بچیوں کے بال زیادہ تر چھوٹے کٹے ہوئے تھے مگر توت توچان کے بال تھوڑے بڑے ہی تھے۔ وہ آڑی مانگ نکالتی، اور بال ربن سے بندھے ہوئے ہوتے۔ ماں

کو یہی پسند تھا۔ اس کے علاوہ توت توچان بال بڑھانا بھی چاہتی تھی تاکہ چوٹی بنا سکے۔

آخر ایک دن اس نے ماں سے کہہ کر ننھی ننھی چوٹیاں بنوالیں سرے کو ربر بینڈ اور پتلے ربن سے باندھ لیا تاکہ چوٹی کھل نہ جائے۔ اُسے لگنے لگا کہ وہ ایک بڑی سی طالبہ ہے۔ جب اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ریل میں ملنے والی لڑکیوں کے مقابلے میں اُس کی چوٹیاں پتلی اور چھوٹی چھوٹی سی تھیں اور سچ مچ پگ ٹیل یعنی سور کی دم جیسی لگ رہی تھیں لیکن وہ دوڑ کر راکی کے پاس گئی اور بڑی شان سے دونوں چوٹیاں اوپر اُٹھا کر اُسے دکھانے لگی۔ راکی نے ایک دوبار اپنی آنکھیں جھپکائیں۔

"کاش میں تمہارے بالوں کی چوٹیاں بنا سکتی۔" اس نے راکی سے کہا۔

جب وہ ریل گاڑی میں اسکول جا رہی تھی سر کو بالکل سیدھا رکھے ہوئے تھی اور بالکل ہلا نہیں رہی تھی اس ڈر سے کہ کہیں چوٹیاں کھل نہ جائیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیسا اچھا لگے اگر ریل گاڑی میں کوئی میری چوٹیاں دیکھ کر کہہ اُٹھے، "ارے کتنی پیاری چوٹیاں ہیں!" لیکن کسی نے بھی تو ایسا نہیں کہا۔ ہاں جب وہ اسکول پہنچی تب تومی او چان سکو چان کے ای کو آؤکی جو اس کی کلاس میں تھیں سب ہی ایک آواز ہو کر چلا اٹھیں "او۔ دو چوٹیاں"! (اوہ پگ ٹیلز) وہ بیحد خوش ہو گئی اور اس نے لڑکیوں کو چوٹی چھو کر دیکھنے دیا۔ لیکن کسی بھی لڑکے پر چوٹی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ کھانے کے وقفے کے بعد اچانک ہی اس کی کلاس کا ایک لڑکا جس کا نام اوای تھا چلایا "ارے واہ! توت توچان نے نئے اسٹائل کے بال بنائے ہیں۔" وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی کہ آخر کسی لڑکے نے اس کی چوٹی دیکھی تو سہی۔ اس نے بڑے فخر سے کہا "یہ پگ ٹیلز ہیں"۔

یہ سن کر وہ لڑکا پاس آگیا اور اس نے چوٹیاں دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں۔ بولا، "میں بڑا تھک گیا ہوں، سوچتا ہوں تھوڑی دیر ان کو پکڑ کر ان کے سہارے لٹکا رہوں۔ ارے یہ تو ریل گاڑی میں لگے تسمے سے بھی اچھی ہیں جن کو پکڑ کر سہارا لیتے ہیں۔" لیکن مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اوای دبلی پتلی اور چھوٹی سی توت توچان سے دوگنا بڑا تھا۔ وہ اپنے درجے کا سب سے بڑا اور موٹا لڑکا۔ اِس نے جب توت توچان کی چوٹیاں کھینچیں تو وہ لڑکھڑائی اور دھم سے

پیٹھ کے بل گر پڑی۔ چوٹی پکڑ کر اس طرح گرایا نہ بھی جائے مگر چوٹیوں کو تسمہ کہنا کیا کوئی کم دکھ پہنچانے والی بات تھی؟ لیکن جب اوای نے اسے چوٹیاں پکڑ کر اوپر اٹھانے کی کوشش کی اور زور لگا کے "ہیا ہو" کہنے لگا بالکل ویسے ہی جیسے کھیلوں کے دن پر رسہ کشی کے مقابلے میں ہوا تھا، تو توت توچان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

چوٹیاں اس کے لئے بڑی لڑکی ہونے کی علامت تھیں۔ اسے امید تھی کہ ان کی وجہ سے سب لوگ اس کے ساتھ بڑے ادب سے پیش آئیں گے۔ بس وہ روتی ہوئی ہیڈ ماسٹر کے آفس کی طرف دوڑی۔ جب انہوں نے دروازے پر اس کی آواز سنی تو دروازہ کھول کر ہمیشہ کی طرح جھک کر دیکھنے لگے۔ ان دونوں کے چہرے ایک سطح پر آمنے سامنے تھے۔

"ارے کیا ہو گیا؟" ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا۔

اپنی چوٹیوں کی جانچ کرنے کے بعد کہ کیا وہ ابھی ٹھیک سے گندھی ہوئی ہیں یا نہیں توت توچان نے کہا، "اوای نے ہیا ہو ہیا ہو، کہہ کر میری چوٹیاں کھینچی ہیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کے بالوں کو دیکھا۔ آنسوؤں سے تر اسکے چہرے کے بر خلاف انھیں لگا اُسکی ننھی ننھی چوٹیاں تو جیسے خوشی سے ناچ رہی تھیں۔ وہ بیٹھ گئے اور انہوں نے توت توچان کو بھی بیٹھالیا۔ ہمیشہ کی طرح اپنے ٹوٹے دانتوں کی پروانہ کرتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"رووَمت" وہ بولے "تمہارے بال تو بیحد پیارے لگ رہے ہیں"۔

کچھ شرماتے ہوئے اس نے آنسوؤں سے تر اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"اُف کمال کے خوبصورت ہیں یہ تو۔" انہوں نے جواب دیا۔ توت توچان نے رونا ختم کر دیا اور یہ کہتی ہوئی کرسی سے اتر گئی کہ "اب میں نہیں رووَں گی اوای "ہیا ہو" چلائے گا تب بھی نہیں"۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہنس کر تائید کی۔

توت توچان بھی مسکرا دی۔ اب اس کا مسکراتا چہرہ اسکی ننھی ننھی خوشی سے ناچتی ہوئی ننھی ننھی چوٹیوں سے بڑا میل کھا رہا تھا۔

بڑے ادب سے ہیڈ ماسٹر کے سامنے جھکتے ہوئے وہ واپس بھاگ گئی اور دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنا رونا بھول چکی تھی کہ اوای سر کھجاتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مجھے افسوس ہے میں نے تمہاری چوٹیاں کھینچیں۔" وہ کچھ زیادہ ہی زور سے اور سپاٹ آواز میں بولا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے بلا کر ڈانٹا ہے اور کہا ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے انہوں نے یہ بھی کہا کہ لڑکیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور ان کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔"

توت توچان کو سخت تعجب ہوا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی کسی کو یہ کہتے نہیں سنا تھا کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے ہر جگہ اہمیت لڑکوں کو ہی دی جاتی ہے۔ وہ ایسے خاندانوں کو جانتی تھی جہاں ڈھیروں بچے تھے۔ ہر جگہ ناشتہ کھانا سب لڑکوں کو ہی پہلے دیا جاتا تھا اور جب لڑکیاں باتیں کرتیں تو ان کی مائیں کہتیں چھوٹی لڑکیاں نظر تو آنی چاہئیں پر ان کی آواز نہ سنائی دے۔

اس سب کے باوجود ہیڈ ماسٹر صاحب نے اوای سے کہا کہ لڑکیوں کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ توت توچان کو پہلے تو یہ بات عجیب سی لگی پھر وہ سوچنے لگی کہ یہ کتنی اچھی بات ہے دیکھ بھال کی جائے تو بڑا مزہ آئے گا۔

اوای کو تو بڑا دھکا پہنچا تھا۔ ذرا سوچیے تو کسی سے کہا جائے کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھی طرح اور نرمی سے پیش آؤ! علاوہ اس کے تو موئے میں اوای کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب کی ڈانٹ کھانے کا یہ پہلا اور آخری موقعہ تھا اور یہ دن وہ کبھی نہیں بھولا۔

آپ کا شکریہ

نئے سال کی چھٹیاں نزدیک تھیں گرمیوں کی چھٹیوں کی طرح اس میں بچے اسکول میں جمع نہیں ہوئے بلکہ سارا وقت اپنے خاندان والوں کے ساتھ گذارا۔

مگی تا ہر وقت سب کو بتا تا رہتا تھا میں تو نیا سال اپنے دادا کے ساتھ کمیو شو میں مناؤں گا اور تائی چن جسے سائنس کے تجربے کرنا اچھا لگتا تھا کہتا کہ میں تو اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فزکس کی لیبارٹری دیکھنے جاؤں گا۔ وہ اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اچھا تو پھر ملیں گے کہتے ہوئے سب بچے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے لیکن جاتے جاتے بھی ایک

دوسرے کو اپنے اپنے پلان بتاتے رہے۔

توت توچان اپنے اماں ابا کے ساتھ اِسکی اِنگ (Sking) کرنے لگی۔ ابا کے دوست ہی دے او سے تو کا جو آرکیسٹرا میں چیلو بجاتے تھے اور کنڈکٹر بھی تھے شی گا پہاڑیوں پر ایک بڑا ہی خوبصورت گھر تھا۔ ہر سال سردیوں میں یہ لوگ وہاں جاکر ٹھہرا کرتے تھے۔ اس لئے توت توچان نے اُس وقت سے ہی جب وہ کنڈر گارٹن میں تھی اِسکی اِنگ کرنا سیکھنا شروع کر دیا تھا۔

گھوڑے سے کھینچی جانے والی سلیج میں بیٹھ کر ہی اسٹیشن سے اِسکئی کرنے والی جگہ پر پہنچا جاسکتا تھا۔ وہاں چاروں طرف بالکل سفید برف بچھی ہوتی تھی جس پر اس کی یا کسی اور چیز سے کوئی نشان نہیں پڑا ہوتا تھا۔ بس کہیں کہیں بیچ میں پیڑوں کے ٹھنٹھ دکھائی دے جاتے۔ ماں نے بتایا کہ جن لوگوں کے پاس ٹھہرنے کے لئے مسٹر یسو جیسے گھر نہیں تھے ان کے لئے جاپانی طرز کی ایک سرائے یا پھر مغربی طرز کا ایک ہوٹل تھا جہاں جاکر ٹھہرا جاسکتا تھا۔ مزے کی بات ہے کہ اسکے باوجود بھاری تعداد میں غیر ملکی لوگ وہاں آیا کرتے تھے۔ توت توچان کے لئے یہ سال پچھلے برسوں کے مقابلے میں ذرا مختلف تھا اب وہ ابتدائی اسکول میں پہلے درجے کی طالبہ تھی اور وہ تھوڑی بہت انگریزی بھی جان گئی تھی۔ ابا نے اسے "تھینک یو" کہنا سکھادیا تھا۔

ہر غیر ملکی جو برف کے بیچ توت توچان کو اِسکئی پہنے کھڑا دیکھتا، ضرور کچھ نہ کچھ کہتا۔ کتنی پیاری لگ رہی ہے! یا اسی طرح کی کوئی اور بات لیکن توت توچان تو سمجھ نہیں سکتی تھی اور اب تک تو وہ کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی لیکن اس سال تو وہ کوشش کر کے اپنا سر ہلاتی اور اور تھینک یو کہہ دیتی۔

غیر ملکی اس پر اور بھی مسکراتے اور ایک دوسرے سے کچھ کہتے۔ کبھی کبھی کوئی میم صاحبہ توت توچان کے گال پر اپنا گال رکھ دیتیں اور کوئی صاحب اُسے گلے لگا لیتے۔ توت توچان سوچتی صرف تھینک یو کہہ کر ہی لوگوں سے اچھی دوستی کر لینا کتنی مزے کی بات ہے۔

ایک دن ایک اچھا سا نوجوان اسکے پاس آیا اور اشارے سے اس سے کہا کیا تم میری اِسکئی کے سامنے بیٹھ کر پھسلنا چاہو گی؟ ابا نے کہہ دیا کہ وہ بیٹھ سکتی ہے۔

"آپ کا شکریہ!" توت توچان نے جواب دیا اور نوجوان آدمی نے اپنے دونوں پیر

جو اِسکئی پر تھے جوڑ لئے اور توت توچان کو سامنے کے حصے پر اکڑوں بٹھالیا۔ وہ شیگا پہاڑوں کی سب سے کم ڈھلانوں پر اپنی دونوں اسکیوں کو ملا کر توت توچان کو بٹھائے، اِسکئی کرنے لگا۔ وہ ہوا کی سی تیزی سے جا رہے تھے اور جب ہوا کانوں کے پاس سے گذرتی ہو تو سیٹیوں کی آواز سنائی دیتی۔ توت توچان اپنے دونوں گھٹنے کس کر جوڑے بیٹھی تھی تاکہ آگے نہ گر پائے۔ یہ سب ڈراؤنا تو تھا لیکن بڑا مزہ بھی آرہا تھا۔ جب وہ لوگ رک گئے تو لوگوں نے جو تماشہ دیکھ رہے تھے خوب تالیاں بجائیں۔ اِسکئی پر سے اٹھتے ہوئے توت توچان نے لوگوں کے سامنے ہلکا سا سر جھکایا اور بولی "تھینک یو"۔ اس پر تو اور بھی تالیاں بجیں۔

یہ تو اُسے بہت دنوں بعد پتہ چلا کہ اُس نوجوان کا نام شنیڈر تھا جو دنیا کا ایک انتہائی مشہور اِسکئی کرنے والا تھا۔ وہ ہمیشہ اِسکئی کرنے کے لئے چاندی کے ڈنڈے استعمال کرتا تھا۔ لیکن اس دن توت توچان کو جو بات سب سے زیادہ اچھی لگی وہ یہ تھی کہ جب وہ اِسکئی کرتے ہوئے ڈھلان پر سے نیچے پہنچے تھے اور سب نے تالیاں بجائیں تھیں تو شنیڈر نے جھک کر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور ایسی نظروں سے اسے دیکھا تھا جیسے وہ بڑی اہم شخصیت ہو اور کہا تھا "تھینک یو"۔ اس نے توت توچان کو بچی سمجھ کر برتاؤ نہیں کیا بلکہ اسے ایک خاتون جانا۔ جب وہ جھکا تھا تو توت توچان سمجھ گئی تھی کہ وہ ایک انتہائی شریف آدمی ہے۔ اور اُس کے پیچھے دور دور تک تھا سفید برفیلی گھاٹیوں اور چوٹیوں کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔

ریل کے ڈبے میں لائبریری

جاڑوں کی چھٹیوں کے بعد جب بچے اسکول واپس آئے تو انہیں ایک نئی اور عجیب چیز ملی جس کا خیر مقدم انہوں نے خوشی سے بھری چیخ و پکار سے کیا۔ اسمبلی ہال کے پاس کیاریوں کے نزدیک ایک نیا ریل ڈبہ کھڑا تھا۔ یہ کلاس روم والی ریل گاڑی کے ٹھیک سامنے ہی تھا۔ جب بچے نہیں تھے تو یہ ریل کا ڈبہ لائبریری بن گیا تھا۔ دربان۔ رے۔ او۔ چان نے جس کی سب بڑی عزت کرتے تھے اور جو ہر طرح کا کام کر سکتا تھا واقعی بڑی محنت کی تھی۔ اس نے ڈبے کے اندر بہت سے تختے لگا کر الماریاں بنادی تھیں جن میں طرح طرح کی اور رنگ برنگ کی

کتابیں بھری پڑی تھیں۔ ڈبے میں کرسیاں اور ڈیسک بھی تھے تاکہ بیٹھ کر پڑھا جا سکے۔

"یہ تمہاری لائبریری ہے"۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بتایا، تم میں سے ہر ایک جو کتاب چاہے پڑھ سکتا ہے۔ بالکل مت ڈرو کہ بعض کتابیں، خاص درجوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں، یا اس طرح کی کوئی پابندی ہے۔ تم جس وقت چاہو یہاں آسکتے ہو۔ اگر تم کتاب گھر لے جانا چاہتے ہو تو ضرور لے جاؤ لیکن یاد رکھو جب تم اسے پڑھ چکو تو واپس ضرور کر دینا! اور ہاں اگر تمہارے پاس ایسی کوئی کتاب ہو جس کے بارے میں تم سوچتے ہو کہ دوسرے لوگ بھی پڑھنا پسند کریں گے تو اسے یہاں لانا، مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ مطلب یہ کہ جتنا زیادہ پڑھ سکتے ہو تم لوگ پڑھو! آج پہلے گھنٹے میں لائبریری کی کتاب لئے لیتے ہیں سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ سچ؟ کیا تم سب لوگ ایسا کرنا چاہتے ہو؟ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بچوں کا جوش و خروش دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا پھر بولے "اچھا ٹھیک ہے کیوں نہ ایسا کر ہی لیں۔"

اسکے بعد تو موئے کے سارے طالب علم یعنی پچاس کے پچاس بچے لائبریری کے ریل ڈبے میں جا گھسے۔ سب نے جلدی جلدی اپنی پسند کی کتابیں چنیں اور بیٹھنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن آدھے ہی بیٹھ پائے۔ باقی کو کھڑا رہنا پڑا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ سچ مچ ہی ایک ریل گاڑی میں بڑی بھیڑ ہے جہاں لوگ کھڑے کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ کافی مضحکہ خیز سا منظر تھا!

بچے بیحد خوش تھے۔ توت تو چان نے ابھی پڑھنا بہت اچھی طرح نہیں سیکھا تھا تو اس نے ایک ایسی کتاب چنی جس میں بڑی ہی مزیدار تصویریں تھیں۔ جب سب بچوں کے ہاتھوں میں کتاب آگئی اور وہ ورق پلٹنے لگے تو ریل ڈبے میں اچانک خاموشی چھا گئی۔ لیکن یہ زیادہ دیر نہ رہ سکی۔ ملی جلی آوازوں سے جلدی ہی یہ خاموشی ٹوٹ گئی۔ کوئی زور سے پڑھ رہا تھا، تو کوئی دوسرے سے لفظوں کے معنی پوچھ رہا تھا۔ چند بچے کتابوں کی ادلا بدلی کر رہے تھے۔ پوری ریل گاڑی قہقہوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ ایک بچے نے گانے والی تصویریں نامی کتاب لے رکھی تھی اور وہ کتاب پڑھنے کے ساتھ ایک چہرے کی ڈرائنگ بھی بناتا جا رہا تھا اور کتاب میں لکھی تک بندی، زور زور سے پڑھ رہا تھا:

ایک گولا، ایک بندی۔ ایک گولا ایک بندی
ناک کی جگہ کانٹا کوئی، پھر ایک چکر، پھر ایک بندی
تین بال، تین بال، تین بال، اور واؤ!
پلک جھپکتے بن گئی دیکھو، موٹی "ہاؤس فراؤ" (عورت)

لفظ واؤ کہنے پر چہرے کو ایک گولے میں گھیرنا پڑتا تھا اور جونہی "پلک جھپکتے کہا جائے تو تین آدھے آدھے گولے بن جانے چاہئیں۔ اگر کوئی بچہ تینوں نشان صحیح بنالے تو نتیجہ کیا نکلتا تھا؟ پرانے طریقے سے بال بنائے ایک موٹی سی عورت کی شکل بن جاتی۔

تو موئے نے بچوں کو اپنے مضامین مرضی کے مطابق جس ترتیب میں چاہئیں پڑھنے کی اجازت تھی۔ اگر کچھ بچوں کے کوئی کام کرنے سے دوسروں کو پریشانی ہوتی یا اپنے کام میں وہ رکاوٹ محسوس کرتے تو اسے عجیب سمجھا جاتا تھا۔ انہیں ترتیب دی جاتی تھی کہ چاروں طرف چاہے جو بھی ہو رہا ہو، وہ اپنے کام پر دھیان لگائے رہیں۔ چنانچہ جب بچہ "ہاؤس فراؤ" بناتے بناتے زور زور سے گا رہا تھا تو کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی ہاں ایک دو اس کے ساتھ مل کر گانے ضرور لگے لیکن باقی سبھی اپنی اپنی کتابیں پڑھنے میں مصروف رہے۔

توت تو چان کی کتاب لگتا تھا کوئی لوک کہانی تھی۔ یہ ایک امیر آدمی کی لڑکی کے بارے میں قصہ تھا جس کی شادی نہیں ہو رہی تھی اس لئے کہ وہ بہت ہوا خارج کیا کرتی تھی۔ آخر کار مشکلوں سے ایک دولھا اس کے ماں باپ نے ڈھونڈھ ہی نکالا لیکن شادی کی رات وہ اتنی زیادہ خوش ہوئی کہ اُس کی ہمیشہ سے بھی زیادہ زور سے ہوا خارج ہو گئی۔ ایسی زور کی کہ

دولھا میاں ہی بستر سے اڑ گئے اور کمرے کے پورے ساڑھے سات چکر لگانے کے بعد وہ دھم سے نیچے گرے اور بیہوش ہو گئے۔ کتاب میں دی ہوئی تصویر میں دولھے کو اڑتے ہوئے اور کمرے میں چکر لگاتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور وہ بڑی دل چسپ تھی۔ بعد میں اس کتاب کی مانگ ہمیشہ بہت زیادہ رہتی تھی۔

جب اسکول کے سبھی طالب علم کسی ڈبے میں ٹھنسی ہوئی سارڈین مچھلیوں کی طرح لائبریری میں بھرے ہوئے تھے اور صبح کو کھڑکی سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی میں بڑے شوق سے کتابیں پڑھ رہے تھے تو اس نظارے نے ہیڈ ماسٹر کے دل کو خوش کر دیا ہو گا۔

بچوں نے وہ پورا دن لائبریری کے ریل ڈبے میں گزارا۔

اس کے بعد بارش کی وجہ سے جب کبھی بچے سیر کو نہیں جا پاتے تھے، یا پھر اور بہت سے وقتوں میں، لائبریری ان کے اکٹھا ہونے کی ایک بہت ہی پسندیدہ جگہ بن گئی۔

ایک دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا میں سوچتا ہوں کہ لائبریری کے پاس ہی ایک پاخانہ اور بنوا دوں۔ بات یہ تھی بچے کتابیں پڑھنے میں کچھ ایسے مگن ہو جاتے تھے کہ انہیں پیشاب کرنے کا دھیان ہی نہ رہتا اور آخر منٹ تک اُسے روکے رہتے اور جب انہیں اس کا خیال آتا تو پھر سب کے سب پاخانے کی طرف تیزی سے بھاگتے جو اسمبلی ہال سے کچھ دور تھا۔ اس وقت ان کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ پیشاب روکنے کی کوشش میں اکثر بچے اپنے جسم کو عجیب عجیب طرح سے اینٹھتے اور بل دیتے نظر آتے۔

دُم

ایک دن کیا ہوا کہ توت تو چان اسکول ختم ہونے کے بعد گھر جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک اوای بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور دھیمے سے بولا، "ہیڈ ماسٹر صاحب کسی پر بیحد ناراض ہو رہے ہیں۔"

"کہاں!" توت تو چان نے پوچھا۔ اس نے پہلے کبھی ہیڈ ماسٹر صاحب کو کسی پر بیحد ناراض ہونے کا ذکر تک نہیں سنا تھا اور بڑی حیران ہو گئی تھی۔ اوای کو بھی تعجب ہو رہا تھا کہ

وہ کیسے جلدی سے بھاگتا ہوا آیا تھا کہ توت تو چان کو یہ بات جلدی سے پہلے بتا دے۔

"وہ سب لوگ باورچی خانے میں ہیں"۔ اوای نے بتایا۔ اوای کی ہمیشہ ہنسنے والی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور نتھنے تھوڑے پھیل گئے تھے۔

"آؤ نا"۔ توت تو چان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دونوں ہیڈ ماسٹر کے گھر کی طرف تیزی سے بھاگے۔ اُن کا گھر اسمبلی ہال کے پاس ہی تھا۔ جب توت تو چان ایک مرتبہ گندے پانی کے حوض میں گر پڑی تھی تو اسی باورچی خانے سے گزر کر اُسے غسل خانے لے جایا گیا تھا اور اچھی طرح دھویا گیا تھا اسی باورچی خانے میں روزانہ کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے پکتا تھا اور بچوں میں بانٹا جاتا تھا۔ جونہی دونوں بچے دبے پاؤں باورچی خانے کی طرف چلے انہیں بند دروازے کے پیچھے سے ہیڈ ماسٹر صاحب کی غصے سے بھری آواز سنائی دی۔

"آخر تم نے تاکاہاشی سے بلا سوچے سمجھے یہ کہا کیسے کہ اسکے ایک دم ہے؟"

یہ اُن کی کلاس ٹیچر تھیں جنہیں تنبیہ کی جا رہی تھی۔

"میں نے کوئی سنجیدگی سے تو یہ بات کہی نہیں تھی۔" انہوں نے ٹیچر کو یہ جواب دیتے سنا۔ "بس اس وقت اتفاق سے میری نظر اس پر پڑ گئی اور وہ بڑا پیارا لگ رہا تھا۔"

"لیکن کیا تم کو اس بات کی اہمیت نظر نہیں آتی کہ تم نے کیا کہا؟ میں تم کو کیسے سمجھاؤں کہ میں تاکاہاشی کے سلسلے میں کس قدر احتیاط برتتا ہوں اور اُس کا کتنا خیال کرتا ہوں؟"

توت تو چان کو یاد آ گیا کہ اُس روز کلاس میں کیا ہوا تھا۔ کلاس ٹیچر بچوں کو بتا رہی تھیں کہ ابتدا میں انسانوں کے دم ہوا کرتی تھی۔ بچوں کو یہ بات بڑی دل چسپ لگی۔ بڑے لوگ شاید ٹیچر کی بات چیت کے بارے میں کہتے کہ یہ ارتقاء کے نظریے کا ابتدائی سبق تھا۔ بچوں کو یہ بات چیت بہت زیادہ پسند آئی اور جب ٹیچر نے انہیں یہ بتایا کہ ہر ایک کے دُم کی جگہ پر اب ایک ہڈی ہوتی ہے جسے کوسِکس (Coccyx) کہتے ہیں تو ہر بچہ سوچنے لگا کہ اُس کی یہ ہڈی کہاں ہو گی اور جلدی ہی پوری کلاس میں ایک شور مچ گیا۔ آخر میں ٹیچر نے مذاق سے کہا تھا "کہ شاید اب بھی تم میں سے کوئی ایسا ہو جس کے ایک پوری دُم ہو۔ کیوں تاکاہاشی۔۔ تمہارے تو نہیں ہے؟"

تاکاہاشی نے جلدی سے سر ہلاتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا تھا نہیں میرے تو نہیں ہے۔

توت توچان سمجھ گئی کہ ہیڈ ماسٹر اسی واقعہ کا ذکر کر رہے تھے لیکن اب ان کی آواز میں غصہ نہیں تھا بلکہ ایک درد سا تھا۔

"کیا تم کو یہ سوچنے کا خیال آیا تھا کہ اگر تاکاہاشی سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے دُم ہے تو اُسے کیسا لگے گا؟"

بچے ٹیچر کا جواب نہ سن سکے۔ توت توچان کے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ہیڈ ماسٹر دُم کے بارے میں پوچھنے پر اس قدر خفا کیوں تھے۔ اُسے تو بہت ہی اچھا لگتا اگر ہیڈ ماسٹر صاحب اُس سے پوچھتے کہ کیا تمہارے دُم ہے؟

ظاہر ہے اس میں کوئی خامی نہیں تھی تو اُسے اس طرح کے سوال کی کوئی پرواہ نہ ہوتی لیکن تاکاہاشی کی نشو و نما رک گئی تھی اور وہ یہ بات جانتا تھا کہ اب وہ نہیں بڑھے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہیڈ ماسٹر نے کھیل دن کے موقعہ پر ایسے ایسے مقابلے سوچے تھے جنہیں تاکاہاشی خوب اچھی طرح کر سکے۔ انہوں نے بغیر سوئمنگ سوٹ پہنے بچوں کو تالاب میں نہانے دیا تھا تا کہ تاکاہاشی جیسے بچے اپنے شرمیلے پن پر قابو پا سکیں۔ انھوں نے تاکاہاشی اور یاسوا کی چان جیسے بچوں کو ہر طرح مدد دینے کی کوشش کی کہ اگر انہیں کوئی نفسیاتی الجھن یا یہ احساس ہو کہ وہ دوسرے بچوں سے کم ہیں تو وہ بالکل ختم ہو جائے۔

ہیڈ ماسٹر سوچ ہی نہیں پاتے تھے کہ کوئی کس طرح تاکاہاشی سے، صرف اسلئے کہ وہ بڑا پیارا لگ رہا تھا، بغیر کچھ سوچے سمجھے، یہ پوچھ بیٹھے کہ کیا اس کے دُم ہے؟

جب ٹیچر نے یہ پوچھا تھا تو ہیڈ ماسٹر صاحب کلاس کی پڑھائی دیکھنے آئے تھے اور پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

توت توچان نے کلاس ٹیچر کے رونے کی آواز سنی۔ "مجھ سے بڑی سخت غلطی ہو گئی۔" وہ سسکیاں لے رہی تھیں۔

"تاکاہاشی سے معافی مانگنے کے لئے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

ہیڈ ماسٹر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ توت توچان شیشے کے دروازے کے بیچ سے انہیں نہیں دیکھ سکی لیکن اس کا بے حد دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان کے پاس ہوتی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر یہ سب کس بارے میں ہے لیکن اس کو یہ احساس تو پہلے سے بھی کچھ ہو رہا تھا کہ

کہ وہ بچوں کے گہرے دوست تھے۔ اوای نے ایسا ہی سوچا ہو گا۔ توت توچان یہ کبھی نہیں بھولی کہ کیسے ہیڈ ماسٹر نے کلاس ٹیچر کو، اساتذہ کے کمرے میں نہیں جہاں اور بھی ٹیچر موجود تھے، بلکہ باورچی خانے میں نصیحت کی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں ایک بہترین تعلیم داں تھے جیسا کہ اس لفظ سے ظاہر ہے، حالانکہ توت توچان کو اُس وقت یہ احساس نہیں ہوا تھا۔ اُن کی آواز اور ان کے الفاظ ہمیشہ اس کے دل میں رہے۔

موسم بہار آیا ہی چاہتا تھا۔ تو موئے میں توت توچان کی یہ دوسری بہار تھی اور نئے اسکولی سال کی شروعات بھی۔

تو موئے میں توت توچان کا دوسرا سال

اسکول کے میدان میں سبھی پیڑوں پر نئی ہری کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں اور کیاریوں میں لگے پھول کھلنے میں مصروف تھے۔ لگتا جیسے کیسو، زرد نرگس، اور پینزی کے پھول باری باری سر اٹھا کر تموئے کے بچوں سے کہہ رہے ہوں "کیسے ہو تم؟" اور لالہ کے پھولوں نے انگڑائی لے کر اپنی ڈالیں بڑھالی ہوں۔ دھیمی نرم ہواؤں کے بہنے سے چیری کی کلیاں کانپ اٹھتیں اور بالکل تیار نظر آتیں کہ وہ بس اِک اشارے کی منتظر ہیں کہ کھِل اٹھیں!

تیرنے والے تالاب کے نزدیک سیمنٹ سے بنی پیر دھونے کی ایک چھوٹی سلفچی میں کالی مچھلیاں اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے والی سنہری مچھلیاں تھر تھرا اُٹھیں اور پانی میں تیرنے لگیں۔

کسی کو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ "بہار آگئی" کہ ایسے موسم میں اعلان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جب وہ ہر چیز چمک اُٹھتی ہے، تازہ ہو جاتی ہے، اور خوش نظر آتی ہے سب ہی جانتے تھے کہ بہار آگئی ہے!

اُس صبح کو ٹھیک ایک سال گذر چکا تھا، جب توت توچان پہلی بار ماں کے ساتھ تو موئے گاکواین آئی تھی۔ وہ اسکول کے پھاٹک کو زمین سے اگتے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی اور ریل کے ڈبوں میں کلاس روم دیکھ کر تو خوشی سے ایسی دیوانی ہوئی تھی کہ کبھی ڈبوں میں

چڑھتی تو کبھی نیچے کود جاتی۔ اسے پکا یقین تھا کہ ہیڈ ماسٹر سوسا کو بایاشی اُس کے دوست تھے۔ اب سال بھر بعد توت تو چان اور اس کے کلاس کے ساتھیوں کا نیا ہی رتبہ ہو گیا تھا اور وہ سب خوش ہو رہے تھے۔ یہ سارے بچے اب دوسرے درجے میں آ گئے تھے۔ پہلے درجے کے نئے بچے اسی طرح حیرانی اور تعجب سے چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے جیسے توت تو چان اور اُس کے ساتھیوں نے پچھلے سال کیا تھا۔

توت تو چان کے لئے پچھلا سال نئے نئے واقعات سے بھرا ہوا تھا اور اس کی ہر صبح کا اس نے بڑے اشتیاق سے انتظار کیا تھا۔ اب بھی اُسے سڑکوں پر گانے والوں کی ٹولیاں پسند تھیں لیکن اب اسے اپنے چاروں طرف کی اور بہت سی چیزیں بھی اچھی لگنے لگیں تھیں۔ وہ چھوٹی سی لڑکی جس کو سب کے لئے پریشانی کا سبب بننے پر اسکول سے نکال دیا گیا تھا اب ایک ایسی لڑکی بن گئی تھی جو تو موئے کے شایانِ شان تھی۔

بعض والدین تو موئے اسکول کے طریقۂ تعلیم کے بارے میں شبہات رکھتے تھے۔ ایک وقت تو توت تو چان کے ابا اماں بھی یہ سوچنے لگے تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو تو موئے میں داخلہ دلوا کر ٹھیک بھی کیا ہے کہ نہیں۔ چند ماں باپ جو تو موئے کے طریقۂ تعلیم کے بارے میں مشکوک تھے اور اُسے اوپری نظر سے جانچتے تھے، انہوں نے بہ ظاہر جو کچھ دیکھا اس سے تو وہ اپنے بچوں کو وہاں چھوڑنے کے سلسلے میں اتنا گھبرا گئے کہ انہوں نے بچوں کو کسی اور اسکول میں بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ لیکن بچوں کا یہ عالم تھا کہ وہ تو موئے اسکول چھوڑنا ہی نہیں چاہتے تھے اور روتے پیٹتے۔ خوش قسمتی سے توت تو چان کی کلاس کا کوئی بچہ اسکول نہیں چھوڑ رہا تھا لیکن اُس سے ایک درجہ آگے کے ایک لڑکے کے گال اسکول سے جاتے وقت آنسوؤں سے تر تھے اور وہ اپنی بے بسی اور دُکھ کا اظہار ہیڈ ماسٹر صاحب کی پیٹھ پر اپنی بند مٹھیوں سے مکّے برساتے ہوئے کر رہا تھا۔

ہیڈ ماسٹر کی آنکھیں بھی رونے کی وجہ سے سُرخ ہو گئی تھیں۔ آخر لڑکے کے ماں باپ ہاتھ پکڑ کر اُسے اسکول سے لے جانے لگے۔ جاتے وقت وہ مڑ مڑ کر، بار بار ہاتھ ہلاتا جا رہا تھا۔

لیکن اس طرح کے دُکھ بھرے واقعات زیادہ نہیں ہوئے تھے اور اب توت تو

چان دوسرے درجے کی طالبہ تھی اور وہ دل میں، ہر دن نئی نئی باتوں اور خوشیوں کی امید لگائے ہوئے تھی۔

اور اب تو توت تو چان کا بستہ بھی اُس کی پیٹھ سے کافی واقفیت حاصل کر چکا تھا۔

ہنسوں کی جھیل

ایک بار توت تو چان کو ہنسوں کی جھیل نامی بیلے رقص دکھانے کے لئے ہی یا ہال لے جایا گیا۔ اس کے ابا وائلن کی دھُن اکیلے بجا رہے تھے اور ایک بہت ہی اچھی رقص منڈلی یہ رقص پیش کر رہی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ توت تو چان کوئی بیلے دیکھنے گئی تھی۔ ہنسوں کی رانی کے سر پر ایک چھوٹا سا جھلملاتا تاج اور وہ ہوا میں، بلا کسی کوشش کے اصلی ہنس کی طرح اچھل جاتی تھی یا پھر توت تو چان کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔ شہزادہ ہنسوں کی رانی کی محبت میں گرفتار ہو گیا ور دوسرے ہنسوں کو چھوڑ دیا۔ آخر میں دونوں ساتھ ساتھ ناچتے ہیں بیحد پیارے انداز میں، موسیقی نے بھی توت تو چان پر گہرا اثر ڈالا۔ جب وہ گھر واپس لوٹی تو دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ اگلے دن صبح جب وہ اُٹھی تو سیدھی ماں کے پاس چلی گئی۔ اس نے بالوں میں برش بھی نہیں کیا تھا۔ وہاں اس نے اعلان کیا۔ ”اب میں جاسوس یا سڑکوں پر گانے والی نہیں بننا چاہتی۔ اور نہ ہی ریل ٹکٹ بیچنے والی بنوں گی۔ میں تو بیلے کی رقاصہ بنوں گی اور ”ہنسوں کی جھیل“ کے رقص میں ناچوں گی!“

”اوہ“۔ ماں نے کہا۔ وہ بالکل حیران نہیں ہوئیں۔

بیلے رقص توت تو چان نے پہلی ہی بار دیکھا تھا لیکن ہیڈ ماسٹر سے وہ کئی بار اُسا ڈورا ڈنکن کے بارے میں سن چکی تھی، جو ایک امریکی خاتون تھیں اور بڑی خوبصورتی سے رقص کرتی تھیں۔ مسٹر کوبایاشی کی طرح وہ بھی ڈل کروز سے بیحد متاثر تھیں۔ توت تو چان کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہیڈ ماسٹر کو بھی جنہیں وہ اس قدر پسند کرتی تھی اُساڈورا ڈنکن اچھی لگتی تھیں اور حالانکہ اُس نے اساڈورہ کو کبھی رقص کرتے نہیں دیکھا تھا لیکن اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ انہیں جانتی ہے۔

لہٰذا رقاصہ بننا توت تو چان کے لئے کوئی ایسی عجیب و غریب بات نہیں تھی۔

ایسا ہوا کہ مسٹر کوبایاشی کے ایک دوست کا جو یوریتھمکس سکھانے اسکول آتے تھے نزدیک ہی رقص کا ایک اسٹوڈیو تھا، ماں نے انتظام کر دیا کہ وہ اسکول سے وہاں جا کر رقص سیکھے۔ ماں کبھی یہ نہیں کہتیں تھیں کہ توت تو چان یہ کرے وہ نہ کرے بلکہ جب بھی وہ کچھ کرنا چاہتی تھی تو وہ مان جاتی تھیں اور طرح طرح کے سوالات پوچھنے کے بجائے پہل کر کے سارا انتظام خود کر دیتیں۔

توت تو چان نے اسٹوڈیو جا کر رقص کا سبق لینا شروع کر دیا۔ وہ پہلے ہی روز سے اس کا انتظار کرنے لگی تھی جب وہ ہنسوں کی جھیل بیلے میں رقص کرے گی۔ لیکن رقص کے ٹیچر کا ناچ سکھانے کا اپنا ہی ایک خاص طریقہ تھا۔ تو موئے میں یوریتھمکس کی مشق کرانے کے علاوہ وہ طالب علموں کو پیانو! اور فوٹوگراف کی موسیقی کے ساتھ ساتھ چلنے کو بھی کہتے۔ بچے تال پر چلتے ہوئے ایک دُعا ''میر روح کو پاک کرو'' کی کسی لائن کو دوہراتے جاتے جیسے ''اوہ پہاڑوں پر چمکو'' اسے فوجی اور فجی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے والے یاتری بھی، پہاڑ پر چڑھتے ہوئے، دوہراتے جاتے تھے۔ اچانک ٹیچر چلاتے پوز بناؤ! اور سارے بچے کوئی نہ کوئی پوز بنا کر جیسے وہ خود ہی سوچتے، چپ چاپ کھڑے ہو جاتے۔ ٹیچر ''آخ'' کہہ کر یا ایسی ہی کوئی آواز نکال کر خود بھی پوز بنا کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ کبھی تو اوپر منہ کر لیتے جیسے جنت دیکھ رہے ہوں یا کبھی کسی ایسے شخص کا پوز بناتے جو انتہائی تکلیف میں ہو۔ وہ جھک کر اکڑوں بیٹھ جاتے اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیتے۔

لیکن توت تو چان کے ذہن میں تو کچھ اور ہی بسا ہوا تھا وہ تھا جھل مل کرتا تاج اور جھالر لگا سفید لباس پہنے ایک ہنس۔ وہ ''پہاڑوں پر چمکو'' یا آخ نہیں تھا۔

ایک دن توت تو چان ہمت کر کے ٹیچر کے پاس گئی۔ وہ تھے تو مرد لیکن ان کے بال گھنگھر والے اور ماتھے پر جھالر کی طرح کٹے ہوئے تھے۔ توت تو چان نے اپنی دونوں باہیں پھیلا کر انہیں ہنس کے پنکھ کی طرح پھڑ پھڑایا۔

''کیا ہم کبھی بھی ایسی کوئی چیز نہیں کریں گے؟'' اس نے پوچھا۔ ٹیچر ایک خوبصورت آدمی تھے ان کی آنکھیں بڑی، گول اور ناک طوطے جیسی تھی۔ ''نہیں ہم اس

طرح کا رقص یہاں نہیں کرتے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد توت تو چان نے رقص کے اسٹوڈیو جانا چھوڑ دیا۔ سچ ہے کہ اسے بیلے کے جوتے پہن کر نہیں بلکہ ننگے پیر ادھر اُدھر اچھلنا کودنا اور خود سوچے ہوئے پوز بنانا بہت اچھا لگتا تھا، لیکن کچھ بھی ہو اسکی یہ خواہش بھی تو تھی کہ وہ ایک چھوٹا سا جھل مل کرتا تاج پہن لے!

''ہنسوں کی جھیل بہت اچھا رقص ہے۔'' ٹیچر نے کہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ کچھ اپنے خیال کے مطابق ناچو۔''

بہت سال گذر جانے کے بعد ہی توت تو چان کو معلوم ہوا کہ اُن کا نام باکواشی تھا اور انہوں نے نہ صرف جاپان میں آزاد بیلے کی ابتداء کی تھی بلکہ اس علاقے کا نام بھی جیوگاؤ رکھا جس کے معنی ہیں ''آزادی کی پہاڑی۔''

ان سب باتوں کے علاوہ انہوں نے ہی جو اس وقت پچاس برس کے ہو چکے تھے، توت تو چان کے لئے آزادی کے ساتھ ناچنے کا موقعہ فراہم کیا تھا۔

کھیتی باڑی کے ٹیچر

''یہ تمہارے آج کے ٹیچر ہیں جو تمہیں بہت طرح کی چیزیں دکھائیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے ہیڈ ماسٹر نے ایک نئے ٹیچر کا تعارف کرایا۔ توت تو چان نے بڑے غور سے انہیں دیکھا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ بالکل کسی ٹیچر جیسا لباس نہیں پہنے ہوئے تھے۔ ان کی قمیض کے اوپر مزدوروں جیسا ایک سوتی دھاری دار جیکٹ تھا، اور گردن میں ٹائی کی جگہ ایک تولیہ لپٹا ہوا لٹک رہا تھا۔ جہاں تک پتلون کا سوال ہے تو وہ گہرے نیلے رنگ کے سوتی کپڑے کا تھا جس کی مہریاں تنگ تھیں اور جس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ جوتوں کی جگہ انہوں نے مزدوروں کا موٹا سا دوہرے پنجوں والا ربڑ کے تلوں کا موزہ پہن رکھا تھا اور سر پر پیال کی بنی ٹوپی تھی جو کافی خستہ حال تھی۔

اس وقت سارے بچے کو ہن بت سومندر کے پاس ایک تال کے قریب اکٹھا تھے۔ توت تو چان ٹیچر کو گھورے جا رہی تھی۔ اُسے ایک دم خیال آیا کہ انہیں تو پہلے بھی کہیں

دیکھا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر کہاں دیکھا ہوگا؟ ان کا رحم دل چہرہ دھوپ سے تپا ہوا اور جھریوں دار تھا۔ ان کی کمر سے بندھی کالی ڈوری میں، جو پیٹی کا کام دے رہی تھی لٹکتا ہوا پتلا سا پائپ بھی جانا پہچانا سا لگا۔ اچانک اُسے یاد آگیا!

اُس نے خوش ہو کر ان سے پوچھا "آپ وہی کسان ہیں نا جو چشمے کے قریب کھیت میں کام کرتے ہیں؟"

"ہاں بالکل ٹھیک ہے"۔ ٹیچر نے کہا۔ مسکراتے ہوئے ان کے دانت نظر آرہے تھے اور چہرے کی جھریاں اور زیادہ اُبھر آئیں تھیں۔ "کو ہن بت سو کی سیر کو جاتے ہوئے تم لوگ ہزبار میری جگہ کے پاس سے گذرتے ہو! وہ میرا کھیت ہے۔ وہاں وہ والا جس میں سرسوں کے پھول کھل رہے ہیں۔"

"او ہو! تو آج آپ ہمارے ٹیچر ہوں گے"۔ بچے خوشی سے چلائے۔ "نہیں بچو"۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے چہرے کے آگے ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی ٹیچر نہیں ہوں میں تو صرف ایک کسان ہوں۔ تمہارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ کچھ بتاؤں تم کو۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"ہاں ہاں۔ وہ ٹیچر ہیں۔ تمہارے کھیتی باڑی کے ٹیچر۔" ہیڈ ماسٹر نے کہا جو ان کے پاس ہی کھڑے تھے۔ "انہوں نے نے بڑا کرم کیا ہے کہ تمہیں یہ سکھانا مان لیا ہے کہ کھیتی کیسے کرتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی تندور والا بھی ہمیں یہ سکھائے کہ روٹیاں کیسے پکاتے ہیں۔ ہاں تو اب آیئے انہوں نے کسان سے کہا۔ بچوں کو بتایئے کہ کیسے کیا کیا کرتے ہیں؟ اور ہم کام شروع کر دیں۔"

کسی بھی معمولی ابتدائی اسکول میں تو اگر کوئی بچوں کو کچھ سکھائے تو غالباً اس کے پاس کوئی ڈگری ضرور ہونی چاہیے لیکن مسٹر کوبایاشی اس طرح کی باتوں کی فکر نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اصل چیز یہ ہے کہ بچے خود دیکھیں کہ مختلف کام کس طرح کیے جاتے ہیں اور سیکھیں۔

"اچھا تو پھر شروع کریں"۔ کھیتی باڑی کے ٹیچر نے کہا۔

جس جگہ وہ لوگ اکٹھا ہو گئے تھے وہ کو ہن بت سو کے تالاب کے پاس کی جگہ تھی

جو خاص طور پر بڑی پر سکون تھی۔ ایک خوش گوار جگہ جہاں تالاب پر پیڑوں کی چھاؤں تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پہلے سے ہی وہاں ریل گاڑی کا ایک پرانا ڈبہ کھڑا کر دیا تھا کہ بچے اپنا کھیتی باڑی کا سامان رکھ سکیں جیسے پھاوڑا کھرپا وغیرہ۔ یہ ریل ڈبہ اس کھیت کے بیچوں بیچ رکھا بڑا پرامن لگ رہا تھا جہاں بچے کھیتی کرنے والے تھے۔

کھیتی باڑی کے ٹیچر نے بچوں سے کہا کہ وہ ریل ڈبے سے اپنا پھاوڑا اور کھرپا نکال لائیں۔ پھر انہوں نے بچوں سے کھیت کی گھاس پھوس صاف کرانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بچوں کو گھاس پھوس کے بارے میں سب کچھ بتایا کہ وہ کس قدر سخت جان ہوتی ہے، کیسے بعض قسم کے اناج کے پودوں سے بھی زیادہ تیزی سے اُگتی ہیں، اور لمبی ہو کر پودوں پر پڑنے والی دھوپ کو روک دیتی ہیں۔ یہ گندے خراب کیڑوں اور جانوروں کے چھپنے کی کس طرح اچھی جگہیں بن جاتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ گھاس پھوس اور کھر پتوار اس طرح مٹی سے نمی اور پودوں کی ساری خوراک کھینچ لیتی ہیں اور ایک مصیبت بن جاتی ہیں۔ انہوں نے ایک کے بعد ایک بہت سی باتیں بتائیں اور جب وہ باتیں کرتے تھے تو ان کے ہاتھ برابر گھاس پھوس اکھاڑتے جاتے تھے اور کبھی رکتے نہ تھے۔ بچے بھی ایسا ہی کر رہے تھے۔ پھر ٹیچر نے انہیں دکھایا کہ کھرپا کیسے چلاتے ہیں کیاریاں کیونکر بناتے ہیں اور کیسے کھاد پھیلائی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ انہوں نے وہ ہر ضروری بات سمجھائی جو کھیت میں کچھ بونے اور اگانے کے لئے کی جاتی ہے۔ ٹیچر وہ کام خود کر کے دکھاتے اور ساتھ ہی ساتھ سمجھاتے بھی جاتے۔

ایک چھوٹے سے سانپ نے منھ اوپر اٹھا کر ایک بڑے لڑکے تاچان کو تقریباً ڈس ہی لیا تھا لیکن ٹیچر نے یقین دلایا کہ۔ "یہاں کے سانپ زہریلے نہیں ہوتے اگر تم انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ تو وہ بھی تم کو بالکل نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" یہ سکھانے کے علاوہ کہ کھیت میں فصل کیسے لگائی جاتی ہے، کھیتی باڑی کے ٹیچر بچوں کو، کیڑوں مکوڑوں، چڑیوں، تتلیوں اور موسم کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں بتائیں۔ انہوں نے اور بھی طرح طرح کی باتیں بچوں کو بتائیں۔ ان کے مضبوط گٹھیلے ہاتھ کو دیکھ کر اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ انہوں نے جو کچھ بھی بتایا ہے وہ خود انہیں اپنے تجربے سے حاصل ہوا ہے۔

ٹیچر کی مدد سے جب بچے کھیت میں فصل لگانے کا کام ختم کر چکے تو وہ پسینے سے

شرابور ہو رہے تھے۔ سوائے چند کیاریوں کے جو ذرا ٹیڑھی میڑھی تھیں، پورا ہی کھیت، جدھر بھی نظر ڈالو، بہت ہی ٹھیک ٹھاک اور صاف ستھرا نظر آرہا تھا۔ کوئی بھی غلطی نہیں تھی۔

اُس روز سے بچے کسان کی بڑی عزت کرنے لگے اور جب کبھی وہ نظر آجاتے، چاہے دور سے ہی سہی تو وہ چلا اٹھتے "وہ رہے ہمارے کھیتی باڑی کے ٹیچر۔" کسان کے پاس جب کبھی تھوڑی کھاد بچ رہتی تو وہ اسے اسکول لاکر بچوں کے کھیت میں پھیلا دیتے اور ان کی فصل خوب اچھی ہو جاتی تھی۔ ہر روز کوئی نہ کوئی بچہ کھیت پر جاتا اور پھر آکر ہیڈ ماسٹر اور دوسرے بچوں کو خبر دیتا کہ کھیت کیسا ہے بچوں نے جو بیج خود اپنے ہاتھوں سے بوئے تھے انہوں نے دھرتی سے انہیں پھوٹتے اور پہلی بار پھلتے پھولتے دیکھ کر بیحد خوشی حاصل کی۔

اور کبھی دو یا تین بچے اکٹھا ہوتے تو بات چیت گھوم پھر کر ہمیشہ کھیت کے پھلنے پھولنے اور اس کی ترقی پر آجاتی۔

دُنیا کے مختلف حصوں میں بڑی بھیانک باتیں ہو رہی تھیں۔ لیکن تو موئے کے بچے جب اپنے چھوٹے سے کھیت کی باتیں کرتے تو ایسا لگتا کہ ابھی تک وہ امن واماں کے گہوارے میں ہی ہیں۔

کھلے میدان میں باورچی خانہ

ایک دن جب اسکول ختم ہو گیا تو توت توچان کسی سے بات کئے بنا اور خدا حافظ کہے بغیر ہی پھاٹک سے باہر نکل گئی اور جی او گاؤ کا اسٹیشن کی طرف تیزی سے چل پڑی۔ وہ اپنے آپ ہی بار بار بڑبڑاتی جا رہی تھی کہ "تھنڈر کینی اَن کُھلا باورچی خانہ۔ تھنڈر کینی اَن کھلا باورچی خانہ"۔

چھوٹی سی لڑکی کے لئے ایک جملے کا یہ حصہ مشکل ضرور تھا لیکن کا مک رُکا گو کی کہانی کے اس آدمی کے نام سے تو زیادہ بُرا نہ تھا جسے بتانے میں اس قدر دیر لگی کہ اس سے پہلے کہ

بچانے والے یہ جان سکیں کہ وہ کون تھا بے چارہ ڈوب گیا۔ توت توچان کو اس نامکمل جملے پر بڑا دھیان لگانا پڑ رہا تھا اور اگر قریب کھڑا کوئی شخص اچانک وہ مشہور طویل نام لینا شروع کر دیتا جو جیگے موسے شروع ہوتا تھا تو وہ رٹا ہوا اپنا یہ ادھورا جملہ فوراً بھول جاتی۔ اگر وہ سڑک پر لگے ہوئے پانی پر سے کودتے ہوئے یہ بھی کہہ دیتی کہ "لو چلی میں" تو ضرور گڑبڑا جاتی چنانچہ سوائے اس کے کہ وہ اپنی بات بار بار اپنے آپ دہراتی جائے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ شکر ہے کہ کسی نے ریل گاڑی میں اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی اور اُس نے

بھی کسی دلچسپ بات کا پتہ لگانے کی فکر نہیں کی، چنانچہ وہ ایک بار بھی یہ جملہ کہ ''ارے یہ کیا ہے؟'' کہے بغیر ہی اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ جونہی وہ اسٹیشن سے نکلی ایک آدمی نے جو وہاں کام کرتا تھا اور اسے پہچانتا تھا اسے پکار کر کہا: ''ابھی سے واپس آگئیں؟ وہ جواب دینے ہی والی تھی مگر اس نے اپنے آپ کو روک لیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ سب کچھ گڈمڈ کردے گی۔ لہٰذا اس نے صرف اپنا ہاتھ ہلادیا اور گھر بھاگ گئی۔

جیسے ہی وہ گھر کے دروازے کے پاس پہنچی تو اس نے اپنی پوری آواز سے چلا کر ماں سے کہا۔ تھنڈر کینی اَن کھلے میدان میں باورچی خانہ۔ پہلے تو ماں حیران ہوئیں کہ کیا یہ کوئی جوڈو کی کوئی چیخ تھی یا سینتالیس رونن کی، لوگوں کو اکٹھا کرنے کی پکار۔ تب ایک دم سے بات صاف ہوگئی۔ تودوروکی اسٹیشن کے نزدیک جوجی اوگاؤ کا اسٹیشن سے تین اسٹاپ آگے تھا ایک خوب صورت مقام تھا تھنڈر کینی اَن۔ یہ ٹوکیو کے پرانے شہر کی انتہائی مشہور جگہ تھی۔ یہاں ایک جھرنا تھا ایک چشمہ بہتا تھا، اور بیحد خوبصورت جنگل تھے۔ اب رہا میدانی باورچی خانہ تو اس کا مطلب تھا کہ بچے وہاں کہیں کھلی جگہ پر کھانا پکائیں۔ بچوں کو سکھانے کا کس قدر مشکل ادھورا جملہ تھا جو توت توچان نے کمال ہے یاد رکھا۔ لیکن اس سے ایک بات ثابت ہوگئی کہ جب بچوں میں شوق اور دلچسپی پیدا کردی جائے تو وہ کس آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔

اُس دشوار بات کے کہنے سے آخرکار چھٹکارا پاکر توت توچان نے شکریہ ادا کیا اور ایک کے بعد ایک تفصیل ماں کو بتائی کہ بچوں کو اگلے جمعہ کی صبح کو اسکول میں جمع ہونا ہے۔ انہیں جو سامان لے جانا ہے، اس میں سوپ کا پیالہ، چاول کھانے کا پیالہ، چاپ اسٹکس اور ایک پیالہ کچے چاول شامل ہے۔ اُس نے ماں کو بتانا بھی یاد رکھا کہ ہیڈ ماسٹر نے کہا ہے کہ ایک پیالہ چاول پکنے پر دو پیالہ بھات بن جاتا ہے۔ وہ لوگ گوشت کا سوپ بھی بنائیں گے اس لئے اُسے کچھ سبزیاں اور گوشت بھی چاہیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کوئی بچہ چاہے تو تیسرے پہر کے لئے ناشتے کی چیزیں بھی لاسکتا ہے۔

اگلے کچھ روز توت توچان، باورچی خانے میں ماں کے ساتھ ساتھ رہی اور اُس نے بڑے دھیان سے دیکھا کہ ماں چاقو کیسے استعمال کرتی ہیں، برتن کس طرح پکڑتی ہیں، اور کیسے سب کو چاول تقسیم کرتی ہیں۔ انہیں باورچی خانے میں کام کرتے دیکھ کر بڑا ہی اچھا لگتا

تھا۔ لیکن جو بات توت توچان کو سب سے زیادہ پسند تھی وہ تھی ماں کا ''اودو گرم ہے''! کہنے کا انداز اور پھر کوئی گرم چیز جیسے ڈھکن اٹھا لینے پر جلدی سے اپنے ہاتھ کا انگوٹھا اور ایک انگلی کان کی لو پر رکھ لینے کا طریقہ۔

''ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ کان کی لو ٹھنڈی رہتی ہے!!''۔ ماں نے سمجھایا۔ ماں کے اشاروں اور طور طریقوں نے توت توچان کو بیحد متاثر کیا۔ اُسے لگا یہ بڑپن کی نشانی اور باورچی خانے کے کام میں مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اُس نے اپنے دل میں کہا ''جب ہم تھنڈر کینی اَن کے میدانی باورچی خانے میں جائیں گے تو میں بھی اسی طرح کیا کروں گی''۔

آخر کار جمعہ کا دن آیا۔ جب سب بچے ریل کا سفر کر کے تھنڈر کینی اَن پہنچے تو ہیڈ ماسٹر نے بچوں کا معائنہ کیا جو جنگل میں اکٹھا ہوئے تھے۔ ان کے پیارے پیارے چھوٹے چہرے، اونچے پیڑوں کے درمیان سے چھن چھن کر آنے والی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ بچے اپنے سفری تھیلے پیٹھ پر لادے اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں ہیڈ ماسٹر کیا کہتے ہیں۔ اُن سے دور مشہور جھرنے کا پانی موسلا دھار بارش کی طرح شور مچاتا گر رہا تھا اور بیحد خوبصورت لے اور تال پیدا کر رہا تھا۔

''اچھا تو اب'' ہیڈ ماسٹر نے کہا'' آؤ سب سے پہلے ٹولیوں میں بٹ جائیں، اور ٹیچر لوگ جو اینٹیں لائے ہیں ان سے چولھے بنالیں۔ پھر تم میں سے کچھ بچے جاکر چشمے پر چاول دھو لائیں اور چولھے پر پکنے کو رکھ دیں۔ اس کے بعد ہم سوپ بنانا شروع کریں گے۔ اچھا تو کیا اب ہم لوگ شروع ہو جائیں؟''

بچوں نے پتھر، کاغذ، قینچی کا کھیل کر ٹولیاں بنالیں۔ چونکہ صرف پچاس ہی بچے تھے اس لئے دیر نہیں لگی اور ان کے چھ گروپ بن گئے۔ زمین کھود کر گڑھے بنائے گئے اور ان کے چاروں طرف اینٹیں لگادی گئیں پھر لوہے کی پتلی پتلی چھڑیں اُن پر رکھی گئیں تاکہ سوپ اور چاول کے بگونے گر نہ سکیں۔ جب یہ سب کام ہو رہا تھا تو کچھ بچے کھانا پکانے کی لکڑی جمع کرنے کے لئے جنگل کے اندر چلے گئے اور چند دوسرے چاول دھونے گئے۔ بچوں نے خود اپنی پسند سے اپنا اپنا کام طے کیا۔ توت توچان نے اپنے آپ کو سبزیاں کاٹنے اور سوپ تیار کرنے کے لئے پیش کیا۔

ایک بڑے بچے نے بھی سبزیاں کاٹنے کا کام لیا جو توت توچان سے دو سال آگے تھا۔ لیکن اُس کے کاٹے ہوئے ٹکڑے یا تو بہت بڑے تھے یا بالکل چھوٹے ۔ چوپٹ کر دیا سب۔ بچارے نے محنت تو بہت کی تھی، اس کی ناک پسینے سے چمک رہی تھی۔ توت توچان نے ماں کی طرح بڑی ہوشیاری سے بیگن، آلو، پیاز وغیرہ سبھی سبزیاں جو بچے لائے تھے کاٹ دیں۔ اُس کے ٹکڑے بہت صحیح تھے۔ نہ بڑے نہ چھوٹے۔ اس نے اپنے جی سے تھوڑا سلاد بھی تیار کر لیا۔ بہت باریک باریک کھیرے اور باگن کے ٹکرے کاٹ کر اس میں نمک مرچ ملا دیا۔ چند بڑے بچوں کو جنہیں کام میں تھوڑی مشکل پیش آرہی تھی، وہ صلاح بھی دیتی جارہی تھی۔ اُس وقت توت توچان کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سچ مچ ہی "ماں" بن گئی ہے۔ اُس کی سلاد سے تو سارے ہی بچے بیحد متاثر تھے۔

اس نے بڑی ہی انکساری سے کہا "میں نے سوچا ذرا بنا کر دیکھوں مجھ سے بنتا بھی ہے یا نہیں!"

جب سوپ میں بگھار دینے کے بارے میں بچوں سے رائے دینے کو کہا گیا تو مختلف ٹولیوں سے آوازیں آئیں "اوہ بابا رے" اور سب کی ہنسی بھی چھوٹ رہی تھی۔ جنگل کی چڑیاں بھی چہچہا رہی تھیں اور شور وغل میں ان کی آواز شامل ہو گئی تھیں۔ ہر برتن سے کھانے کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ اُس وقت تک شاید ہی کسی بچے کو اس طرح کھانا پکتے دیکھنے کا موقعہ ملا ہو، یا کسی نے چولھے کی آگ کو گھٹایا بڑھایا ہو۔ وہ تو بس جو کھانا میز پر رکھ دیا جاتا کھا لیتے۔ خود سے کھانا پکانے، یا اس میں پیش آنے والی دقتوں کا سامنا کرنے، اور پکتے ہوئے کھانے کیسے رنگ روپ بدلتے رہتے ہیں اور یہ سب دیکھ کر خوشی اور مسرت ہوتی ہے، اس کا، سبھی بچوں کا پہلا اور نیا تجربہ تھا۔

آخر ہر گروپ کا کام پورا ہو گیا، جو عارضی بنائے گئے چولھوں کے قریب ہو رہا تھا۔ پھر ہیڈ ماسٹر نے بچوں سے کہا کہ وہ گھاس پر جگہ بنا لیں تاکہ ایک ایک گول دائرے میں بیٹھ سکیں۔ ہر گروپ کے سامنے ایک بگونہ چاول کا اور ایک سوپ کا رکھ دیا گیا۔ لیکن توت توچان نے اس وقت تک اپنی ٹولی کا سوپ کا پتیلا نہیں اٹھانے دیا جب تک کہ اُس نے وہ کام نہیں کر لیا جسے کرنے کی اُس کی دلی خواہش تھی۔ گرم گرم ڈھکن اٹھاتے ہوئے اس نے تھوڑا شرما

کر اعلان کیا: "اُفوہ! یہ تو بڑا گرم ہے" اور پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں اپنے کانوں کی لو پر رکھ دیں تب ہی اس نے کہا "اب تم لوگ اسے لے جاسکتے ہو" اور پتیلا اس جگہ لے جایا گیا جہاں بچے حیران بیٹھے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ آخر وہاں ہو کیا رہا ہے۔ کوئی بھی زیادہ متاثر نہیں تھا، بس توت توچان ہی تھی جو بڑی مطمئن تھی۔

ہر ایک کی توجہ چاول کے ان پیالوں کی طرف تھی جو اُن کے سامنے رکھے ہوئے تھے اور سوپ کے اُن پیالوں میں رکھی چیز پر تھی، جن سے بھاپ اڑ رہی تھی۔ بچے بھوکے تھے لیکن سب سے اہم اور اول بات یہ تھی کہ یہ کھانا انہوں نے ہی تیار کیا تھا۔

جب بچے چباؤ چباؤ اسے خوب چباؤ، جو کچھ کھاؤ خوب چباؤ۔

گا چکے اور یہ دعا کر چکے "میں شکر گذاری کے ساتھ حصہ لیتا ہوں"۔ تو اچانک جنگل میں خاموشی چھا گئی۔ جھرنے کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

واقعی تم ایک اچھی لڑکی ہو

"تمہیں پتہ ہے واقعی تم ایک اچھی بچی ہو"۔ یہ تھا وہ جملہ جو ہیڈ ماسٹر نے توت توچان سے جب بھی ملتے کہا کرتے تھے۔ اور ہر بار وہ یہ کہتے تو توت توچان مسکرا دیتی۔ ایک بار ہلکا سا اچھل جاتی اور کہتی جی ہاں میں اچھی بچی ہوں اور اسے اس کا پکا یقین تھا۔

کئی معنوں میں توت توچان سچ مچ ایک بچی تھی۔ وہ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آتی ، خاص کر اپنے ان دوستوں کے ساتھ جو جسمانی طور پر معذور تھے ۔ وہ ہمیشہ ان کا بچاؤ کرتی۔ اگر کسی دوسرے اسکول کے بچے اُن سے کوئی کڑوی بات کہہ دیتے، تو وہ دُکھ پہنچانے والوں کے ساتھ ڈٹ کر لڑتی چاہے آخر میں اُسے رونا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ اگر اُسے کوئی زخمی پرندہ مل جاتا تو وہ ہر طرح سے اس کی دیکھ بھال کرتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ٹیچروں کو ہمیشہ اس بات پر حیرانی ہوتی تھی کہ جب کبھی بھی وہ کسی بھی غیر معمولی یا انجانی بات کو جاننے کی اپنی خواہش پوری کرتی تو طرح طرح کی کٹھنائیوں میں پڑ جاتی

تھی۔

اگر اس کے دماغ میں آجاتا کہ اس کو صبح کو اسمبلی ہال کی طرف جاتے ہوئے کیوں نہ اپنی چوٹیوں کو دونوں بانہوں کے پیچھے کھڑی کر لے تو ویسا ہی کر لیتی ۔ ایک مرتبہ جب کلاس میں اُس کے جھاڑو دینے کی باری تھی تو اس نے فرش پر بنے ایک چور دروازے کو کھول دیا جو اُس کی تیز نظروں نے دیکھ لیا تھا، اور سارا کوڑا اس کے اندر جھاڑ دیا۔ جب یہ ریل ڈبّہ اصلی ریل گاڑی میں لگا تھا تو اس سوراخ سے شاید اندر کی مشینوں کو دیکھا جاتا ہوگا لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ وہ یہ دروازہ پھر سے بند نہ کرپائی اور سب لوگوں کو بڑی پریشانی اٹھانی پڑی۔ اور ایک بار تو ایسا ہوا کہ کسی نے اُس سے کہہ دیا کہ گوشت کیسے بڑے بڑے ٹکوں میں لٹکا دیا جاتا ہے تو بس توت توچان ورزش کرنے کے ایک سب سے اونچے ڈنڈے پر ایک ہاتھ سے لٹک گئی اور بڑی دیر تک لٹکتی رہی۔ جب ایک ٹیچر نے دیکھا تو پوچھا کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ اس نے چلا کر جواب دیا "آج میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہوں"! یہ کہتے ہی اس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ بڑے زور سے نیچے آگری۔ اس کی سانس بالکل رک گئی تھی اور وہ دن بھر کچھ نہ بول سکی۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ جب وہ گندے پانی کے حوض میں گر پڑی تھی۔

وہ ہمیشہ ہی ایسی حرکتیں کرتی رہتی اور چوٹیں کھاتی لیکن ہیڈ ماسٹر نے کبھی اس کے ماں باپ کو نہیں بلا بھیجا۔ وہ دوسرے بچوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ متعلقہ بچے اور ہیڈ ماسٹر کے درمیان ہی معاملہ طے ہو جاتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر ہمیشہ بچے کی بات سنتے تھے کہ حادثہ کیوں اور کیسے ہوا، بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے اُس روز توت توچان کی باتیں چار گھنٹے تک سنی تھیں، جب وہ پہلے دن اسکول آئی تھی۔ وہ ان کے بہانوں کو بھی سن لیتے اور اگر کسی نے واقعی کوئی برا کام کیا ہوتا اور اس کو اس کا احساس ہو جاتا تو ہیڈ ماسٹر کہتے "چلو اب معافی مانگ لو۔"

توت توچان کے بارے میں بچوں کے والدین اور ٹیچروں کے خدشات اور شکایتیں بلا شبہ ہیڈ ماسٹر کے کانوں تک پہنچی ہوں گی ۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی موقعہ ملتا وہ توت توچان سے کہہ دیتے "پتہ ہے تم واقعی ایک اچھی بچی ہو"۔ اگر کوئی بڑی عمر کا آدمی انہیں یہ کہتے سن لیتا تو جس طریقے سے ہیڈ ماسٹر لفظ "واقعی" پر زور دیتے تھے وہ اس کی اہمیت

کو بخوبی سمجھ لیتا۔

ہیڈ ماسٹر توت توچان کو جو سمجھانا چاہتے ہوں گے کچھ اس طرح ہوگا کہ "کچھ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ تم اچھی بچی نہیں ہو لیکن تمہارا اصلی کردار برا نہیں ہے۔ اس میں بہت ساری خوبیاں ہیں اور میں ان سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں۔" افسوس توت توچان کو بہت برسوں بعد پتہ چلا کہ دراصل ان کا کیا مطلب ہے تھا۔ پھر بھی جب وہ اس کے اصلی معنی نہیں سمجھ سکی ہوگی تب بھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے یقیناً اس کے اندر یہ اعتماد ضرور پیدا کر دیا ہوگا کہ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔

جب کبھی وہ کسی احمقانہ حرکت میں لگی ہوتی اس وقت بھی اُن کے یہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں میں گونجتے رہتے اور وہ اپنی حرکت پر غور کرتے وقت اپنے آپ سے کہہ اٹھتی "اوہ خدایا کیا کر دیا میں نے!"

جب تک توت توچان تو موئے میں رہی مسٹر کوبایاشی پورے وقت یہ اہم الفاظ دہراتے رہے، جنہوں نے شائد اس کی ساری زندگی کا رخ متعین کر دیا!

"توت توچان تمہیں پتہ ہے؟ واقعی تم ایک اچھی بچی ہو!"

اس کی دلہن

توت توچان بڑی افسردہ تھی۔

اب وہ تیسرے درجے میں پڑھتی تھی اور اسے تائی چان بیحد اچھا لگتا تھا۔ وہ بڑا ہوشیار تھا اور اسے فزکس اچھی آتی تھی۔ وہ انگریزی پڑھتا تھا اور اسی نے توت توچان کو انگریزی کا لفظ فاکس سکھایا تھا۔

"توت توچان سے اس نے کہا تھا کیا تم جانتی ہو "کت سونے" انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟ یہ لفظ ہے فاکس۔ 'فاکس' توت توچان سارے دن اس لفظ کی گونج کا مزہ لیتی رہی۔

ریل ڈبّے کے اپنے درجے میں پہنچتے ہی سب سے پہلا کام وہ یہ کرتی تھی کہ تائی

چان کے پنسل کے ڈبے کی ساری پینسلوں کو اپنی پینسل بنانے والے چاقو سے بڑی خوبصورتی سے بناڈالتی۔ اپنی پنسلوں کی تو اسے کوئی فکر ہی نہیں رہتی تھی۔ انہیں وہ دانت سے کتر کر ہی کام چلایا کرتی تھی۔

اس سب کے باوجود تائی چان اُس سے ایک بار ذرا بے رخی سے بول دیا تھا۔ دن کے کھانے کی چھٹی کا وقت تھا۔ توت توچان اسمبلی ہال کے پیچھے اسی علاقے میں مٹرگشت لگا رہی تھی جہاں گندے پانی کا حوض تھا۔

"توت توچان!"

تائی چان کی آواز میں ناراضگی تھی۔ وہ گھبرا کر رک گئی سانس لینے کے لئے، ٹھہر کر تائی چان نے کہا کہ "جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو تم سے ہرگز شادی نہیں کروں گا چاہے تم مجھ سے کتنا ہی کیوں نہ کہو"۔ یہ کہتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس کی نظریں زمین پر گڑی تھیں۔

توت توچان ہکا بکارہ گئی اور اسے اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک کہ وہ اور ساکا بڑا سر نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔ وہی سر جس میں لیاقت بھری تھی جسے وہ بیحد پسند کرتی تھی اور جس کی تعریفیں کرتی تھی۔ وہ سر جو جسم کے مقابلے میں بہت بڑا سا لگتا تھا اور بچے اُسے "غیر واجب" پکارتے تھے!

توت توچان نے اپنے ہاتھ جیب میں ڈال لئے اور غور کرنے لگی۔ اسے ایسی کوئی بھی بات یاد نہیں آئی جو اُس نے تائی چان کو خفا کرنے کے لئے کی ہو۔ اُس نے اپنی کلاس کی ایک ساتھی میو چان سے اس بارے میں بات کی۔ توت توچان کی بات سن کر میو چان بڑے بزرگانہ انداز میں بولی "کیوں؟" ارے اس لئے کہ آج تم نے اُس کو سومو کشتی میں، گھیرے سے باہر اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ اور اس میں اس قدر تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ گھیرے سے باہر نکل گیا۔ بھئی اس کا سر بھی تو بھاری ہے نا۔ لیکن پھر بھی وہ تم سے خفا تو ہوگا ہی، اس لئے کہ تم نے اسے گھیرے سے باہر نکال دیا۔

توت توچان نے دِل کی گہرائیوں سے اس پر افسوس ظاہر کیا۔ ہاں یہی بات ہوگی بالکل۔ جسے وہ اتنا چاہتی تھی کہ ہر روز اس کی پینسلیں بنایا کرتی تھی اسے ہی کشتی میں ہرا دینے

کی کیا ضرورت تھی بھلا؟ "لیکن کچھ بھی ہو، میں اس کی پینسلیں تو اب بھی روز ہی بنایا کروں گی۔ آخر میں تو اس سے پیار کرتی ہوں!"

گھٹیا سا پرانا اسکول

اُن دنوں ابتدائی اسکولوں میں، ایک تک بندی بڑی عام تھی۔ بچے اسے گا کر سنایا کرتے۔ توت توچان کے پرانے اسکول میں تو یہ بڑے زوروں پر چلی ہوئی تھی۔ اسکول کے بعد بچے جب گھر لوٹتے ہوئے ہوتے تو پھاٹک سے نکلتے ہوئے پیچھے مڑ کر اپنے اسکول کو دیکھتے اور مل کر گاتے:

اکا متسو اسکول پرانا ہے ، گھٹیا ہے
پر اندر سے تو بڑھیا ہے ، بڑھیا ہے

اور جب دوسرے کسی اسکول کے بچے، اکامتسو اسکول کے پاس سے گذرتے تو انگلی سے اس طرف اشارہ کر کے گاتے:

اکا متسو اسکول تو بڑھیا ہے
پر اندر سے پرانا ہے گھٹیا ہے

اور تک بندی کے ختم ہوتے ایک ہنگاما سا مچ جاتا۔

ایک اسکول پرانا ہے گھٹیا پہلی لائن میں یہ کہنے کا انحصار اس پر ہوتا تھا کہ اسکول کی عمارت کیسی ہے؟ پرانی یا نئی۔ تک بندی کا اہم حصہ تو اس کی دوسری لائن ہوتی تھی۔ اس میں یہ بتایا جاتا کہ اسکول اندر سے کیسا ہے، اسسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ آپ کے اسکول کو فرسودہ اور گھٹیا بتایا گیا، اصل بات تو یہ تھی کہ اُسے اندر سے کس طرح کا بتایا گیا۔ یہ تک بندی عام طور پر پانچ چھ بچے مل کر دوہراتے جاتے تھے۔

ایک دن تیسرے پہر اسکول کے بعد تو موئے کے بچے ہمیشہ کی طرح کھیل رہے تھے۔ آخری گھنٹی بجنے تک جب انہیں کھیل کا میدان خالی کر دینا پڑتا تھا، وہ جو جی چاہے کر سکتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر کا خیال تھا کہ بچوں کے لئے ایسا وقت کافی زیادہ ہونا چاہیے جس میں انہیں پوری آزادی ہو کہ وہ جو چاہیں کریں۔ چنانچہ پڑھائی ختم ہونے کے بعد بچوں کا جتنا وقت اسکول میں گزرتا وہ دوسرے پرائمری اسکولوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ اس دن کچھ بچے تو گیند کھیل رہے تھے، اور کچھ لوہے کی سلاخوں پر چڑھ اتر کر یا ریت کے بکس میں کھیل کر اپنے کپڑے خوب گندے کر لئے تھے۔ چند بچے پھولوں کی کیاریوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ کچھ بڑی لڑکیاں سیڑھیوں پر بیٹھی گپ شپ کر رہی تھیں اور کچھ بچے پیڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ ہر ایک وہی کر رہا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ ان میں کچھ بچے تائی چان کی طرح تھے جو درجے میں ہی رک گئے تھے اور فزکس کا کوئی تجربہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ اُن کے شیشے کے فلاسک اُبلنے کو رکھے تھے اور وہ اپنی تجرباتی نلکیوں میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے بھی بچے تھے جو لائبریری میں بیٹھے ہوئے پڑھ رہے تھے اور اُماڈیرا جسے جانور پسند تھے، ایک ماری ماری

پھرنے والی بلی کا الٹ پلٹ کر معائنہ کر رہا تھا جو کہیں سے اسے مل گئی تھی، اور اُس کے کان کے اندر دیکھ رہا تھا۔ ہر بچہ اپنے اپنے طریقے سے مزا لے رہا تھا۔ اچانک اسکول کے باہر زور زور سے گانے کی آواز آئی۔

تو موئے اسکول پرانا ہے گھٹیا ہے
اندر سے بھی پھٹیچر ہے ، گندہ ہے

توت توچان نے سوچا کتنی بری بات ہے۔ وہ پھاٹک کے بالکل قریب ہی تھی۔ ویسے دراصل وہ کوئی پھاٹک تو تھا نہیں وہاں دو تنوں سے کچھ پتیاں نکل رہی تھیں، پھر بھی اس نے بچوں کی آواز بہت صاف سنی تھی۔ حد ہو گئی اس کے اسکول کے اندر اور باہر دونوں ہی کو گندہ کہا گیا ہے؟ وہ بے حد ناراض تھی۔ دوسرے بچے بھی سن کر خفا ہوئے اور وہ سب دوڑتے ہوئے گیٹ پر پہنچ گئے۔ "گندہ پرانا اسکول" کہتے ہوئے دوسرے اسکول کے بچے شور وغل مچاتے بھاگ گئے۔

توت توچان اس قدر غصے میں تھی کہ وہ لڑکوں کے پیچھے دوڑی۔ بالکل اکیلی۔ لیکن وہ سب بڑی تیزی سے بھاگے اور کنارے کی سڑک پر آنکھ جھپکتے ہی غائب ہو گئے۔ توت توچان مایوس ہو کر لوٹ آئی، آتے ہوئے وہ گا رہی تھی۔

تو موئے اسکول حیرت انگیز ہے۔ حیرت انگیز ہے
چند قدم آگے بڑھ کر اس نے اِس گانے کو اور بڑھایا۔
تو موئے اسکول حیرت انگیز ہے۔ حیرت انگیز ہے
اندر سے بھی باہر سے بھی حیرت انگیز ہے۔ حیرت انگیز ہے

میدان میں کھیلنے والے بچے پہلے تو یہ سمجھے ہی نہیں کہ کون گا رہا ہے جب اندازہ ہوا کہ یہ توت توچان ہے تو وہ بھی سڑک پر نکل آئے اور اس کے ساتھ گانے میں شامل ہو گئے۔ سب نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اسکول کے چاروں طرف کی سڑکوں پر چکر لگانا اور ایک آواز ہو کر گانا شروع کر دیا۔ ان کی آواز سے زیادہ ان کے دل ملے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس بات کا احساس اس وقت انہیں نہیں ہوا تھا۔ جوں جوں وہ اسکول کا چکر لگاتے ویسے اُن کا جوش بڑھتا جاتا۔

بچوں کو یہ تو پتہ تھا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ ان کے گانے کی آواز سے، ہیڈ ماسٹر کا دل کس قدر خوش ہو رہا تھا۔

صرف ہیڈ ماسٹر صاحب ہی کیوں؟ کوئی بھی تعلیم داں اس بات سے خوش ہوتا۔ خاص کر وہ لوگ جو بچوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ اسکول چلانے میں تو ہر دن ہی طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تو موئے جیسے اسکول میں جہاں ہر بات ہی اس قدر غیر معمولی تھی، زیادہ ہی دشواریاں پیش آتی تھیں۔

تو موئے ایسے لوگوں کے تنقید اور اعتراض سے نہ بچ سکا جو پرانے طریقوں سے چلائے جانے والے تعلیمی نظام کے عادی تھے۔ ایسے حالات میں تو بچوں کا یہ گانا ہیڈ ماسٹر صاحب کے لئے ایک بہترین تحفہ تھا۔

تو موئے اسکول غیر معمولی ہے غیر معمولی ہے

اندر سے بھی باہر سے بھی غیر معمولی ہے۔

اس روز اسکول کی آخری گھنٹی معمول سے کچھ زیادہ ہی دیر سے بجی تھی۔

بالوں کا رِبن

ایک دوپہر کے کھانے کی چھٹی کے بعد، جب سب بچے کھانا کھا چکے تھے، توت توچان رسی کود رہی تھی کہ اس کی ملاقات ہیڈ ماسٹر سے ہوگئی۔ پر اسے ملاقات کہنا کچھ ٹھیک نہیں رہے گا۔ کیونکہ ہیڈ ماسٹر صاحب دوپہر کے کھانے کے وقت تو بچوں کے ساتھ ہی تھے لیکن وہ ان سے اس وقت ملی جب وہ دوسری طرف سے آرہے تھے۔

''اوہو تو تم یہاں ہو۔'' ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔

''کیا بات؟'' توت توچان نے پوچھا۔ وہ بڑی خوش ہوگئی کہ اسے ہیڈ ماسٹر کو کچھ اطلاع فراہم کرنے کا موقع مل گیا۔

''تمہیں یہ ربن کہاں سے مل گیا؟'' انہوں نے اس کے بالوں میں بندھے ربن پر

نظر ڈال کر کہا۔

توت توچان نے جب یہ سنا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ یہ ربن ایک دو دن سے ہی باندھ رہی تھی۔ وہ اسے اپنے آپ ہی مل گیا تھا۔ توت توچان ہیڈ ماسٹر کے نزدیک چلی گئی تاکہ وہ ربن کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔

''یہ تو میری خالہ کے پرانے اسکول یونیفارم پر لگا ہوا تھا۔'' اس نے بڑے فخر سے کہا ایک دن جب وہ اسے دراز میں رکھ رہی تھیں تو میں نے دیکھ لیا۔ پھر انہوں نے اسے مجھے دے دیا۔ خالہ نے کہا کہ میری آنکھیں بڑی تیز ہیں!

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' ہیڈ ماسٹر سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ توت توچان کو اپنے ربن پر بڑا ناز تھا۔ اس نے بتایا کہ کیسے ایک دن وہ اپنی خالہ سے ملنے گئی تو خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے کپڑوں کو دھوپ دکھا رہی تھیں۔ اس میں کاسنی رنگ کی پرانے فیشن کی چنٹ والی وہ اسکرٹ بھی تھی جو خالہ اس وقت پہنا کرتی تھیں جب وہ اسکول جاتی تھیں۔ جب وہ اسکرٹ رکھنے لگیں تو توت توچان کی نظریں ایک خوبصورت چیز پر پڑ گئیں۔

''ارے یہ کیا ہے خالہ؟'' اس کے یہ پوچھنے پر خالہ رک گئیں۔ وہ خوبصورت چیز یہی ربن تھا جو اسکرٹ کی پٹی پر پیچھے لگا ہوا تھا۔

''یہ اس لئے تھا کہ بچیاں پیچھے سے بھی خوبصورت لگیں''۔ خالہ نے بتایا اُن دنوں ہر ایک چاہتا تھا کہ پیچھے کی طرف ہاتھوں کی بنی ہوئی کوئی بیل (لیس) یا پھر ربن سے بنائی ہوئی بڑی سی ''بو (Bow)'' پیٹی پر لگی رہے۔

خالہ نے دیکھا کہ جب وہ باتیں کر رہی تھیں تو توت توچان اشتیاق بھری نظروں سے ربن سے بنی ہوئی بو کو دیکھ رہی تھی اور اس پر ہاتھ پھیرتی جاتی تھی۔ وہ بولیں میں اسے تم کو دے دوں گی۔ میں تو اب پہنوں گی نہیں پھر انہوں نے ایک قینچی اٹھائی اور اس تاگے کو کاٹ دیا جس سے ربن اسکرٹ میں ٹکا ہوا تھا اور توت توچان کو ربن دے دیا۔ اسطرح یہ ربن پایا تھا اس نے۔ واقعی یہ بڑا ہی خوبصورت تھا۔ خوب چوڑا سا اور بیحد اچھے سلک کا بنا ہوا۔ اس پر گلاب کے پھول بڑے بڑے پھول اور طرح طرح کے ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ باندھنے پر بھی وہ خوب چوڑا اور سخت رہتا تھا۔ اسکی بنی ہوئی بو توت توچان کے سر کے ہی برابر تھی۔

خالہ نے بتایا تھا کہ ربن کاسلک بدلیش کا تھا۔ جب وہ باتیں کر رہی تھی تو بار بار اپنا سر ہلاتی جاتی تھی تاکہ ہیڈ ماسٹر ربن سے نکلنے والی سَر سَر کی آواز کو سن سکیں۔ لیکن جب ہیڈ ماسٹر صاحب یہ کہانی سن چکے تو کچھ پریشان سے تھے۔

"اچھا ایسی بات ہے"۔ انہوں نے کہا۔ کل میو چان کہنے لگی کہ اسے بھی بالکل تمہارے جیسا ربن چاہیے تو میں جی او گاؤ کا کی سبھی دوکانوں پر گیا جہاں ربن ملتے ہیں مگر ایسا ربن کہیں بھی نہ ملا تو ایسی بات ہوئی یہ بدیسی ہے نا؟ شاید اسی وجہ سے۔

ان کا چہرے اس وقت ایک ہیڈ ماسٹر کا نہیں بلکہ ایک ایسے باپ کا تھا جو بیٹی کے اصرار کی وجہ سے پریشان تھا۔

"توت توچان میں تمہارا بیحد شکر گزار ہوں گا اگر تم یہ ربن لگا کر اسکول آنا چھوڑ دو۔ اب دیکھو نا میو چان اس کے لئے روز پیچھے پڑتی ہے میرے۔ کیا تمہیں ایسا کرنے میں زیادہ دُکھ ہوگا؟"

توت توچان ہاتھ باندھے کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر جلدی سے بول پڑی ٹھیک ہے اب میں یہ ربن باندھ کر اسکول نہیں آؤں گی۔

"شکریہ۔" ہیڈ ماسٹر نے کہا۔

توت توچان کو تکلیف تو پہنچی تھی لیکن ہیڈ ماسٹر مصیبت میں پھنسے تھے تو وہ راضی ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ ایک بزرگ آدمی وہ بھی اُس کے پیارے ہیڈ ماسٹر، ساری دوکانوں میں ایسا ربن تلاش کرتے رہے۔ اس خیال سے اس کو ان پر بڑا ترس آیا۔ یہی ہوتا تھا تو موئے میں عمر کا لحاظ کئے بغیر ایک دوسرے کے مسئلوں کو سمجھنے اور مدد کرنے کی لوگوں کی عادت سی پڑ گئی اور اس کا انہیں احساس بھی نہیں ہوتا تھا ایسا کرنا ایک فطری بات ہو گیا تھا۔

اگلے دن صبح کو جب توت توچان اسکول چلی گئی تو ماں صفائی کرنے اس کے کمرے میں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ربن توت توچان کے سب سے پیارے بھالو کے گلے میں بندھا ہوا ہے۔ انہیں تعجب ہوا کہ اچانک توت توچان نے وہ ربن باندھنا کیوں چھوڑ دیا جس سے وہ ہمیشہ بڑا خوش ہوا کرتی تھی۔ ماں کو ایسا لگا جیسے بھورے رنگ کا بھالو اس بات پر کچھ شرما سا رہا ہے کہ اسے اچانک اس قدر رنگ برنگا ربن کیوں باندھ دیا گیا۔

زخمیوں سے ملنے جانا

زندگی میں پہلی بار توت توچان ایک ایسے ہسپتال میں گئی جہاں زخمی سپاہیوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ وہ مختلف ابتدائی اسکولوں کے بچوں کے ساتھ جنہیں وہ جانتی بھی نہیں تھی وہاں گئی۔ یہ ملک بھر کے ابتدائی اسکول کے بچوں کے لئے چلائی گئی ایک اسکیم کا حصہ تھا۔ عام طور پر ہر اسکول سے دو یا تین بچے لئے جاتے تھے لیکن تو موئے جیسے اسکول سے بس ایک ہی ہوتا تھا۔ گروپ کی نگراں بھی کسی ایک اسکول کی کوئی ایک ٹیچر ہوا کرتی تھیں۔ توت توچان اس بار تو موئے کی نمائندگی کر رہی تھی۔

نگراں ٹیچر دبلی پتلی سی تھیں اور عینک لگاتی تھیں۔ وہ بچوں کو ایک وارڈ میں لے گئیں جہاں تقریباً پندرہ سپاہی اپنے رات کے سفید لباس میں یا تو بستروں پر لیٹے ہوئے تھے یا ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ توت توچان پریشان تھی کہ زخمی سپاہی دیکھنے میں نہ جانے کیسے لگیں گے لیکن وہ مسکرائے اور اپنا ہاتھ ہلایا اور وہ خوش نظر آتے تھے۔ توت توچان کو بڑی تسکین ہوئی حالانکہ بعض سپاہیوں کے سروں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ٹیچر بچوں کو وارڈ کے بیچ جمع کر کے سپاہیوں سے مخاطب ہوئیں "ہم لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" انہوں نے کہا اور بچوں نے اپنا سر جھکا کر آداب کیا۔ ٹیچر بولتی رہیں "آج مئی کی پانچویں تاریخ ہے یعنی "سیم مچھلیوں کے جھنڈے نامی گیت۔" ٹیچر نے کنڈکٹر کی طرح ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور بولیں "تیار ہونا ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔" وہ تال دینے لگیں بچے ایک دوسرے کو جانتے تو نہ تھے لیکن سبھی بڑا دل لگا کر گانے لگے کیونکہ یہ گیت انہیں معلوم تھا۔

چھتوں کے سمندر کو کر کے پار
بادل کے ساگر کو کر کے پار

توت توچان یہ گیت نہیں جانتی تھی۔ تو موئے اسکول میں ایسے گیت سکھائے ہی نہیں جاتے تھے۔ وہ ایک سپاہی کے بستر پر جو کہ بڑا نیک دل معلوم ہو رہا تھا، بالکل کنارے ٹکی بیٹھی تھی اور بچوں کو گیت گاتے سن رہی تھی۔ اسے کچھ بے تکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ جب یہ

گیت ختم ہو گیا تو ٹیچر نے بڑے صاف لفظوں میں اعلان کیا۔ "اب ہم گڑیوں کا میلہ نامی گیت گائیں گے۔" توت توچان کو چھوڑ کر سبھی بچوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ گیت مل کر گایا۔

آؤ چلیں لالٹین جلائیں
ایک ایک کر کے انہیں جلائیں

توت توچان تو سوائے خاموش بیٹھے رہنے کے اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ جب بچوں نے گانا ختم کیا تو زوردار تالیاں بجیں۔ ٹیچر نے مسکرا کر پوچھا اچھا اب گیت "ٹٹو اور گھوڑی ہو جائے نا؟ سب ایک ساتھ تین، چار تم نہیں گا رہی ہو؟" اور یہ کہہ کر وہ پھر تال دینے لگیں۔

توت توچان کو تو یہ گیت بھی نہیں آتا تھا۔ جب بچے گانا ختم کر چکے تو جس سپاہی کے بستر پر توت توچان بیٹھی ہوئی تھی اُس نے اس کا سر تھپ تھپا کر اُس سے کہا تم نے نہیں گایا؟

توت توچان بڑا برا سا محسوس کر رہی تھی اور معذرت خواہ تھی۔ وہ توزخمی سپاہیوں سے ہی ملنے آئی تھی اور ان کے لئے اس نے ایک گیت تک نہ گایا۔ چنانچہ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بستر سے تھوڑی دور جا کر بڑی ہمت سے بولی۔ "ٹھیک ہے اب میں آپ کو ایک گیت سناؤں گی جو مجھے آتا ہے۔"

اب کچھ ایسا ہونے والا تھا جو پروگرام کے اندر شامل نہیں تھا۔

"تم کون سا گیت گانے جا رہی ہو؟" ٹیچر نے پوچھا لیکن جواب دینے سے پہلے توت توچان گہری سانس کھینچ کر گانا گانے کے لئے کھڑی ہو چکی تھی تو ٹیچر نے انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ وہ تو موئے کی نمائندگی کر رہی تھی اس لئے توت توچان نے سوچا کہ اچھا ہو گا اگر وہ وہاں کا سب سے مشہور گیت سنائے۔ ایک گہری سانس لے کے اس نے گانا شروع کر دیا۔

چباؤ چباؤ اچھی طرح چباؤ
ہر چیز جو تم کھاؤ۔ اچھی طرح چباؤ۔۔۔

کچھ بچے ہنسنے لگے۔ کچھ نے پاس والوں سے پوچھا کہ یہ کون سا گیت ہے؟ یہ کون سا

گیت ہے؟ ٹیچر نے تال دینا شروع کر دیا لیکن یہ نہ جانتے ہوئے کہ کیا کرنا ہے، وہ ہاتھ ہوا میں ہی اٹھائے رہ گئیں۔ توت توچان شرما تو رہی تھی لیکن اس نے گیت گا ہی ڈالا۔

اسے چباؤ۔ اسے چباؤ۔ اور اسے چباؤ
اپنا چاول، اپنی مچھلی، اپنا گوشت۔۔۔۔

گانا ختم کر کے توت توچان نے تعظیم میں سر جھکا دیا۔ جب اس نے سر اوپر اُٹھایا تو دیکھا کہ سپاہی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ کیا اُس سے کوئی خراب بات سرزد ہو گئی ہے؟ اُس نے سوچا، تب سپاہی نے جو اس کے ابا سے تھوڑا ہی بڑا تھا اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا "تمہارا شکریہ۔ تمہارا بہت بہت شکریہ!"

وہ اس کا سر تھپتھپاتا رہا اور اس کا رونا کسی طرح رُک ہی نہیں رہا تھا۔ تب ٹیچر نے خوشی کی آواز میں جیسے کہ وہ اس کو خوش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں کہا "اچھا اب میرا خیال ہے کہ جو مضمون ہم لوگ سپاہیوں کے لئے لکھ کر لائے ہیں، انہیں سنانے کا وقت آ گیا ہے۔"

سب بچوں نے باری باری سے اپنے مضمون زور سے پڑھ کر سنائے۔ توت توچان نے اپنے والے سپاہی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک سُرخ ہو رہی تھی لیکن وہ مُسکرا دیا۔ جواب میں توت توچان بھی مُسکرائی۔ اپنے دل میں سوچنے لگی "میں کتنی خوش ہوں کہ سپاہی مسکرا دیا!"

اُس سپاہی کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے تھے، یہ تو وہی جانتا تھا۔ شاید توت توچان کی طرح اس کی بھی کوئی چھوٹی سی بچی رہی ہو یا پھر شاید توت توچان نے اپنی سکت بھر جتنے پیارے انداز میں وہ گیت گایا اُس سے ہی اُس کے دل پر اثر ہوا ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ جنگ کے محاذ پر اُسے تجربہ ہوا کہ کیسے اُن سب لوگوں کو فاقے تک کی نوبت آ گئی تھی، اور ایک ایسے وقت جبکہ ہو سکتا ہے، جلدی ہی کھانے کو کچھ باقی نہ رہ جائے تو لڑکی کو یہ گاتے سن کر کہ "جو کچھ کھاؤ اسے اچھی طرح چباؤ" اس کا دل درد سے بھر آیا تھا۔ سپاہی کو یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ انہیں بچوں کو جو گیت گا رہے تھے جلدی ہی، کیسی کیسی مصیبتیں گھیر لیں گی۔

اپنے اپنے مضمون پڑھتے وقت بچوں کو تو احساس بھی نہ رہا ہو گا کہ بحرالکاہل کی

جنگ شروع ہو چکی تھی اور تیزی سے پھیل رہی تھی۔

صحت کی چھال

توت توچان گیٹ پر کھڑے ہوئے آدمی کو جسے اب وہ خوب اچھی طرح جان گئی تھی، اپنے گلے میں پڑا ڈوری سے بندھا پاس دکھا کر، جی اوگاؤ کا اسٹیشن سے باہر نکل گئی۔

باہر کچھ ہو رہا تھا جو بڑا دلچسپ تھا۔ ایک نوجوان آدمی پیڑ کی چھال جیسے ٹکڑوں کے ڈھیر کے پیچھے چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے چاروں طرف پانچ آدمی کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ توت توچان نے ان میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ آدمی کہہ رہا تھا "مجھے غور سے دیکھئے صاحبان! غور سے دیکھئے۔" جب اس آدمی نے توت توچان کو آکر رکتے دیکھا تو بولا "سب سے اہم بات آپ کے لئے صحت ہے صبح سویرے اُٹھ کر اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ آپ کی طبیعت اچھی ہے یا نہیں تو چھال کا یہ ٹکڑا آپ کو بتادے گا۔ ہر صبح آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ اس چھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر چبائیں اگر یہ کڑوا لگے تو ثابت ہوگا کہ آپ کی صحت اچھی نہیں ہے۔ اور اگر یہ کڑوا نہیں لگتا تو سمجھ لیجئے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، آپ بیمار نہیں ہیں۔ اس چھال کی قیمت جو آپ کو بتادیتی ہے کہ آپ بیمار ہیں یا نہیں، صرف بیس سن ہے! آیئے صاحب۔ آگے آیئے۔ ذرا ایک ٹکڑا چکھ کر تو دیکھیے۔" اُس نے چھال کا ٹکڑا ایک دبلے سے آدمی کے ہاتھ میں تھما دیا جس نے آگے کے دانت سے تھوڑی سی چھال کتری پھر اپنا سر ایک طرف جھکا کر غور کرنے لگا۔

"ہاں یہ تو کچھ کڑوی سی ہی لگتی ہے!"

نوجوان اچھل پڑا کہنے لگا "ارے جناب آپ کو کوئی بیماری ہو گی۔ بڑی احتیاط کرنی چاہیے آپ کو۔ لیکن زیادہ پریشان مت ہوئیے ابھی بیماری، سنگین نہیں ہوئی ہے۔ آپ نے کہا تھا نہ کہ چھال بس تھوڑی ہی سی کڑوی لگی؟ میم صاحب آپ لیں گی؟ مہربانی سے تھوڑی چھال چبا کر دیکھیے نہ!" ایک خاتون نے جن کے ہاتھ میں خریداری کی ٹوکری تھی چھال کا بڑا سا ٹکڑا لے کر زوروں سے چبایا اور خوش ہو کر بولیں۔ ارے! یہ تو بالکل کڑوا نہیں تھا۔

"مبارک ہو میم صاحب۔" نوجوان نے کہا یقیناً بہت ہی اچھی ہے۔ پھر اونچی آواز سے بولا۔ صرف بیس سن۔ بیس سن! صبح صبح یہ معلوم کرنے کا دام کہ آپ کی صحت اچھی ہے یا نہیں۔ صرف بیس ۲۰ سن۔ بہت ہی بڑھیا سودا ہے۔ آیئے آگے بڑھیے صاحبان!

توت توچان کا جی چاہا کہ وہ بھی سرمئی رنگ کی چھال کو چکھے لیکن اسے چھال مانگتے شرم آرہی تھی، لہذا اس نے دوسری ہی بات پوچھی۔ "کیا آپ اسکول ختم ہونے کے بعد بھی یہاں ملیں گے؟"

"ہاں ہاں ضرور۔" نوجوان نے اسکول کی بچی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ توت توچان دوڑ پڑی۔ اس کا تھیلا پیٹھ پر اچھل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے دیر ہو جائے اُسے اسکول شروع ہونے سے پہلے ہی کچھ کرنا تھا۔ جوں ہی وہ کلاس میں پہنچی اس نے بچوں سے پوچھا تھا "کیا کوئی بیس ۲۰ سن مجھے ادھار دے سکتا ہے؟"

لیکن بیس ۲۰ سن تو کسی کے پاس نہیں تھا۔ کریمل مٹھائی کے بڑے پیکٹ تو صرف دس ۱۰ ہی سن کے ملتے تھے۔ یہ کوئی بڑی رقم تو نہیں تھی لیکن وہ بھی کسی کے پاس نہیں نکلی۔

"کیا میں اپنے والدین سے مانگوں؟" میو چان نے پوچھا

کبھی کبھی وقت پڑنے پر بڑی آسانی ہو جاتی تھی کیونکہ میو چان ہیڈ ماسٹر کی بیٹی تھی۔ میو چان کا گھر اسمبلی ہال سے ملا ہوا تھا چنانچہ لگتا تھا جیسے اس کی اماں اسکول میں ہی رہتی ہوں۔

دن کے کھانے کے وقت میو چان نے توت توچان کو بتایا "ڈیڈی کہتے ہیں کہ وہ رقم تو تم کو اُدھار دے دیں گے لیکن وہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم کو آخر کام کیا ہے؟"

توت توچان آفس کی طرف چل دی۔

"اچھا تو تم کو بیس ۲۰ سن چاہئیں؟" ہیڈ ماسٹر نے اپنا چشمہ اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا "تمہیں یہ رقم کیوں چاہیے؟"

"مجھے چھال کا ایک ٹکڑا خریدنا ہے جو یہ بتادیتا ہے کہ آپ بیمار ہیں یا اچھے۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔ ہیڈ ماسٹر کی دلچسپی اور بڑھی۔ "یہ چھال کہاں بک رہی ہے؟"

''اسٹیشن کے سامنے۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو تو خرید لو لیکن ایک بات ہے مجھے بھی ضرور دکھانا۔ دکھاؤ گی نا؟'' ہیڈ ماسٹر نے کہا۔

انہوں نے اپنے جیکٹ کی جیب سے ایک بٹوہ نکالا اور توت توچان کی ہتھیلی پر بیس سن رکھ دیئے۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔ توت توچان نے خوش ہو کر کہا۔ '' میں اماں سے روپئے لے کر آپ کو واپس کر دوں گی۔ وہ مجھے کتابیں خریدنے کو تو ہمیشہ ہی پیسے دے دیتی ہیں۔ کچھ اور خریدنا ہو تو مجھے پہلے پوچھنا پڑتا ہے۔ پر دیکھئے صحت والی چھال کی تو سب ہی کو ضرورت ہو گی مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ نہیں کہیں گی۔''

جب اسکول ختم ہو گیا تو توت توچان بڑی تیزی سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کی مٹھی میں بیس ۲۰ سن تھے۔ نوجوان آدمی اب بھی وہاں ہی بیٹھا تھا اور اپنی چھال بیچنے کے لئے اور زیادہ زور زور سے آوازیں لگا رہا تھا۔ توت توچان کی مٹھی میں بیس ۲۰ سن دیکھ کر تو اس کی باچھیں ہی کھل گئیں۔

''واہ رے اچھی بچی۔ تمہارے اماں ابا تو بہت ہی خوش ہوں گے''۔ ''اور راکی بھی تو؟''۔ توت توچان نے کہا۔

''یہ راکی کون ہے؟'' اُس آدمی نے سوال کیا اور چھال کا ایک ٹکڑا توت توچان کے لئے اُٹھانے لگا۔

''ہمارا کتا ہے۔ جرمن شیفرڈ ہے وہ''۔

آدمی رک گیا پھر ایک منٹ بعد کچھ سوچ کر بولا ''ایک کتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے چلے گی کتے کے ساتھ بھی ـــ اگر کڑوی لگی تو اس کو اچھی نہیں لگے گی مطلب ہو گا کہ وہ بیمار ہے۔''

آدمی نے کوئی ایک انچ چوڑا اور چھ انچ لمبا چھال کا ٹکڑا اٹھایا اور بولا۔ ''ہر روز صبح کو ذرا سے چبا کر دیکھنا اگر کڑوی لگے تو سمجھو تم بیمار ہو اگر نہیں تو اپنے کو بالکل تندرست سمجھنا۔''

توت توچان اس قیمتی چھال کو جو کہ اخبار کے ٹکڑے میں لپٹی ہوئی تھی بڑی احتیاط

سے لئے ہوئے گھر پہنچی۔ گھر آ کر اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اُس کا چھوٹا سا ٹکڑا کتر کر چبایا وہ بالکل خشک اور کھردری سی لگی۔ اصل میں اس میں کوئی بھی مزا نہیں تھا۔

''ہرّا۔ میں تندرست ہوں۔'' وہ چلائی۔

''بے شک وہ تو تم ہو ہی''۔ ماں مسکرائیں ''آخر معاملہ کیا ہے؟'' توت توچان نے سارا حال سنایا۔ ماں نے بھی چھال کا ایک ٹکڑا لے کر چکھا ''یہ تو کڑوا نہیں ہے۔''

''ارے اماں تب تو آپ بھی بالکل تندرست ہیں''۔

اب توت توچان راکی کے پاس گئی اور اس کے سامنے چھال کا ایک ٹکڑا کر دیا۔ راکی

نے پہلے تو اُسے سونگھا پھر چاٹنے لگا۔

"تم کو اسے کاٹ کر چبانا ہوگا تب تم کو پتہ چلے گا کہ تم اچھے ہو یا بیمار"۔ توت تو چان نے راکی سے کہا۔

لیکن راکی نے چھال کو کترنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ پنجوں سے بس اپنے کان کا پچھلا حصہ کھجاتا رہا۔ توت تو چان نے چھال کا ٹکڑا اس کے منہ کے اور قریب کر دیا اور بولی۔ چلو کاٹو اسکو اگر تم اچھے نہیں ہو تو بڑی مصیبت آجائے گی۔

راکی نے بادل ناخواستہ چھال کا کنارا ذرا سا کتر لیا۔ لیکن ایسا نہیں لگا کہ اس کے منہ کا مزا خراب ہوا اور اُسے اچھا نہیں لگا۔ اُس نے بس ایک بڑی سی جمائی لی۔

"ہرّا راکی بھی تندرست ہے!"

اگلی صبح کو ماں نے توت تو چان کو بیس سن دے دیئے۔ اسکول پہنچتے ہی وہ سیدھے ہیڈ ماسٹر کے آفس گئی اور اس نے چھال نکال کر اُن کے سامنے رکھ دی۔ ایک لمحہ تو ہیڈ ماسٹر نے اسے دیکھا اور لگتا تھا کہ پوچھیں گے "یہ کیا ہے؟" پھر اُن کی نظر ۲۰ سن پر پڑی جو توت تو چان کی مٹھی میں احتیاط سے بندھے تھے اور وہ واپس کرنے لائی تھی۔ انہیں یاد آیا۔

"اسے کاٹ کر تو دیکھئے اگر کڑوی لگی تو مطلب ہوگا کہ آپ بیمار ہیں۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے تھوڑی سی چھال کتری پھر الٹ پلٹ کر اسے غور سے دیکھا۔ "کیا آپ کو کڑوی لگی؟" توت تو چان نے فکر مند ہو کر ان کے چہرے کو دیکھا اور سوال کیا۔

"نہیں اس میں تو کوئی مزا ہی نہیں ہے"۔ چھال توت تو چان کو انہوں نے واپس دیتے ہوئے کہا "میں بالکل اچھا ہوں۔ شکریہ!"

"ہرّا ہیڈ ماسٹر بھی بالکل تندرست ہیں میں کتنی خوش ہوں۔" اس دن توت تو چان نے ہر ایک کو چھال کا ٹکڑا چبانے کو دیا، کسی بچے کو بھی چھال کڑوی نہیں لگی۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ وہ سب کے سب صحت مند تھے۔ توت تو چان خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی۔

ایک ایک کر کے بچے ہیڈ ماسٹر کو بتاتے تھے کہ وہ بالکل تندرست ہیں۔ ہیڈ ماسٹر کو یہ بات معلوم تھی۔ وہ ملک کے گماپری فیکچر علاقے میں پیدا ہوئے تھے اور یہاں ہی پلے بڑھے تھے۔ یہ جگہ دریا کے کنارے تھی جہاں سے ہرونا کی پہاڑ کی چوٹی نظر آتی تھی۔ انہیں

ضرور معلوم رہا ہوگا کہ چاہے جو بھی اس چھال کو چبائے یہ کسی کو کڑوی نہیں لگے گی۔ لیکن انہوں نے سوچا کہ اچھا ہوگا کہ توت تو چان کو یہ جان کر خوشی حاصل ہو کہ سب تندرست ہیں۔ وہ اس بات سے بڑے خوش تھے کہ اس کی پرورش اسطرح ہوئی ہے کہ اگر کوئی کہہ دیتا کہ چھال کڑوی لگی تو وہ پریشان اور فکر مند ہو جاتی۔

توت تو چان نے سڑک پر مارے مارے پھرنے والے ایک کتے کے منہ میں بھی چھال ٹھونسنے کی کوشش کی تھی۔ کتا اسے کاٹ ہی کھاتا لیکن وہ ڈری نہیں اور ڈٹی رہی۔

وہ کتے پر چلائی۔ "ارے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم بیمار ہو یا نہیں۔ چلو کاٹو اسے! اگر تم صحت مند ہو تو بس ٹھیک ہے۔"

توت تو چان اس کتے کو جسے وہ جانتی بھی نہیں تھی چھال کا ایک ٹکڑا کاٹنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ کتے کے چاروں طرف اچھلتے ہوئے چلائی۔ "ہرّا! تم بھی تندرست ہو!"

کتے نے سر جھکا لیا جیسے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔ اور پھر وہ بھاگ گیا۔

ہیڈ ماسٹر کا قیاس صحیح تھا۔ چھال بیچنے والا نوجوان جیو گاؤکا اسٹیشن پر پھر کبھی نظر نہیں آیا۔

ہر روز صبح کو اسکول روانہ ہونے سے پہلے توت تو چان چھال کے اپنے بیش قیمت ٹکڑے کو دراز سے نکالتی تھی اور اس میں سے تھوڑا سا کتر کر چبا لیتی تھی۔ چھال کا وہ ٹکڑا اب دیکھ کر ایسا لگنے لگا تھا کہ جیسے کسی اود بلاؤ نے اس پر کافی وقت صرف کیا ہے۔ گھر سے جاتے ہوئے توت تو چان پکار کر کہتی "میں بالکل تندرست ہوں۔"

اور شکر ہے وہ واقعی تندرست تھی!

انگریزی بولنے والا بچہ

تو موئے میں ایک نیا لڑکا پڑھنے آیا۔ ابتدائی اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے وہ کچھ زیادہ لمبا تھا اور اس کے کندھے بھی چوڑے تھے۔ توت تو چان نے سوچا کہ وہ تو ساتویں درجے کا طالب علم لگتا ہے۔ اُس کے کپڑے بھی ذرا مختلف تھے۔ کافی بڑے لوگوں جیسے۔

اس صبح ہیڈ ماسٹر نے اسکول کے میدان میں سب بچوں کا تعارف نئے طالب

علم سے کرلیا۔ یہ میازاکی ہیں۔ یہ امریکہ میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی پرورش پائی اس لئے جاپانی زبان میں اچھی طرح بات چیت نہیں کر سکتے۔ اسی لئے وہ تو موئے آئے ہیں کہ یہاں وہ زیادہ آسانی سے بہت دوست بنا سکیں گے اور اطمینان سے پڑھائی کریں گے۔ اب وہ تم میں سے ایک ہیں۔ اُنہیں کس درجے میں داخل کیا جائے؟ پانچواں درجہ کیسا رہے گا جہاں تاچان اور دوسرے بچے ہیں؟

"یہ تو بڑا اچھا ہے۔" تاچان نے بڑے بھائی کی سی آواز میں کہا، وہ ڈرائنگ میں بہت اچھا تھا۔

ہیڈ ماسٹر مسکرادیئے اور بولے "میں نے کہانہ کہ اُسے جاپانی زبان اچھی طرح نہیں آتی۔ لیکن اس کی انگریزی بڑی اچھی ہے، تم لوگ اس سے کچھ انگریزی بھی سیکھ لو۔ چونکہ وہ ابھی جاپان کی زندگی کا عادی نہیں ہے تم لوگ اس کی مدد کرنا۔ کروگے نا؟ اُس سے تم لوگ امریکی زندگی کے بارے میں پوچھو وہ تمہیں طرح طرح کی دلچسپ باتیں بتائے گا۔ اچھا تو اب میں اسے تمہارے ساتھ چھوڑتا ہوں۔"

میازاکی نے کلاس کے ساتھیوں کے آگے سر جھکایا۔ وہ سب قد میں اس سے چھوٹے تھے۔ صرف تاچان کی کلاس کے بچوں نے ہی نہیں بلکہ سارے ہی بچوں نے جواب میں اپنے سر جھکادیئے۔

دن کے کھانے کے وقت میازاکی ہیڈ ماسٹر کے گھر کی طرف چلا تو سارے بچے اس کے پیچھے ہو لئے، لیکن اس نے کیا کیا کہ جوتے پہنے ہی ہوئے ہیڈ ماسٹر کے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ سارے چلانے لگے "ارے تمہیں اپنے جوتے اتارنے پڑیں گے۔" میازاکی کچھ گھبر اسا گیا اور جوتے اتارتے ہوئے بولا۔ "مجھے معاف کیجئے گا۔"

سارے بچے ایک ساتھ اسے بتانے لگے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔

"تمہیں تاتامی چٹائی بچھے ہوئے سبھی کمروں میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتارنے ہوں گے۔ ہاں کلاس میں، اور لائبریری میں بھی تم انہیں پہنے رہ سکتے ہو۔ جب تم کوہن بت سو کے مندر جاؤ گے وہاں آنگن میں تو جوتے پہن سکتے ہیں مگر مندر کے اندر نہیں، وہاں جوتے اتارنے ہوں گے۔"

جاپان کی زندگی اور غیر ملک کی زندگی کے رہن سہن کے بارے میں سیکھنا بڑا مزیدار لگتا تھا۔

اگلے دن میازاکی انگریزی تصویروں والی ایک کتاب اسکول لایا۔ سب لوگ کھانے کی چھٹی میں اس کے چاروں طرف اکٹھا ہو گئے تاکہ یہ کتاب دیکھ سکیں۔ اس سے پہلے انہوں نے ایسی خوبصورت کتاب دیکھی ہی نہیں تھی۔ جو کتابیں انہوں نے دیکھی تھیں ان میں گہرے سرخ، ہرے اور پیلے رنگ تھے مگر اس میں تو گلابی رنگ ایسا تھا جیسا گوشت کا ہوتا ہے۔ نیلے رنگ تو کئی طرح کے تھے، بیحد خوب صورت۔ کوئی سفیدی مائل نیلا، تو کسی میں دھوئیں جیسا رنگ ملا ہوا۔ ایسے پیارے پیارے رنگ جو رنگ دار چاک کی پنسلوں میں ہوتے ہی نہیں۔ عام طور پر ان چاک کی پنسلوں کے ڈبوں میں صرف بارہ رنگ ہوتے ہیں اور یہاں تو اور بہت سے نئے رنگ تھے۔ ایسے رنگ جو تاچان کے اڑتالیس رنگوں کے ڈبے میں بھی نہیں تھے۔ سبھی لوگ بڑا رعب کھائے ہوئے تھے۔ جہاں تک تصویروں کا سوال ہے پہلی تصویر میں تو ایک کتا ننھے سے بچے کا جانگھیا پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ جس بات نے سب بچوں کو متاثر کیا یہ تھی کہ یہ ایسا نہیں لگتا تھا کہ تصویر میں رنگ بھرا گیا ہے بلکہ اس کا رنگ تو بالکل کسی اصلی ننھے منے بچے کے رنگ جیسا ہی لگتا تھا۔ انہوں نے اتنی بڑی اور اس قدر موٹے چمکیلے کاغذ پر چھپی ہوئی تصویروں والی کتاب کبھی نہیں دیکھی تھی۔ توت توچان اپنے دوستی والے انداز میں، جو اس کی عادت تھی میازاکی اور اسکی کتاب کے جتنا نزدیک ہو سکتا تھا جا پہنچی۔

میازاکی نے کتاب سے جو کچھ انگریزی میں لکھا تھا اس نے پڑھکر سنانا شروع کر دیا انگریزی زبان اتنی رواں تھی کہ وہ محو ہو کر سننے لگے۔ اس کے بعد میازاکی نے جاپانی زبان میں پڑھنا شروع کر دیا۔

یقیناً میازاکی اسکول کے لئے ایک نئی اور مختلف چیز لایا تھا۔

اکاچن بچے کو کہتے ہیں۔ اس نے شروع کیا۔ سب نے اس کے بعد اسے دوہرایا۔ کہ اکاچن معنی بچہ۔ میازاکی نے اسکے بعد کہا۔ اتسو کوشی معنی خوبصورت۔ اسنے کو پر زور دیا اور ای کو چھوٹا کر دیا۔ اتسو کوشی معنی خوبصورت۔ سب نے دوہرایا۔ تب میازاکی کو اندازہ ہوا کہ اس کا جاپانی تلفظ ٹھیک نہیں تھا۔ اتسو کشی۔ ی۔ ی۔ ہے نا؟ اب تو ٹھیک ہے؟

جلدی ہی میازاکی اور دوسرے بچوں میں دوستی ہو گئی۔ وہ روزانہ انگریزی میں طرح طرح کی کتابیں تو موئے لاتا اور دن کے کھانے کی چھٹی میں پڑھ کر سنایا کرتا۔

ایسا لگتا تھا جیسے میازاکی ہی بچوں کا انگریزی کا ٹیچر ہو۔ اس کے ساتھ ہی میازاکی کی جاپانی بھی دن بہ دن بہتر ہوتی گئی اور تو اور اب وہ توکونوما جیسی متبرک جگہ میں جہاں مالدار چڑھاوا چڑھاتے ہیں جا کر بیٹھنے جیسی غلطی بھی نہیں کرتا تھا۔

توت توچان اور اسکے دوستوں نے امریکہ کے بارے میں بہت ساری باتیں جان لیں۔ تو موئے میں امریکہ اور جاپان کی دوستی ہو رہی تھی لیکن تو موئے کے باہر امریکہ ایک دشمن ہو گیا تھا اور چونکہ انگریزی دشمن کی زبان تھی تو یہ سارے اسکولوں کے نصاب سے نکال دی گئی۔

سرکار نے اعلان کر دیا "امریکی شیطان ہیں" لیکن تو موئے میں سب بچے مل کر چلاتے تھے "اتسو کوشی ی ی۔۔۔ معنی ہیوٹی فل۔ تو موئے میں بہنے والی ہوائیں نرم گرم تھیں اور وہاں کے بچے خود بے حد حسین!

شوقیہ ڈرامہ

تو موئے کی تاریخ میں یہ پہلا ڈرامہ تھا۔ دن کے کھانے کے وقت کسی بچے کے تقریر کرنے کا رواج تو تھا لیکن ذرا سوچیے تو ناظرین کے سامنے چھوٹے سے منچ پر ڈرامہ پیش ہو، اوپر سے وہ بڑا سا پیانو جو یور تھمکس کے لئے ہیڈ ماسٹر بجاتے تھے، وہاں رکھ دیا جائے اور ڈرامہ دیکھنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی جائے، یہ تو بات ہی اور ہے۔ کسی بھی بچے نے ڈرامہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ توت توچان نے بھی نہیں۔ "ہنسوں کی جھیل" بیلے دیکھنے کے علاوہ وہ کبھی تھیٹر نہیں گئی تھی، پھر بھی سب بچوں نے اس بارے میں بات کرنا شروع کر دیا کہ سالانہ جلسے میں کس طرح کا پروگرام پیش کریں گے۔

توت توچان کی پوری کلاس نے ڈرامہ کن جن چھو (فنڈ جمع کرنے کا چارٹر) پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک مشہور کھوکی ڈرامہ تھا۔ یہ ایسا تو نہ تھا کہ تو موئے میں دیکھنے کی توقع

کی جائے لیکن یہ بچوں کی ایک نصابی کتاب میں تھا اور مسٹر نرویاما اسے کرانے والے تھے۔ انہوں نے طے کیا کہ آئی کوسائے شو (AIKO SAISHO) ایک اچھی بن کے ای بنے گی یعنی بہادر آدمی بنے گی کیونکہ وہ لمبی چوڑی اور بڑی سی ہے۔ اماڈوراجو کافی گمبھیر نظر آتا تھا اور جس کی آواز درد سے کمانڈر تگاشی بن جائے گا بحث مباحثے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا گیا کہ توت توچان کو رئیس یوشت سونے کا رول دیا جائے جو ڈرامے میں سامان ڈھونے والا ایک مزدور کے بھیس میں ہے اور بھاگ نکلنا چاہتا ہے۔ باقی سب لوگ ادھر ادھر گھومنے والے سادھو بن جائیں گے۔

رہرسل شروع کرنے سے پہلے بچوں کو اپنا اپنا پارٹ یاد کرنا تھا کہ وہ پورے وقت خاموشی سے کھڑے رہیں جب کہ یوشت سونے بنک توت توچان کو بڑا سا کھر پتوار بنا ہوا ہیٹ پہن کر چہرہ چھپائے رکھنا اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا تھا۔ بن کے ای کو جو دراصل یوشت سونے کا نوکر ہے جھوٹ موٹ اپنے مالک کو مارنا پیٹنا تھا اور چالاکی سے وہ اپنی پارٹی کو چوکی اٹاکا پار کرانا چاہتا تھا۔ وہ ظاہر کرتا ہے کہ سب لوگ سادھو ہیں جو ایک مندر کی مرمت کے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ آئی کوسائی شو، کو جو پہلوان بنی ہے بڑا زبردست پارٹ ادا کرنا ہے۔ چوکی کے کمانڈر توگاشی کے ساتھ اس کی زبانی بات چیت، ایک دوسرے پر چوٹیں اور سوال جواب کے علاوہ، وہ جوشیلا حصہ بھی تھا جس میں، کمانڈر کے حکم پر بن کے ای کو ظاہر کرنا تھا کہ وہ چندہ جمع کرنے کا چارٹر پڑھ رہا ہے۔ دراصل جو کاغذ وہ پڑھ رہا تھا وہ بالکل کورا تھا، اور وہ بڑی ہوشیاری سے مذہبی رہنماؤں کی شان و شوکت والی پر تکلف زبان کی نقل من گھڑت اور زبانی کر رہا تھا وہ پڑھتا ہے کہ "پہلی بات تو یہ ہے کہ تو داجی نامی مندر کی مرمت کے لئے۔۔۔ آئی کوسائی اپنی پہلی بات تو اہلی تقریر کو روز رٹا کرتی تھی۔

توگاشی کے رول میں بھی بہت زیادہ بات چیت تھی کیونکہ وہ سن کے ای کی باتوں کی کاٹ کرتا ہے، چنانچہ اماڈیرہ دن رات پارٹ کو یاد کرنے میں جٹا رہتا۔

آخر کار رہرسل کا وقت آیا۔ توگاشی اور بن کے ای آمنے سامنے آئے اور اُن کے پیچھے سارے سادھو قطاریں بنائے کھڑے تھے۔ توت توچان یوشت سونے ہی کے سامنے ہی بالکل جھکی ہوئی گھٹنے ٹیکے ہوئے تھی لیکن اسکی ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ہو کیا

رہا تھا۔ اس لئے جب بن کے ای سو نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر، یوشِت سو نے کو مارنا چاہا تو توت توچان بھڑک اٹھی اور اس نے آئی کو سائی شو کو پلٹ کر ٹھوکر مار دی اور اس نے نوچ لیا۔ آئی کو رونے لگی اور سب سادھو کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔

یوشِت سونے کو توچپ چاپ اور سہا سہا سا ہی رہنا تھا، چاہے بن کے ای اُسے کتنا ہی مارے۔ دکھانا یہ تھا کہ کمانڈر توگاشی کو کچھ شبہ تو ہو گیا ہے کہ اصلیت کیا ہے۔ لیکن اِن کے ای کی چال اور اس بات سے متاثر ہو کر کہ اسکو اپنے نیک اور شریف مالک کو مارنے پیٹنے میں کس قدر دُکھ ہوا ہو گا، اس نے ان لوگوں کو چوکی پار کر لینے دی۔

ڈرامے میں اگر یوشِت سونے مزاحمت کرنے لگتا تو سارا پلاٹ ہی چوپٹ ہو جاتا۔ مار و یاما صاحب نے توت توچان کو یہ سب باتیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اڑی رہی۔ اس نے اسی بات پر اصرار کیا کہ اگر آئی کو سائی شو اسے مارے گی تو وہ بھی اُس کی ضرور پٹائی کرے گی، لہٰذا گاڑی اسی پر اٹک گئی۔

ریہرسل کے دوران جتنی بار بھی یہ سین آتا توت توچان ہمیشہ پلٹ کر لڑنے لگتی۔ "مجھے بیحد افسوس ہے۔" آخر کار مسٹر ماریاما نے توت توچان سے کہدیا، "لیکن میرا خیال ہے کہ بہتر ہو گا ہم لوگ تائی چان یوشِت سونے کا سے پارٹ ادا کرنے کو کہہ دیں۔"

توت توچان کی جان میں جان آگئی۔ اُسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ بس اُسی ایک کی پٹائی ہوتی رہے۔

"توت توچان مہربانی سے کیا تم سادھو بنو گی؟" مسٹر ماریاما نے پوچھا۔ بس توت توچان سادھو بن گئی اور دوسرے سادھوؤں کے ساتھ کھڑی ہو گئی لیکن بالکل پیچھے۔

مسٹر ماریاما اور دوسرے بچوں نے سوچا کہ اب سب ٹھیک ٹھاک رہے گا۔ لیکن اُن کا خیال غلط نکلا۔ انہیں توت توچان کو سادھوؤں کی لمبی چھڑی نہیں دینی چاہیے تھی۔ چپ چاپ کھڑے کھڑے اس کا دل گھبرا گیا تو اس نے قریب کھڑے سادھو کے پیروں کو چھڑی سے گودنا شروع کر دیا۔ پھر سامنے کھڑے ہوئے ایک سادھو کی بغل میں چھڑی سے گدگدی کرنے لگی۔ اور تو اور چھڑی ہلا کر وہ کنڈکٹر بننے کی کوشش کرنے لگی، جو نہ صرف پاس کھڑے لوگوں کے لئے خطرے سے خالی نہیں تھا بلکہ ایسا کرنے سے یوگاشی اور بن کے

ای والا سین بھی برباد ہو گیا۔

پھر تو سادھو کے رول سے بھی اسے ہاتھ دھونا پڑا۔

جب تائی چان یوشِت سونے بنا تو اس نے بڑی مردانگی دکھائی۔ وہ دانت بھینچ کر ٹھوکریں کھاتا رہا اور پٹتا رہا مگر اُف نہ کی۔ دیکھنے والوں کو تو واقعی اس پر بڑا ترس آیا ہو گا۔ توت توچان کے بغیر ریہرسل اچھی طرح ہوتا رہا۔

اکیلی ہو کر توت توچان اسکول کے میدان میں چلی گئی۔ اُس نے اپنے جوتے اتار دیے "اور توت توچان بیلے" کرنے لگی۔ اس کے خیال میں یہ ایک حسین ناچ تھا۔ کبھی وہ ہنس بن جاتی تو کبھی ہوا اور کبھی ایک بھیانک آدمی یا پھر کوئی پیڑ۔

سونے میدان میں توت توچان اکیلے ہی دیر تک ناچتی رہی، ناچتی رہی اس کے دل کی گہرائیوں میں کہیں یہ احساس تھا کہ وہ یوشِت سونے بننا چاہتی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر اُسے اجازت مل جاتی تو وہ آئی کو سائی شو کو مارتی نوچتی ضرور۔ اس طرح توت توچان تو موئے کے پہلے اور آخری شوقیہ ڈرامے میں حصہ نہ لے پائی۔

چاک

تو موئے کے بچوں نے کبھی بھی کسی گھر کی دیوار سڑک پر چاک یا پنسل سے تصویریں نہیں بنائی تھیں اور نہ کچھ لکھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں ایسا کرنے کا موقعہ اسکول میں کافی مل جاتا تھا۔ موسیقی کی کلاس اسمبلی ہال میں ہوتی تو ہیڈ ماسٹر ہر بچے کے ہاتھ میں چاک تھما دیتے تھے۔ بچے چاک ہاتھ میں لے کر جہاں دل چاہے فرش پر بیٹھ کر یا لیٹ کر انتظار کر سکتے تھے جب سب تیار ہو جاتے تو ہیڈ ماسٹر پیانو بجانا شروع کر دیتے۔ جب وہ ایسا کر رہے ہوتے تو بچے موسیقی کی دھنوں کی علامتیں فرش پر بناتے۔ ہلکے بھورے رنگ کی چکیلی لکڑی کے فرش پر لکھنے کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ توت توچان کی کلاس میں صرف دس بچے تھے۔ اس لئے جب وہ ہال میں اِدھر اُدھر بکھر جاتے تو اسمبلی ہال میں خاصی جگہ رہتی تھی اور دل چاہے تو بچے فرش پر دھنوں کے نشان کافی بڑے بڑے بنا سکتے تھے۔ انہیں اپنی علامتوں کے لئے لائنوں کی

ضرورت نہیں ہوتی تھی جو کہ اہم ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف سُر کو لکھ دیا کرتے تھے۔ تو موئے کے سُر کے نشان بھی طرح طرح کے ناموں سے پکارے جاتے تھے، جو بچوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے بات چیت کر کے خود طے کئے تھے۔

مثال کے طور پر:

سا۔ کو وہ چھلانگ کہا جاتا تھا کیونکہ اچھلنے کودنے کے لئے یہ اچھا سُر تھا

رے۔ کا نام جھنڈا تھا کیونکہ یہ نشان ویسا ہی نظر آتا تھا۔

گا۔ کو وہ لوگ جھنڈا جھنڈا کہتے تھے۔

ما۔ دوہرا نا جھنڈا کہا جاتا تھا۔

پا۔ کا نام کالا تھا۔

دھا۔ کو سفید پکارا جاتا۔

لی۔نی۔ تھا سفید کتنا۔ یا پھر سفید بندی والا اور

سا۔ کو۔ گولا کہا جاتا تھا۔

اس طرح بچوں نے موسیقی کی دھنوں کے نشان اچھی طرح پہچان لئے تھے اور یہ دلچسپ بھی تھا۔ موسیقی کی کلاس ان کی پسندیدہ کلاس تھی۔

فرش پر بچوں کو لکھنے دیا جائے یہ خیال ہیڈ ماسٹر کا ہی تھا۔ کاغذ تو ہوتا تھا چھوٹا اور اتنے سارے بلیک بورڈ کہاں تھے جو سبھی بچے لکھ لیتے۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ اسمبلی ہال کا فرش ایک اچھے سے بلیک بورڈ کا کام دے گا جس پر بچے سر تال کے نشان اچھی طرح بنا سکیں گے، چاہے موسیقی کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو اور وہ جتنا بڑا چاہیں اتنا لکھ سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس طرح انہیں موسیقی میں بڑا مزہ آئے گا اور اگر اس کے بعد وقت بچتا ہے تو وہ

ہوائی جہاز، گڑیاں، پھول، پتے جو چاہیں بنا سکتے تھے۔ کبھی کبھی بچے بس مذاق میں ہی اپنی بنائی تصویریں ایک دوسرے کی تصویروں سے جوڑ دیا کرتے تھے۔ پھر تو پورا فرش ایک بہت بڑی تصویر بن جاتا۔ موسیقی کلاس کے دوران وقفے میں ہیڈ ماسٹر اٹھ کر آتے اور ہر بچے کے بنائے سُر کے نشان کو دھیان سے جانچتے۔ پھر تبصرہ کرتے "وہ اچھا ہے" یا کہتے "نہیں یہاں جھنڈا جھنڈا نہیں تھا،" "یہ تو چھلانگ تھا۔"

جب وہ ہر بچے کے بنائے سُر کے نشان کو جانچ کر درست کر لیتے تو واپس آکر موسیقی کی دُھن پھر سے بجاتے تاکہ سب بچے اسے ٹھیک سے اور اچھی طرح جان لیں اور وہ خود دیکھ لیں کہ انہوں نے جو لکھا ہے وہ صحیح تھا یا غلط۔ چاہے وہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں ہیڈ ماسٹر یہ کلاس کبھی کسی کو نہیں دیتے تھے۔ جہاں تک بچوں کا تعلق ہے تو مسٹر کوبایاشی کے بغیر انہیں موسیقی کے گھنٹے میں کوئی مزہ نہیں آتا تھا۔

فرش پر چاک سے سُر کے نشان لکھنے کے بعد اسے صاف کرنے کا کام خاصا ٹیڑھا تھا۔ سب سے پہلے تو بلیک بورڈ صاف کرنے کے جھاڑن سے صاف کرنا پڑتا پھر سارے بچے گیلے جھاڑن سے پورے فرش کو خوب رگڑ رگڑ کر پونچھتے اور اُسے خوب چمکا دیتے۔ بڑی محنت کا کام تھا یہ۔

اس طرح تو موئے کے بچوں نے سیکھا کہ دیواروں یا سڑکوں پر کچھ لکھ دیا جائے تو اُسے صاف کرنا کس قدر دشوار کام تھا۔ اس لئے وہ سوائے اسمبلی ہال کے فرش کے کسی اور جگہ کبھی کچھ نہیں لکھتے تھے۔ ویسے ان کی موسیقی کی کلاس ہفتے میں دو مرتبہ ہوا کرتی تھی اس لئے انہیں جی بھر کے تصویریں بنانے اور چاک گھسنے کا موقع مل جاتا تھا۔

تو موئے کے بچے چاک پہچاننے میں تو ماہر تھے، کون سی چاک سب سے اچھی ہوتی ہے، چاک کو پکڑتے کیسے ہیں، اسے کیسے چلائیں کہ نتیجہ بہترین نکلے، کیا کریں کہ ٹوٹے نہیں وغیرہ۔۔۔۔۔ ہر بچہ چاک کو پرکھنے والا بن گیا تھا۔

یاسوا کی چان مر گیا

بہار کی چھٹیوں کے بعد اسکول کا پہلا دن تھا۔ ہیڈ ماسٹر کوبایاشی میدان میں جمع بچوں کے

سامنے کھڑے تھے۔ ہمیشہ کی طرح ان کے ہاتھ جیب میں تھے تھوڑی دیر تک وہ چپ رہے کچھ بولے نہیں۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھ جیب سے باہر نکالے اور بچوں پر ایک نظر ڈالی۔ لگتا تھا جیسے وہ کافی رو چکے ہیں۔

"یاسوا کی چان نہیں رہا"۔ انہوں نے دھیرے دھیرے کہا۔ ہم سب آج اس کے جنازے میں شریک ہونے جارہے ہیں۔ وہ کہتے رہے "تم سب لوگ یاسوا کی چان کو پسند کرتے تھے میں جانتا ہوں۔ یہ بہت بُرا ہوا، مجھے بے انتہا دُکھ ہے۔" اتنا کہتے کہتے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بچے تو ایک دم سکتے میں آ گئے تھے اور کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ وہ سب یاسوا کی چان کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ درد و غم سے بھرا ایسا سناٹا تو موئے کی سرزمین پر اس سے پہلے کبھی نہیں چھایا تھا۔ دیکھو تو کتنی چھوٹی سی عمر میں مر گیا یاسوا کی چان۔ توت تو چان نے دل میں سوچا۔ "اور میں نے تو انکل ٹامس کیبن ابھی پڑھی بھی نہیں جو اس نے چھٹیوں سے پہلے مجھے دی تھی اور کہا تھا کہ یہ کتاب مجھے ضرور ہی پڑھنی چاہیے۔" اُسے یاد آیا کہ جب یاسوا کی چان نے اُسے چھٹیوں سے پہلے خدا حافظ کہا تھا تو اُس کی انگلیاں کیسی ٹیڑھی میڑھی ہو رہی تھیں۔ اُسی دن تو کتاب دی تھی اُس نے۔

وہ دن بھی یاد آیا جب وہ پہلی بار اُس سے ملی تھی اور پوچھا تھا کہ "تم ایسے کیوں چلتے ہو؟" اور اُس نے بڑی نرمی سے جواب دیا تھا کہ "مجھے پولیو ہو گیا تھا"۔ اُس کو یاسوا کی چان کی دھیمی نرم آواز اور اُس کی مسکراہٹ یاد آ گئی۔ اور گرمیوں میں اکیلے بس صرف اُن دونوں کا پیڑ پر چڑھنے والا واقعہ۔ اس کو بری طرح یاد آیا کہ اسکا جسم کس قدر بھاری تھا اور کیسے اُس نے توت تو چان پر پورا بھروسہ کر لیا تھا، حالانکہ وہ عمر میں اس سے بڑا اور لمبا بھی تھا۔

یاسوا کی چان نے ہی اُسے خبر دی تھی کہ امریکہ میں ایک چیز ٹیلی ویژن نام کی ہوتی ہے۔ کتنی محبت کرتی تھی توت تو چان یاسوا کی چان سے۔ دونوں ساتھ ساتھ دن کا کھانا کھاتے چھٹیوں کے وقفے ساتھ گزارتے، اور اسکول کے بعد اسٹیشن اکٹھے ہی جاتے۔ اب اُسکی یاد کتنی زیادہ آیا کرے گی۔ توت تو چان کو احساس ہوا کہ موت کا مطلب ہے کہ اب یاسوا کی چان کبھی نہیں آئے گا۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے چوزوں کے ساتھ ہوا تھا جب وہ مر گئے تھے تو اُس نے ان کو کس قدر پکارا تھا لیکن وہ ہلتے تک نہ تھے۔ یاسوا کی چان۔ ڈی

نین چوفو میں رہتا تھا۔ اُس کی آخری رسومات وہاں ہی کے ایک گرجا گھر میں ہونے والی تھیں۔

بچے جیوگاؤکا اسٹیشن سے چپ چاپ ایک قطار بنا کر روانہ ہوئے۔ توت تو چان نے بالکل ادھر اُدھر نہیں دیکھا جیسا کہ وہ عام طور پر کیا کرتی تھی بلکہ اُس نے اپنی نظریں پورے وقت زمین پر ہی گڑائے رکھیں۔ اُسے لگ رہا تھا کہ اب احساسات اُس وقت سے مختلف ہیں جب ہیڈ ماسٹر نے افسوسناک خبر سنائی تھی۔

پہلے تو خبر سُن کر اس کو یقین ہی نہیں آیا تھا، پھر دل پر ایک گہری افسردگی چھا گئی تھی۔ لیکن اب تو وہ صرف یہی چاہتی تھی کہ ایک بار پھر یاسوا کی چان کو زندہ دیکھ لے۔ بس ایک بار۔ اس سے باتیں کرنے کا کس قدر زیادہ جی چاہ رہا تھا کہ وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

گرجا گھر نرگس کے سفید پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ یاسوا چان کی خوبصورت سی ماں، اس کی بہن اور رشتے دار سیاہ لباس پہنے گرجا گھر کے باہر کھڑے تھے۔ توت تو چان کو دیکھ کر وہ اور زیادہ رونے لگے۔ اُن کے ہاتھوں میں سفید رومال تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ توت تو چان کسی کے جنازے میں گئی تھی۔ اسے سب کچھ بڑا تکلیف دہ لگ رہا تھا۔

گرجا گھر میں کوئی بھی بات چیت نہیں کر رہا تھا اور آرگن کی ہلکی دُعائیہ موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ سورج چمک رہا تھا اور گرجا گھر کے اندر ہر طرف روشنی تھی۔ لیکن خوشی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ ایک صاحب نے جن کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تو موئے سے آنے والے ہر بچے کو ایک ایک سفید پھول دیا اور سمجھایا کہ وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے، یاسوا کی چان کے کفن تک جائیں اور پھول وہاں رکھ دیں۔

کفن میں لپٹے ہوئے یاسوا کی چان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سفید پھولوں سے گھرا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ مر چکا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر سمجھ داری اور رحم دلی کی جھلک موجود تھی۔ توت تو چان نے جھک کر اپنا پھول اس کے ہاتھ کے پاس رکھ دیا اور آہستہ سے ہاتھ کو چھوا۔ اُسی پیارے ہاتھ کو جسے وہ کتنی ہی مرتبہ تھام چکی تھی۔ آج یاسوا کی چان کا

ہاتھ اس کے میلے کچیلے چھوٹے سے ہاتھ کے مقابلے میں بہت زیادہ سفید لگ رہا تھا۔ اُس کی انگلیاں بھی لانبی دیکھ رہی تھیں جیسے کسی بڑے آدمی کی ہوں۔

"اچھا تو الوداع"۔ اُس نے یاسوا کی چان سے سرگوشی کی "شاید بڑے ہو جانے پر ہم پھر کہیں مل جائیں۔ اور ہاں تب تک تمہارا پولیو بھی شاید اچھا ہو چکا ہو" پھر توت توچان سیدھی کھڑی ہو گئی اور اُس نے یاسوا کی چان کے چہرے کو ایک مرتبہ پھر دیکھا "ارے ہاں میں تو بھول ہی گئی" اُس نے کہا، "انکل ٹامز کیبن تو میں تم کو واپس نہیں لوٹا پاؤں گی اب۔ کیا لوٹا دوں؟ اچھا میں اسے رکھ لیتی ہوں اس وقت تک کے لئے جب کہ ہم دوبارہ ملیں"۔

جب وہ مڑ کر واپس چلنے لگی تو اُسے لگا کہ اُس نے پیچھے سے یاسوا کی چان کی آواز بالکل صاف سنی۔ "توت توچان! ہم نے ساتھ ملکر خوب مزے کیے۔ ہے نا؟ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ کبھی نہیں۔"

توت توچان جب دروازے پر پہنچی تو اُس نے بھی پلٹ کر کہا میں بھی تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔

موسمِ بہار کی نرم دھوپ اب بھی چمک رہی تھی۔ بالکل اسی دن کی طرح جب ریل کے ڈبے کے کلاس روم میں وہ پہلی بار یاسوا کی چان سے ملی تھی۔ لیکن اُس دن کے برخلاف آج اس کے گال آنسوؤں سے تر تھے۔

جاسوس

بہت دنوں تک تموئے کے بچے افسردہ رہے۔ انہیں یاسوا کی چان کی یاد ستاتی۔ خاص کر صبح کو جب کلاس شروع ہونے کا وقت آتا۔ اُن کے ذہن میں یہ بات بیٹھنے میں وقت لگ گیا کہ یاسوا کی چان محض لیٹ ہی نہیں ہے بلکہ وہ اب کبھی اسکول نہیں آئے گا۔ کلاس چھوٹی ہو تو ٹھیک رہتا ہے لیکن اکثر یہی بات ایسے موقوں پر بہت اکھرنے لگتی ہے۔ یاسوا کی چان کی غیر حاضری کا احساس ہر وقت ہی سب کو رہتا۔ بس ایک ہی بات کچھ اچھی تھی کہ درجے میں بچوں کی سیٹیں مقرر نہیں تھیں کیونکہ اگر وہ کسی خاص ڈیسک پر روزانہ بیٹھا کرتا تو اس کا خالی

ہو جانا سب کے لئے بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا۔

حال ہی میں توت توچان پھر یہ سوچنے لگی تھی کہ وہ بڑی ہو کر کیا بنے گی۔ جب وہ کچھ چھوٹی تھی تو سڑکوں پر گھومنے والی موسیقار یا بیلے کی رقاصہ بننا چاہتی تھی۔ جب تو موئے آئی تو پہلے ہی دن اسے خیال آیا تھا کہ اسٹیشن پر ٹکٹ بیچنا اچھا رہے گا لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسا کام اچھا رہے گا جو بالکل نئے قسم کا اور غیر معمولی ہو اور عورتوں کے کرنے کا کچھ زیادہ ہی لگے۔

اُس نے سوچا نرس بننا اچھا رہے گا لیکن فوراً ہی اس کو یاد آیا کہ جب وہ اسپتال میں زخمی سپاہیوں سے ملنے گئی تھی تو اس نے نرسوں کو انجکشن دیتے دیکھا تھا۔ اب ایسا کام کرنا تو ذرا مشکل ہی ہوگا۔ تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ اچانک وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"ارے واہ میں تو طے کر ہی چکی ہوں کہ کیا کروں گی!"

وہ تائی چان کے پاس گئی جس نے اُسی وقت تیل کا اپنا برنر جلایا تھا۔

"میں سوچتی ہوں جاسوس بن جاؤں۔" اُس نے بڑے فخر سے کہا۔

تائی چان نے برنر کے شعلوں سے نظریں ہٹالیں اور توت توچان کا منہ دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کھڑکی کے باہر کچھ دیر تک دیکھا پھر توت توچان کی طرف مڑا اور اپنی سمجھداری بھری گونج دار آواز میں دھیرے دھیرے بہت سہل زبان میں بولا تاکہ توت توچان سمجھ لے "جاسوس بننے کے لئے بڑا چالاک ہونا پڑتا ہے اور بہت ساری زبانیں بھی جاننی ہوتی ہیں۔"

تائی چان لمبی سانس کھینچنے کے لئے چند لمحے رکا پھر سیدھے توت توچان کی طرف دیکھ کر صاف کہنے لگا "سب سے پہلے تو ایک عورت جاسوس کا خوبصورت ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

آہستہ سے توت توچان نے نظریں نیچی کر لیں اور اپنا سر جھکا لیا تاکہ تائی چان کے گھور کر دیکھنے کا سامنا نہ کر پائے۔ پھر کچھ سوچ کر تائی چان نے بغیر اُسکی طرف دیکھے ہوئے دھیمی آواز میں کہا، "اسکے علاوہ مجھے لگتا ہے کہ اتنا بک بک کرنے والا جاسوس نہیں بن سکتا"۔

توت توچان ہکا بکا رہ گئی۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کے جاسوس بننے کے خلاف تھا بلکہ اس لئے

کہ تائی چان نے جو کچھ کہا وہ سب ٹھیک تھا۔ انہیں سب باتوں کا شبہ اُسے بھی تھا۔ تب اس کو احساس ہوا کہ جاسوس بننے کے لئے جن باتوں اور جس لیاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ جانتی تھی کہ تائی چان نے کسی جلن سے یہ باتیں نہیں کہی تھیں۔ اب تو اسکے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جاسوس بننے کا خیال چھوڑ دے۔ بڑا ہی اچھا ہوا کہ اس نے تائی چان سے اس بارے میں بات کرلی۔

"باپ رے باپ!" اُس نے دل میں سوچا تائی چان اس کو بتائے کہ وہ ماہر طبیعات بننے کی سوچ رہا ہے تو جواب میں وہ بھلا کیا کہے گی اس سے؟

وہ کہہ سکتی ہے کہ "ہاں تم برنر جلا لینے میں بڑے ہوشیار ہو۔ لیکن یہ کیسی بچکانی بات لگے گی؟"

"ارے تم تو جانتے ہی ہو کہ کِت سو کو انگریزی میں فاکس' اور 'ستّ سو کو 'شوز' کہتے ہیں۔ تو میرا خیال ہے کہ تم ماہر طبیعات بن سکتے ہو"۔ نہیں یہ کہنا بھی کچھ زیادہ ٹھیک نہیں رہے گا۔

اُسے پورا یقین تھا کہ کسی بھی چیز میں تائی چان بس کوئی کارنامہ ضرور کرے گا یہ تو طے تھا۔ چنانچہ اس نے تائی چان سے جو فلاسک سے اُٹھتے بلبلے دیکھ رہا تھا بس اتنا ہی کہا، "تمہارا شکریہ۔ تو پھر میں جاسوس نہیں بنوں گی لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ایک بہت اہم آدمی بن جاؤ گے۔"

تائی چان نے کچھ منہ ہی منہ میں بُدبُدا لیا۔ اس نے اپنا سر کھجایا اور پھر اُس کتاب میں ڈوب گیا جو اس کے سامنے کھلی رکھی تھی۔

اگر وہ جاسوس نہیں بن سکتی تو پھر آخر بنے گی کیا؟ توت توچان، تائی چان کے پاس کھڑی اس کے برنر کے شعلوں کو گھور رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

ابّا کا وائلن

اس سے پہلے کہ ان کو پتہ چلتا توت توچان اور اُس کے خاندان کی زندگی پر بھیانک جنگ کے اثرات پڑنے لگے۔ ہر روز ہی آس پڑوس کے آدمیوں اور لڑکوں کو "بن زائی" کے نعروں کے ساتھ رخصت کیا جاتا۔ کھانے پینے کی چیزیں بازاروں سے غائب ہونے لگیں۔ تو موئے میں دن کے کھانے کا جو قاعدہ بنا تھا اُس پر چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ یعنی "کچھ سمندر سے اور کچھ پہاڑوں سے" لانا دشوار ہو رہا تھا۔ اماں اب سمندری گھاس پھوس (Weeds) اور آلو بخارے کے اچار مُربّے سے ہی کام چلا رہی تھیں۔ پھر جلدی ہی یہ سب ملنا بھی مشکل ہو گیا۔ تقریباً

ہر چیز کا راشن ہو گیا تھا۔ بازار میں مٹھائی تو ڈھونڈے نہیں ملتی تھی۔

توت تو چان کو پتہ تھا کہ گھر سے ایک اسٹیشن پہلے سیڑھیوں کے نیچے ایک مشین لگی ہے جس میں اگر آپ ایک سوراخ سے سکہ ڈالیں تو کریمل مٹھائی کا پیکٹ نکل آتا ہے مشین کے اوپر ایک خوبصورت سی تصویر لگی تھی جسے دیکھتے ہی منہ میں پانی آجاتا ہے۔ چھوٹا پیکٹ تو پانچ سین کا اور بڑا پیکٹ دس کا ہوتا تھا۔ لیکن مشین اب تو کافی دن سے خالی پڑی تھی۔ چاہے تم جتنے ہی سکے ڈالو، کتنا ہی اُسے ہلاؤ اس میں سے کچھ نہیں نکلتا تھا مگر اوروں کے مقابلے میں توت تو چان زیادہ ثابت قدمی سے کوشش کرتی رہی۔

"ہو سکتا ہے مشین کے اندر کسی کونے میں ایک پیکٹ اب بھی پڑا ہو۔" وہ سوچتی "شاید وہ اندر کہیں اٹک گیا ہو۔"

ہر دن توت تو چان اپنے گھر سے ایک اسٹیشن پہلے اتر جایا کرتی اور پانچ یا دس سن کے سکے مشین میں ڈالتی لیکن یہی ہوتا کہ اُس کے سکے اُسے واپس مل جاتے۔ وہ ایک کھڑ کھڑاہٹ کے ساتھ باہر آکر گرتے تھے۔ اُنہیں دنوں کسی نے اس کے ابا کو ایک ایسی بات بتائی جس کا زیادہ تر لوگ خیر مقدم کرتے۔ اُس شخص نے کہا کہ اگر وہ باہر جا کر ایک جگہ جسے ہتھیار بنانے والی فیکٹری کہتے ہیں، اور جہاں ہتھیار اور دوسرا جنگی ساز و سامان تیار ہوتا ہے، اپنے وائیلن پر پسندیدہ اور مقبول گیت بجائیں تو اُنہیں چینی، چاول، اور دوسری کھانے کی چیزیں بھی مل سکتی ہیں۔ چونکہ توت تو چان کے ابا کو حال ہی میں موسیقی کا ایک اعلیٰ اعزاز دیا گیا تھا اسلئے کہ وہ وائیلن بجانے والے ایک جانے مانے کلاکار تھے، اُن کے دوست نے یہ بھی کہا کہ انہیں تو ضرور ہی اور بھی بہت سے تحفے ملیں گے۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟" اماں نے اُن سے پوچھا "کیا تم وہاں جا کر وائیلن بجاؤ گے۔"

موسیقی کنسرٹ ان دنوں واقعی کم ہو رہے تھے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مورچوں پر بلائے جا رہے تھے اور آرکیسٹرا بجانے والوں میں کلاکاروں کی کمی ہوتی جا رہی تھی۔ ریڈیو پروگراموں میں بھی زیادہ تر پروگرام اب لڑائی کے متعلق ہونے لگے تھے چنانچہ ابا اور ان کے ساتھیوں کے لئے زیادہ کام نہیں تھا۔

جواب دینے سے پہلے ابا کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے "میں اپنے وائیلن پر اس

طرح کی موسیقی نہیں بجانا چاہتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" اماں بولیں۔ "میں ہوتی تو منع کر دیتی۔ کھانا تو کسی نہ کسی طرح ہمیں مل ہی جائے گا۔"

ابا جانتے تھے کہ توت تو چان کو مشکل ہی سے خوراک مل رہی ہے اور وہ بے کار ہی روز جا کر مٹھائی کی مشین میں پیسے ڈالتی رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ جنگ کے گیت بجا کر انہیں تحفے میں کھانے کی چیزیں مل جائیں گی جو ان کے خاندان کے بڑے کام آئیں گی۔ لیکن ان کو اپنی موسیقی کی اس سے زیادہ قدر تھی۔ ماں کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لئے انہوں نے اس کے لئے کوئی زور نہیں دیا کہ وہ جنگی موسیقی بجائیں۔

"مجھے معاف کر دینا تو تسکی" ابا نے بڑے رنج سے کہا۔

آرٹ نظریہ اور کام کے بارے میں سمجھنے کے لئے توت تو چان ابھی چھوٹی تھی لیکن ایک بات وہ جانتی تھی کہ ابا کو وائیلن سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے خاندان نے انہیں تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔ خاندان کے کئی لوگ اور رشتہ دار تو اُن سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ ابا پر خاصہ برا وقت گزر چکا تھا لیکن تب بھی انہوں نے وائیلن کا اپنا شوق نہ چھوڑا۔ توت تو چان نے بھی اسے بالکل ٹھیک ہی سمجھا کہ اگر وہ کوئی چیز بجانا پسند نہیں کرتے تو ہر گز نہ بجائیں۔ وہ ان کے چاروں طرف اچھلتی کودتی رہی اور پھر خوش ہو کر بولی "کوئی بات نہیں ابا میں بھی تو آپ کے وائیلن سے پیار کرتی ہوں"۔

لیکن اگلے دن وہ اوکایاما اسٹیشن پر پھر اتر گئی اور اُس نے مٹھائی کی مشین کے اندر جھانک کر دیکھا۔ اُس میں سے کچھ نکل پڑے گا اِس کی تو اُسے اُمید نہیں تھی لیکن ابھی بھی آس باقی تھی۔

وعدہ

دن کے کھانے کے بعد بچے جب اپنی میز کرسیاں گول گھیرے میں لگانے لگے تو ہال کافی بڑا لگنے لگا۔

توت توچان نے اپنے دل میں طے کیا کہ "آج میں ہی سب سے پہلے ہیڈ ماسٹر کی پیٹھ پر چڑھ جاؤں گی"۔

اصل میں تو وہ ہر روز ایسا کرنے کا سوچتی تھی مگر سوچ بچار میں چند سیکنڈ لگ ہی جاتے تھے اور اس درمیان میں کوئی اور ہیڈ ماسٹر کی گود میں جا بیٹھتا۔ وہ اسمبلی ہال کے بیچوں بیچ آلتی پالتی مار کر بیٹھا کرتے تھے۔ اور کم از کم دو تین بچے اُن کی پیٹھ پر چڑھ رہے ہوتے تھے۔ تاکہ وہ اُن کی طرف متوجہ ہوں۔

"ارے بھئی رکو۔ رکو نہ" ہیڈ ماسٹر جھوٹ موٹ کی ڈانٹ لگاتے۔ ہنسی سے ان کا چہرہ لال ہو جاتا مگر ایک بار جو بچے ان کی پیٹھ پر قبضہ کر لیتے اور لد جاتے وہ اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار نہ ہوتے۔ اس لئے اگر کسی نے ذرا بھی سستی دکھائی تو اُسے پھر ہیڈ ماسٹر کی پیٹھ پر بھیڑ ہی دکھائی! چنانچہ اس بار توت توچان نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ان کی پیٹھ پر سب سے پہلے لد جائے گی۔ تو جب ہیڈ ماسٹر اسمبلی ہال میں داخل ہوئے وہ وہاں پہلے سے ہی ان کی منتظر تھی۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھی توت توچان چلائی۔ "جناب مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" ہیڈ ماسٹر نے فرش پر بیٹھتے ہوئے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے بھئی بتاؤ۔" توت توچان چاہتی تھی کہ کئی دن کے سوچ بچار کے بعد اُس نے جو طے کیا تھا وہ ان کو بتائے لیکن جب ہیڈ ماسٹر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے تو اُس نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان کی پیٹھ پر نہیں چڑھے گی۔ اُسے جو کچھ کہنا ہے وہ آمنے سامنے رہ کر کہنا ہی زیادہ مناسب ہو گا۔ چنانچہ وہ ان کے بہت قریب بیٹھ گئی۔ بالکل سامنے ہی اس نے اپنا سر ایک طرف ذرا سا ٹیڑھا کر لیا۔ اس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔ ماں بچپن ہی سے اُس کے اس انداز کو "اچھا چہرہ" کہا کرتی تھی "یہی اس کا اتواری بہترین چہرہ تھا۔"

اس طرح مُسکرا کر وہ بڑا پُر اعتماد محسوس کرتی۔ تھوڑا سا دہانہ کھلا ہوا۔ وہ خود یقین کرنے لگتی کہ وہ ایک اچھی بچی ہے۔

ہیڈ ماسٹر بڑی امید بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے "کیا بات ہے۔" انہوں نے آگے جُھک کر پوچھا۔

توت توچان نے بڑی مٹھاس سے کسی بڑی بہن یا ماں کے انداز میں کہا "میں جب

بڑی ہو جاؤں گی تو اسی اسکول میں پڑھانا چاہتی ہوں۔ سچ میں یہی کروں گی۔"

توت توچان کو اُمید تھی کہ ہیڈ ماسٹر مُسکرا دیں گے، لیکن بر خلاف اس کے انہوں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا "تو وعدہ رہا؟"

لگتا تھا واقعی وہ چاہتے ہیں کہ توت توچان ایسا ہی کرے۔

توت توچان نے زور زور سے اپنا سر ہلا کر کہا "میں وعدہ کرتی ہوں۔ اور دل ہی دل میں وہ عہد کر رہی تھی کہ وہ کسی بھی حالت میں وہاں ایک ٹیچر بنے گی۔

اچانک اسے وہ صبح یاد آئی جب وہ پہلے درجے کی طالبہ کی حیثیت سے تو موئے آئی تھی اور آفس میں ہیڈ ماسٹر سے ملی تھی۔ لگتا تھا اس بات کو ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ انہوں نے کس صبر سے چار گھنٹے تک اسکی باتیں سنی تھیں۔ اسے ہیڈ ماسٹر کی وہ آواز یاد آئی جب انہوں نے اس کی باتیں سننے کے بعد اس سے کہا تھا اب تم اس اسکول کی طالبہ ہو گئیں۔ اور آج تو مسٹر کوبایاشی اُسے اُس دن سے بھی زیادہ پیارے لگنے لگے تھے۔ اس نے اپنا یہ ارادہ مستحکم کر لیا کہ وہ ان کے لئے کام کرے گی اور انہیں مدد دینے کے لئے سب کچھ کرے گی۔

جب توت توچان نے وعدہ کر لیا تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش ہوئے اور ہنس پڑے۔ انہیں اپنے بے دانت ہونے کی کوئی پروا نہ ہوئی۔ توت توچان نے اپنی چھوٹی انگلی آگے بڑھائی، ہیڈ ماسٹر نے بھی ایسا ہی کیا ان کی چھوٹی انگلی کس قدر مضبوط لگ رہی تھی۔ اُس پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا تب توچان اور ہیڈ ماسٹر نے قدیم جاپانی رواج کے مطابق اپنی اپنی چھوٹی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر وعدہ کو پکا کیا۔ ہیڈ ماسٹر مُسکرا رہے تھے۔ توت توچان بھی مُسکرا دی۔ ایک دن وہ تو موئے کی ٹیچر بنے گی! کتنا خوش گوار تھا یہ خیال۔

"جب میں ٹیچر بن جاؤں گی"۔۔۔ اس نے ہلکے سے کہا اور خیالوں کی دُنیا میں کھو گئی۔۔۔۔۔ "تو بہت زیادہ پڑھانا نہیں پڑے گا۔ ڈھیر سارے کھیل دن منائے جائیں گے۔ میدانوں میں باورچی خانے ہوں گے، کیمپ لگیں گے اور سیریں ہوں گی!"

ہیڈ ماسٹر بے انتہا خوش تھے۔ توت توچان کو ایک عورت کے روپ میں دیکھنا مشکل تو تھا لیکن انہیں پورا یقین تھا کہ وہ تو موئے میں استانی بن سکے گی۔ بلکہ وہ تو سوچتے تھے کہ تو موئے کا ہر بچہ ایک اچھا ٹیچر بن سکتا تھا کیونکہ وہ شاید ہی کبھی پائے کہ بچپن کیا ہوتا ہے۔

اور اُس وقت جب کہ تو موئے میں ہیڈ ماسٹر اور ان کی ایک طالبہ دس سال یا اس سے بھی آگے ہونے والی ایک بات کے بارے میں پکا ارادہ کر رہے تھے باہر سب لوگ باتیں کر رہے تھے کہ وہ دن دور نہیں جب بموں سے لدے امریکی جہاز جاپان کے آسمانوں پر چڑھ جائیں گے۔

راکی غائب ہوگیا

بہت سے فوجی مارے گئے تھے، کھانے پینے کی چیزوں کی قلت تھی۔ سب لوگ ڈرے سہمے جی رہے تھے، لیکن گرمی کا موسم اسی طرح آیا۔ سورج ان ملکوں پر بھی چمکا جو جیت رہے تھے اور اُن پر بھی جو جیت نہیں رہے تھے۔

توت توچان اپنے چچا کے گھر سے جو کاماکورا میں تھا ابھی ابھی ٹوکیو واپس آئی تھی۔ اب تو موئے میں کیمپ نہیں لگتے تھے اور گرم چشموں والی جگہوں پر جانا بھی ختم ہو چکا تھا۔ لگتا تھا بچے اب کبھی بھی گرمیوں میں وہ مزے نہیں کر سکیں گے جو ایک سال کئے تھے۔ توت توچان تو ہمیشہ ہی گرمیوں کی چھٹیاں اپنے چچازاد بھائی بہنوں کے ساتھ ہی گزارا کرتی تھی جن کا گھر کاماکورا میں تھا، لیکن اس سال وہاں کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ ایک بڑا لڑکا جو رشتہ دار تھا اور بچوں کو بھوتوں کی کہانیاں سنایا کرتا تھا مورچے پر بلایا گیا تھا وہ لڑائی پر چلا گیا تو بھوتوں کی کہانیاں کون سناتا؟ اور چچا جان جو امریکہ میں گزارے ہوئے دنوں کی دلچسپ باتیں بتایا کرتے تھے، پتہ نہیں جھوٹ یا سچ، وہ بھی محاذ پر تھے ان کا نام شوجی تگوچھا تھا اور وہ اول درجے کے کیمرہ مین تھے یعنی فلموں کے لئے تصویریں کھینچنے والے۔

نیویارک میں ٹی ہون نیوز کے بیورو چیف رہنے اور دور مشرق میں امریکن میٹرونیوز کا نمائندہ بننے کے بعد انہیں 'شوتا گوچی' پکارا جانے لگا وہ توت توچان کے ابا کے بڑے بھائی تھے۔ ابا نے تو اپنی اماں کا خاندانی نام اپنے نام کے آگے لگایا تھا کہ اُن کا خاندان چلے ورنہ ابا کا خاندانی نام بھی تاگوچی ہی ہوتا۔ چچا شوجی کی کھینچی ہوئی فلمیں جیسے راباؤل کی جنگ، اور کئی دوسری سینما گھروں میں دکھائی جارہی تھیں لیکن وہ مورچے پر سے صرف فلمیں ہی

بھیجتے تھے، خط کبھی نہیں لکھا اس لئے توت توچان کی چچی اماں اور چچازاد بہنیں بھائی فکر مند رہتے تھے۔ جنگی مورچوں پر تصویریں کھینچنے والے فوٹو گرافر سپاہیوں کو ہمیشہ خطرناک حالت میں ہی دکھاتے ہیں اور ان کو تو آگے بڑھ کر ہی فلمیں کھینچنی پڑتی ہوں گی تاکہ فوجوں کو آگے بڑھتا دکھا سکیں۔ توت توچان کے رشتے دار بزرگ تو یہی کہتے تھے۔

اس بار گرمیوں میں کاموکورا کا سمندری ساحل (بیچ) بھی بڑا سونا سونا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یَت چان کی دلچسپ حرکتیں جاری تھیں۔ وہ شوجی چچا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ یَت چان توت توچان سے بس کوئی ایک سال چھوٹا رہا ہوگا۔ سارے بچے ایک ہی بڑی مچھر دانی والے بستر پر سویا کرتے تھے۔ سونے سے پہلے یَت چان زور سے چلاتا "شہنشاہ زندہ باد" پھر گولی لگے زخمی سپاہی کی طرح دھم سے زمین پر گر پڑتا اور ایسا ظاہر کرتا کہ مر گیا ہے۔ وہ ایسا بار بار کرتا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ جس دن وہ یہ کرتا اُس رات وہ ضرور نیند میں سوتے سوتے چلنے لگتا اور چلتے چلتے پورچ پر سے گر جاتا پھر سارے گھر میں ایک ہنگامہ مچ جاتا۔

توت توچان کی اماں اس بار کاماکورا نہیں گئی تھیں، اس لئے کہ ابا کو کچھ کام تھا۔ اب جبکہ گرمی کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں، توت توچان کو بھوت کی کہانیاں سنانے والے لڑکے کی بہن ٹوکیو پہنچ گئی۔

ہمیشہ کی طرح توت توچان نے گھر پہنچ کر پہلا کام یہی کیا کہ راکی کو ڈھونڈھنے لگی لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ نہ تو وہ گھر میں تھا نہ ہی باغ میں۔ وہ "گرین ہاؤس" بھی نہیں ملا جہاں ابا آرکسٹرا کے پھول اگایا کرتے تھے۔ اب توت توچان کو پریشانی شروع ہوئی۔ اس لئے کہ عام طور پر راکی اسکے گھر پہنچنے سے بہت پہلے ہی اُس کے خیر مقدم کے لئے موجود رہتا تھا۔ توت توچان گھر سے باہر سڑک پر نکل گئی اور راکی کو آواز دینے لگی۔ لیکن وہ پیاری پیاری آنکھیں، کان اور دُم کہیں نظر نہ آئے۔ توت توچان نے سوچا کہ شاید جب وہ اسے ادھر اُدھر ڈھونڈھ رہی تھی تو وہ گھر واپس پہنچ گیا ہو۔ تب وہ دوڑتی ہوئی گھر واپس آئی کہ وہاں دیکھے لیکن راکی نہیں تھا۔

"راکی کہاں ہے اماں؟" اس نے ماں سے پوچھا۔ ماں کو پتہ رہا ہوگا کہ وہ ادھر اُدھر

بھاگی بھاگی راکی کو ڈھونڈھ رہی تھی لیکن وہ ایک لفظ نہیں بولی تھیں۔

"کہاں ہے راکی؟" توت توچان نے ماں کا اسکرٹ کھینچتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

ماں کو جواب دینا مشکل ہو رہا تھا۔ "وہ غائب ہو گیا بیٹی۔" انہوں نے کہا۔ توت توچان کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ غائب کیسے ہو گیا کب؟ اس نے ماں کے چہرے پر سیدھی نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

لگتا تھا ماں کو الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ "اُس کے بعد جب تم کاماکورا کے لئے روانہ ہوئی تھیں"۔ ماں نے بڑے رنج سے کہنا شروع کیا تھا۔ لیکن پھر جلدی سے بولیں "ہم نے اسے بہت ڈھونڈھا، ہر جگہ گئے۔ سب سے پوچھا بھی لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا تمہیں کیسے بتاؤں مجھے بے حد افسوس ہے"۔

اچانک توت توچان پر اصلیت ظاہر ہو گئی، راکی مر گیا ہو گا ماں نہیں چاہتیں کہ میں رنجیدہ ہو جاؤں اس نے دل میں سوچا، "میں جانتی ہوں۔ راکی مر چکا ہے"۔

توت توچان کے لئے بات بالکل صاف تھی۔ ابھی تک وہ چاہے کتنے ہی عرصے کے لئے باہر جاتی راکی گھر سے زیادہ دور کبھی نہیں جاتا تھا۔ معلوم رہتا تھا کہ توت توچان واپس آ جائے گی۔

"راکی مجھے بتائے بغیر تو ہرگز اس طرح نہیں چلا جائے گا"۔ اُس نے من ہی من میں سوچا۔ اُسے اسکا پکا یقین تھا۔

لیکن توت توچان نے اس بارے میں ماں سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ اُسے پتہ تھا کہ اندر ہی اندر کیسا محسوس ہو رہا ہو گا۔ "تعجب ہے آخر وہ چلا کہاں گیا۔" اپنی نظریں نیچی رکھتے ہوئے اُس نے بس اتنا ہی کہا۔

اتنا کہنے کے لئے بس وہ یہی کچھ کر سکتی تھی۔ پھر وہ سیڑھیوں سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ راکی کے بغیر ان کا گھر گھر لگ ہی نہیں رہا تھا۔ کمرے کے اندر پہنچ کر اُس نے نہ رونے کی پوری کوشش کی اور اسکے بارے میں ایک بار پھر سوچا۔ وہ غور کر رہی تھی کہ اُس نے راکی کے ساتھ کوئی برابر تاؤ تو نہیں کیا یا پھر کوئی ایسی بات ہو گی جو اُس نے چھوڑ کر چلے جانے کا ہی سوچ لیا۔

"جانوروں کو ہرگز مت چھیڑنا"۔ مسٹر کوبایاشی تو موئے میں ہمیشہ بچوں سے کہا کرتے تھے۔ "جب جانور تم پر بھروسہ کریں تو انہیں دھوکا دینا بڑا ظلم ہے۔ تو۔ کتے سے کوئی چیز مانگنے کو کہہ کر اُسے کوئی چیز نہ دینا بڑی غلطی ہے۔ کتا پھر تم پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے گا اور ہو سکتا ہے اس کی فطرت خراب ہو جائے۔"

توت توچان نے ان اصولوں پر ہمیشہ عمل کیا تھا۔ اُس نے کبھی راکی کو دھوکہ نہیں دیا۔ جہاں تک یاد آیا اُس نے اُس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی تھی۔

استنے میں اُس کی نظر فرش پر پڑے ہوئے بھالو پر گئی۔ اس کے پیر میں کچھ چپک رہا تھا۔ اب تک تو اس نے اپنے آپ پر قابو رکھا تھا اور بالکل روئی نہیں تھی لیکن اب اس نے جو کچھ دیکھا اس کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی وہ۔ بھالو کی ٹانگوں سے راکی کے بالوں کا ایک گچھا چپکا ہوا تھا۔ کاماکورا جانے سے پہلے صبح کو جب وہ دونوں فرش پر لوٹ پوٹ کا کھیل کھیل رہے تھے تو تب ہی ضرور یہ بال بھالو کے چپکے ہوں گے۔ جرمن شیفرڈ اپنے راکی کے بالوں کو مٹھی میں بھینچتے ہوئے توت توچان رو رہی تھی۔ اس کے آنسو اور سسکیاں رُکے نہ رُکتیں۔

پہلے یاسواکی چان اور اب راکی۔ توت توچان نے ایک اور دوست کھو دیا تھا۔

چائے پارٹی

دی یو چان تو موئے کا چوکیدار تھا۔ سبھی بچے اُسے بہت چاہتے تھے۔ آخر ایک دن اُسے بھی محاذ پر بلایا گیا۔ عمر میں تو وہ بڑا تھا لیکن لوگ اب بھی اسے اس کے بچپن والے نام سے ہی پکارتے تھے۔ ری یو چان ایک فرشتے کی طرح تھا جب کبھی بچے کسی مشکل میں پھنستے وہ مدد کے لئے موجود ہو جاتا۔ ری یو چان سب کچھ کر سکتا تھا۔ وہ بولتا بہت کم تھا بس مُسکرا دیتا۔ مگر اُسے ہمیشہ یہ پتہ رہتا تھا کہ کرنا کیا ہے۔ ایک بار جب توت توچان گندے پانی کے حوض میں جاگری تھی تو اسی نے اُس کو بنا بڑبڑ کے لے جا کر چپ چاپ صاف ستھرا کر دیا تھا۔

''آؤ بچو ہم سب ری یو چان کو ایک زوردار الوداعی پارٹی دیں۔'' ایک دن ہیڈ ماسٹر نے کہا۔ ''چائے پارٹی؟''

جاپان میں، ہری چائے دن بھر میں کئی مرتبہ دی جاتی ہے لیکن دعوت وغیرہ ہو تو چائے کا استعمال نہیں کرتے بلکہ پینے کا ایک بالکل ہی دوسرے قسم کا مشروب ہوتا ہے جو چائے کے پاؤڈر سے تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ توموئے میں چائے پارٹی کی شروعات تو بالکل ہی نئی چیز تھی۔ پھر بچوں کو ہر نئی چیز کرنا اچھا بھی لگتا تھا۔ اس لئے انہیں یہ خیال پسند آ گیا۔ بچوں کو خبر نہیں تھی لیکن ہیڈ ماسٹر نے ایک نیا لفظ ''سواکائی'' جان بوجھ کر ایجاد کیا۔ جس کا مطلب تھا

''چائے پارٹی۔'' حالانکہ الوداعی پارٹی کے لئے ''سوبت سوکائی'' کا لفظ پہلے سے موجود تھا۔ الوداعی پارٹی کہنا تو رنجیدہ اور تکلیف دہ بھی لگتا تھا۔ کم سے کم بڑے بچے تو یہی سوچتے کہ وہ ری یو چان کو واقعی الوداع کہہ رہے ہیں۔ کیوں کہ مورچے پر جانے کے بعد تو کوئی بھی مر سکتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی بچہ چائے پارٹی پر نہیں گیا تھا، اس لئے سبھی بڑے خوش تھے۔

اسکول ختم ہونے کے بعد مسٹر کوبایاشی نے کرسی میزیں اسمبلی ہال میں اس طرح ایک گول گھیرے میں رکھوائیں جیسے دن کے کھانے کے وقت رکھی جاتی تھیں۔ جب سب لوگ اس حلقے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے تو انہوں نے ہر ایک کو ہری چائے کے ساتھ ایک سینکا ہوا اور سوکھا (Squid) کھانے کو دیا۔ لڑائی کے اُن دنوں میں یہ بھی ایک نعمت تھا۔ پھر وہ ری یو چان کے نزدیک جا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اس کے سامنے ساکے (SAKE) کا ایک چھوٹا سا گلاس رکھ دیا۔ یہ وہ راشن تھا جو صرف انہیں کو ملتا تھا جو محاذ پر جا رہے ہوتے تھے۔

''یہ توموئے کے اندر پہلی چائے پارٹی ہے۔'' ہیڈ ماسٹر نے کہا، ''آؤ ہم سب اچھی طرح اور خوب خوشی سے یہ وقت بتائیں۔ اگر تم لوگ ری یو چان سے کچھ کہنا چاہتے ہو تو ضرور کہو۔ تم ایک دوسرے سے باتیں بھی کر سکتے ہو۔ باری باری آؤ اور بیچ میں کھڑے ہو کر اپنی بات کہو''۔

بچوں نے نہ صرف یہ کہ پہلی بار سوکھا اسکوئڈ کھایا تھا بلکہ ری یو چان بھی ان کے ساتھ پہلی بار بیٹھا تھا۔ اور انہوں نے اُسے ''ساکے'' کے گھونٹ لیتے بھی پہلی ہی مرتبہ دیکھا تھا۔

بچے ایک ایک کر کے ری یو چان کے سامنے کھڑے ہوتے رہے اور اس سے باتیں کیں۔ سب سے پہلے کھڑے ہونے والے زیادہ تر بچوں نے اس سے یہی کہا کہ مورچہ پہ جا کر وہ اپنا خیال رکھے اور ہرگز بیمار نہ پڑے۔ پھر مگی تا نے جو توت توچان کی کلاس میں تھا اس سے کہا کہ ''اگلی بار جب میں گاؤں جاؤں گا تو میں تم سب کیلئے جنازے والے سموسے ضرور لاؤں گا۔''

سب لوگ ہنس پڑے۔ مگی تا نے جب پہلی بار انہیں بتایا تھا کہ کسی کے جنازے کے دن اُس نے یہ سموسے کھائے تھے اور وہ بڑے مزیدار تھے۔ اُسکو اب ایک سال سے زیادہ ہی ہو چکا تھا۔ جب بھی وقفہ ملتا وہ وعدہ کرتا کہ سموسے ضرور لائے گا مگر یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوا۔ جب ہیڈ ماسٹر نے مگی تا کو جنازے والے سموسوں کا ذکر کرتے سنا تو چونک پڑے۔

عام طور پر کسی کی الوداعی پارٹی پر جنازے والے سموسوں کا ذکر تو بد شگونی ہی خیال کیا جاتا لیکن مگی تانے تو بڑی معصومیت سے بس اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ایک بڑی مزیدار چیز اپنے دوستوں کو بھی کھلانا چاہتا تھا، جو اس نے کھائی تھی اور اسے اچھی لگی تھی۔ پھر ہیڈ ماسٹر صاحب بھی اوروں کے ساتھ ہنسنے لگے۔ ری یو چان بھی خوب دل کھول کر ہنسا۔ آخر مگی تا اس سے بھی تو ایک عرصہ سے کہہ رہا تھا کہ وہ اُسے یہ مزیدار سموسے کھلائے گا۔

پھر او ای اُٹھا اور اس نے ری یو چان سے وعدہ کیا کہ وہ بڑا ہو کر جاپان کا سب سے بڑا ماہر زراعت بنے گا۔ او ای کے ابا تو دور کی سب سے بڑی پودوں کی نرسری کے مالک تھے۔ اس کے بعد کے ای کو او ای کی کھڑی ہوئی لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔ وہ ہمیشہ کی طرح کھڑی مسکراتی اور شرماتی رہی، پھر اس نے سر جھکالیا اور جا کر اپنا جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر ایک دم توت تو چان جھپٹ کر آگے آئی اور اسکے بدلے بول پڑی، "کے ای کو چان کے چوزے اڑ سکتے ہیں۔ میں نے ابھی اُسی دن تو انہیں دیکھا ہے!"

پھر اماڈیرا بولا "اگر تمہیں کوئی زخمی جانور یا بلی ملے تو میرے پاس لانا میں انہیں اچھا کر دوں گا۔"

تاکاہاشی تو اتنا چھوٹا سا تھا کہ وہ گولے کے بیچ میں پہنچنے کے لئے اپنی میز کے نیچے سے آنکھ جھپکتے ہی نکل پڑا اور خوش ہو کر بولا "شکریہ ری یو چان، ہر طرح کی چیزوں کے لئے تمہارا بہت بہت شکریہ!"

اس کے بعد آئے کو سائی شو کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا، "ری یو چان تمہارا شکریہ کہ ایک دن جب میں گر پڑی تھی تو تم نے میری مرہم پٹی کی تھی۔ میں اس بات کو کبھی بھولوں گی نہیں۔"

اے کو سائی شو کے بڑے چچا روس جاپان جنگ کے مشہور ایڈ مرل ٹوگو تھے اور اس کی ایک اور عزیز اُتسو کو سائی شو تو جاپانی شہنشاہ مئی جی کے دربار کی مشہور شاعرہ تھیں۔ ہیڈ ماسٹر کی بیٹی موچان ری یو چان کو سب سے اچھی طرح جانتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، "اپنا دھیان رکھنا ری یو چان۔ رکھو گے نا؟ اچھا ہم ایک دوسرے کو خط لکھا کریں گے۔" اُس نے کہا۔

توت تو چان تو اتنی ساری باتیں کہنا چاہتی تھی کہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے شروع کرے۔ اُس نے تو بس اس نے اتنا ہی کہا "ری یو چان چاہے تم چلے بھی جاؤ گے تب بھی ہم لوگ ہر روز چائے کی پارٹی کیا کریں گے۔"

ہیڈ ماسٹر کو ہنسی آگئی اور ری یو چان بھی ہنس پڑا۔ پھر سارے بچے ہنسنے لگے یہاں تک کہ خود توت تو چان بھی۔

دوسرے دن ہی توت تو چان کی کہی بات سچ ہو گئی۔ جب بھی وقت ملتا سارے بچے ٹولیاں بنا کر چائے پارٹی کا کھیل کھیلنے لگتے۔ سوکھے اسکوئڈ کی جگہ وہ پیڑوں کی چھال چوستے، چائے کی جگہ بیٹھ کر پانی کا گھونٹ آہستہ آہستہ لیتے۔ کبھی یہ ظاہر کرتے کہ 'ساکے' پی رہے ہیں کوئی یہ کہہ اُٹھتا "میں تمہارے لئے جنازے والے سموسے لاؤں گا"۔ پھر سب مل کر خوب قہقہہ لگاتے، پھر وہ باتیں کرتے اور ایک دوسرے کو اپنے خیالات بتاتے، حالانکہ کھانے کی کوئی اصلی چیز تو ہوتی نہیں تھی پھر بھی چائے کی پارٹی کرنے میں مزا بڑا آتا تھا۔

ری اُو چان کو دی گئی چائے پارٹی، ایک بہترین تحفہ تھا جو وہ بچوں کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ بچوں کے ایک دوسرے سے الگ ہو جانے اور اپنے اپنے راستوں پر چلے جانے سے پہلے واقعی تو موئے میں یہ اُن کا آخری کھیل تھا، حالانکہ اس وقت ان میں سے کسی کو بھی اِس کا خیال تک نہ تھا۔

اِدھر ری او چان ٹوکیو جانے والی ریل گاڑی پر روانہ ہوا اُدھر امریکی ہوائی جہاز آدھمکے اور ہر دن بمباری کرنے لگے۔

سایونارا۔ سایونارا۔ (خدا حافظ۔ خدا حافظ)

تو موئے جل کر خاک ہو گیا۔ یہ حادثہ رات کو ہوا۔ می او چان اُس کی بہن می سا چان، اور ان کی اماں سب ہی تو اسکول سے ملے ہوئے گھر میں رہتے تھے۔ آگ لگی تو یہ سب لوگ بھاگ کر کو ہن بت سو مندر کے تالاب کے پاس تو موئے فارم پر چلے گئے اور محفوظ رہے۔

بہت سارے بی۔۲۹ بمبار ہوائی جہازوں نے، آگ لگانے والے بم برسائے تو وہ اُن ریل کے ڈبوں پر آگرے جو کلاس کی طرح استعمال ہوتے تھے۔

ہیڈ ماسٹر کے خوابوں کا اسکول آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا تھا، بچوں کی ہنسی اور ان کے گانے کی آوازوں کی جگہ جو انہیں بے انتہا عزیز تھیں۔ اب اسکول بھیانک آوازوں کے درمیان گر رہا تھا، مسمار ہو رہا تھا۔ آگ نے جسے بجھانا ناممکن تھا، جلا کر اسکول کو خاک کر دیا۔ پورا جی اوگاؤ کا آگ کی لپیٹ میں گھرا ہوا تھا۔

اس سب کے درمیان ہیڈ ماسٹر صاحب سڑک پر کھڑے تو موئے کو جلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت بھی وہی اپنا پرانا سوٹ پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ جیب میں تھے۔

"اب ہم کس طرح کا اسکول بنائیں؟" انہوں نے اپنے بیٹے تو موئے سے پوچھا جو یونیورسٹی کا طالب علم تھا اور انہیں کے پاس کھڑا تھا۔ تو موئے نے انکی بات سنی وہ سکتے میں آگیا۔

بچوں سے مسٹر کوبایاشی کی بے پناہ محبت اور پڑھانے کی ان کی گہری لگن اور جذبہ اُن شعلوں سے کہیں زیادہ طاقت ور تھے جنہوں نے اسکول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور وہ جل رہا تھا۔ مگر ہیڈ ماسٹر صاحب پُر اُمید تھے۔

توت توچان لوگوں کو بچا کر لے جانے والی ایک ریل گاڑی میں جو ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھی بڑی عمر کے لوگوں کے درمیان دبی ہوئی نیچے فرش پر لیٹی تھی۔ گاڑی شمال مشرق کی طرف جارہی تھی۔ جوں ہی اُس نے کھڑکی سے باہر کی تاریکی کو دیکھا تو اُسے اپنے ہیڈ ماسٹر کے وہ الفاظ یاد آئے جو انہوں نے جدا ہوتے وقت کہے تھے۔ "ہم پڑھیں گے!" ساتھ ہی یاد آرہا تھا اُن کا بار بار اُس سے کہنا" جانتی ہو نہ؟ تم واقعی ایک اچھی لڑکی ہو"۔ وہ ان الفاظ کو بھولنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ سوچتے سوچتے کہ وہ مسٹر کوبایاشی سے پھر ملے گی اس نے اپنے آپ کو محفوظ محسوس کیا اور اسے نیند آگئی۔

ریل گاڑی فکرمند اور پریشان لوگوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے شور مچاتی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

خاتمہ

اب کیا کر رہے ہیں میرے وہ دوست جو کلاس روم کی اُس "ریل گاڑی" میں میرے ساتھ سفر کر رہے تھے؟

اکیرا تاکاہاشی

تاکاہاشی جو "اسپورٹس ڈے" پر انعام جیت لیا کرتا تھا اور جو کبھی ذرا بھی لمبا نہیں ہوا لیکن بڑی شان کے ساتھ اس ہائی اسکول میں داخل ہو گیا جو جاپان میں اپنی رگبی کی ٹیم کے لئے مشہور تھا۔ پھر وہ مے ای جی یونیورسٹی پہنچ گیا اور الیکٹرانک انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرلی۔

آج وہ وسطی جاپان میں جھیل میں ہمانا کے نزدیک ایک بڑی الیکٹرانکس کمپنی میں عملے سے متعلق محکمے کا منیجر ہے۔ اُس پر کام کرنے والوں میں ہم آہنگی رکھنے کی ذمہ داری ہے۔ وہ شکایتوں اور پریشانیوں کے بارے میں سنتا ہے اور تنازعوں کو طے کرتا ہے۔

چونکہ وہ خود بڑی پریشانی جھیل چکا ہے۔ اس لئے دوسرے لوگوں کے مسائل جلدی سمجھ لیتا ہے۔ اس کی ہنس مکھ طبیعت اور پرکشش شخصیت سے بھی ضرور بڑی مدد ملتی ہوگی۔ تکنیکی ماہر کی حیثیت سے وہ نوجوان لوگوں کو بڑی مشینوں کے استعمال کی تربیت بھی دیتا ہے۔

میں تاکاہاشی اور اسکی بیوی سے ملنے ہمامتسو گئی۔ اس کی بیوی ایک رحمدل عورت ہے جو اُسے بخوبی سمجھتی ہے۔ انہوں نے تو موئے کے بارے میں اتنا زیادہ سن رکھا ہے کہ وہ کہتی ہیں لگتا ہے کہ جیسے وہ خود وہاں گئیں ہوں۔ انہوں نے مجھے یقین دلادیا کہ تاکاہاشی کو اپنے بونے ہونے کا ذرا بھی کوئی نفسیاتی الجھن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حق بجانب ہیں۔ ذہنی الجھنوں نے تو اُس کی زندگی کو ہائی اسکول اور یونیورسٹی جیسی جگہوں پر جہاں تعلیم حاصل

کرتا تھا مشکل بنادیا ہوتا اور وہ عملے سے متعلق محکمہ میں ایسا کام کرنے کے قابل ہی نہ رہا ہوتا جیسا کہ وہ کر رہا ہے۔

تو موئے میں اپنے پہلے دن کا ذکر کرتے ہوئے تاکاہاشی نے کہا جب اس نے دیکھا کہ وہاں جسمانی طور پر معذور اور بھی بچے تھے تو اسکی بے چینی فوراً دور ہو گئی تھی۔ اسی لمحے کے بعد سے اُسے احساسِ ملامت کبھی نہیں ہوا۔ اس نے ہر دن پورا لطف اُٹھایا، اتنا کہ اس کی ایک بار بھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ گھر پر رہ جائے۔

اُس نے مجھے بتایا کہ تالاب میں ننگا نہاتے اُسے پہلے تو بڑی شرم آئی تھی لیکن جیسے ہی اس نے ایک کے بعد ایک اپنے کپڑے اتارے تو دھیرے دھیرے احساسِ بے عزتی اور شرمیلا پن غائب ہو گئے۔ پھر وہ اس قدر ہمت والا ہو گیا کہ کھانے کے وقت سب کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کرتے اسے کوئی عار نہیں ہوتا۔

اُس نے مجھے بتایا کہ مسٹر کوبایاشی نے، چھلانگ لگانے کے لئے بنائے گھوڑوں کے اوپر سے کودنے میں جو اُس کے قد سے اونچے تھے اُس کی ہمت بندھائی تھی۔ وہ یقین دلاتے رہتے تھے کہ تم ایسا کر سکو گے۔ حالانکہ اسے اب شبہ ہوتا ہے کہ مسٹر کوبایاشی نے شاید جست لگانے میں اُس کی مدد کر دی تھی، لیکن بالکل آخری وقت میں تاکہ وہ یہی سوچے کہ وہ اپنے آپ ہی کود گیا ہے۔ مسٹر کوبایاشی نے اس میں اعتماد کا جذبہ پیدا کیا اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ کامیابی حاصل کرنے کی اُس خوشی سے ہمکنار ہو جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ جب کبھی وہ پیچھے چھپ جانے کی کوشش کرتا ہیڈ ماسٹر ضرور اُسے آگے لا کر کھڑا کر دیتے تاکہ وہ کسی بھی صورت سے زندگی کی طرف مثبت رویہ اپنانے لگے۔ اسے اب بھی یاد ہے کہ اتنے ڈھیر سارے انعامات جیت کر وہ کس قدر خوش ہوا تھا۔ تاکاہاشی نے ہمیشہ کی طرح جھکتی آنکھوں اور سمجھداری کے ساتھ تو موئے کی ساری باتیں یاد کیں۔

تاکاہاشی کے اس قدر عمدہ آدمی بننے میں ضرور گھر کے اچھے ماحول نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ہو گا، تاہم اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ مسٹر کوبایاشی نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس میں اُن کی نگاہیں بڑی دور تک دیکھ لیتی تھیں۔ جیسے اُن کا مجھ سے بار بار مستقل یہ کہنا کہ "جانتی ہو تم واقعی ایک اچھی لڑکی ہو، اور تاکاہاشی سے جس ہمت افزائی کے

انداز میں وہ کہتے تھے کہ تم اسے بالکل کر سکتے ہو! وہ اسکی زندگی بنانے میں ایک اہم عنصر تھا۔

جب میں ہاماماتسو سے روانہ ہو رہی تھی تو تاکاہاشی نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو میں بالکل بھول چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ تو موئے آتے ہوئے دوسرے اسکولوں کے بچے راستے میں اکثر اسے چھیڑتے اور تنگ کرتے تھے اور جب وہ اسکول پہنچتا تو دل برداشتہ اور رنجیدہ ہوتا۔ میں اُس سے پوچھتی کہ کن بچوں نے ایسا کیا ہے اور پھر پلک جھپکتے ہی میں پھاٹک سے باہر ہوتی۔ کچھ دیر بعد میں بھاگتی ہوئی واپس آتی اور اس کو اس بات کا یقین دلاتی کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے اور پھر ایسا نہیں ہو گا۔

جب ہم رخصت ہونے لگے تو وہ بولا "تب تم مجھے بے انتہا خوش کر دیتی تھیں۔" میں تو یہ بات بھول ہی گئی تھی۔ شکریہ کہ تاکاہاشی تم نے یاد رکھا۔

میں او چان (می او کا نیکو)

مسٹر کوبایاشی کی تیسری بیٹی می او چان نے موسیقی کے کوئی تاچی کالج کے شعبۂ تعلیم سے ڈگری حاصل کی اور اب وہ کالج سے متصل ابتدائی اسکول میں موسیقی کی تعلیم دیتی ہیں۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی چھوٹے بچوں سے بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ تقریباً تین سال کی تھیں تو اُسی وقت سے مسٹر کوبایاشی نے دیکھا کہ وہ موسیقی کے ساتھ ساتھ اپنا جسم ہلاتی ہیں اور باتیں کرنا بھی سیکھتی ہیں۔ اس بات نے انہیں بچوں کی تعلیم میں ان کو بڑی مدد دی۔

ساکو متسویاما (اب مسز سیو)

سکو چان بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی جسکے فرک پر خرگوش بنا تھا اور میں نے اُسے تو موئے میں پہلے ہی دن دیکھا تھا ایک ایسے اسکول میں داخل ہوئی جہاں ان دنوں لڑکیوں کو بڑی مشکل سے ہی لیا جاتا تھا۔ اب اسکول کا نام متاہائی اسکول ہے۔ وہ ٹوکیو میں خواتین کی کرسچین یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں داخل ہوئی اور وائی۔ ڈبلیو سی اے میں انگریزی سکھانے لگی۔ وہ اب بھی ہے۔ گرمی کے دنوں میں کیمپوں میں وہ تو موئے کے اپنے تجربوں کا اچھا استعمال کرتی ہے۔

جاپان کے آپس پہاڑوں کی چومی ہوتاکا پر چڑھائی کے دوران اس کی ملاقات ایک صاحب سے ہوگئی تھی اور اُس نے پھر انہیں سے شادی کرلی۔ اُس نے اپنے بیٹے کا نام سوتاکا رکھا ہے۔ نام کا آخری حصہ اس چوٹی کی یاد منانے کے لئے ہے جس پر ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

تائی جی ناموناوُچی

تائی چان جس نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گا آج جاپان کا سر کردہ ماہر طبیعات ہے۔ وہ امریکہ میں رہتا ہے۔ یہ ذہین لوگوں کے اپنا ملک چھوڑ دینے کی ایک مثال ہے۔ اُس نے ٹوکیو یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے شعبۂ سائنس سے فزکس کی ڈگری حاصل کی۔ سائنس میں ایم اے کرنے کے بعد اُسے فل برائٹ کا اسکالر شپ مل گیا اور وہ امریکہ چلا گیا۔ پانچ سال کے بعد اس نے راچسٹر یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ وہاں بھی ٹھہر گیا اور تجرباتی ہائی انرجی فزکس میں تحقیقاتی کام کرتا رہا۔ آج کل وہ ایک ایلی نوائے کی فرم ایکسلریٹر لیبارٹیری میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے۔ یہ ایک ایسا تحقیقی تجربہ گاہ ہے جہاں امریکہ کی ۵۳ یونیورسٹیوں کے ہوشیار ترین لوگ کام کرتے ہیں یہ ایک بے حد بڑا ادارہ ہے۔ اس میں ۱۴۵ ماہر طبیعات اور ایک ہزار تکنیکی عملے کے لوگ ہیں۔ تو پھر آپ سوچ ہی سکتے ہیں کہ کیسی رغیر معمولی لیاقت والا ہے تائی چان! پانچ سال ہوئے جب اس تحقیقی تجربہ گاہ میں ایک پانچ کھرب (۵۰۰ بلین) الیکٹرون وولٹ کی ہائی انرجی (Beam) بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی تو ساری دنیا کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

حال ہی میں تائی چان نے کولمبیا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کے ساتھ تعاون کرکے ایک ایسی چیز دریافت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ ضرور نوبل حاصل کرے گا۔

تائی چان نے ایک بے حد پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کی ہے جس نے راچسٹر یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ ریاضی میں گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ تائی چان کا دماغ اور ذہن اس قدر اچھا ہے کہ چاہے وہ کسی بھی ابتدائی اسکول میں پڑھا ہو تا وہ ایسی ہی ترقی کرتا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ تو موئے اسکول کے اس طریقے نے اس کی لیاقت بڑھانے میں ضرور مدد دی ہوگی کہ وہاں تو بچوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ جو مضمون جس وقت دل چاہتا

تھا پڑھیں۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے تاکاہاشی کو کلاس میں سوائے اس کے کچھ کرتے دیکھا ہو کہ وہ الکحل کا برنر جلائے اپنے فلاسک اور تجربے کے ٹیوب میں تجربات کر رہا ہے یا پھر سائنس اور طبیعات پر بہت مشکل اور موٹی موٹی کتابیں پڑھ رہا ہے۔

کونیو اوای

اوای یعنی لڑکا جس نے میری چوٹیاں کھینچی تھیں۔ آج جاپان میں دور مشرق میں اگنے والے پھول (Orchids) کا ماہر مانا جاتا ہے۔ اس کے تیار کئے ہوئے بیج یعنی بلب کی قیمت دس ہزار ڈالر تک بھی ہوسکتی ہے۔ وہ ہر وقت سارے جاپان کا سفر ہی کرتا رہتا ہے۔

بڑی مشکل سے میں نے ان دوروں کے بیچ ایک بار اُسے فون پر پکڑا اور ہماری بات چیت کچھ اس طرح ہوئی:

"تم تو موئے کے بعد کس اسکول میں چلے گئے تھے؟"

"میں تو کہیں نہیں گیا۔"

"ارے کسی بھی دوسری جگہ نہیں گئے؟ تو موئے ہی بس تمہارا اسکول رہا؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"کیا تم ثانوی اسکول میں بھی نہیں گئے؟"

"ارے ہاں وہاں گیا تو تھا۔ کی یو شو لیجائے جانے کے بعد میں نے اُوای تا ثانوی اسکول میں کچھ مہینے ضرور گذارے تھے۔"

"لیکن کیا ثانوی اسکول کی تعلیم مکمل کرلینا ضروری نہیں ہے؟"

"یہ تو ٹھیک ہے کہ ضروری ہے لیکن میں نے نہیں کی۔"

"میری توبہ! یہ کیسا بے فکرا ہے۔" میں نے دل میں سوچا۔ جنگ سے پہلے اوای کے والد کی ایک بہت بڑی نرسری ہوا کرتی تھی۔ تو دورروکی نام کے زیادہ تر علاقے میں اس نرسری کے باغ پھیلے ہوئے ہوتے تھے لیکن بمباری سے سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا تھا۔

اوای کی متحمل مزاجی اور پُر سکون فطرت ہماری بقیہ بات چیت میں صاف ظاہر ہوتی ہے جبکہ اُس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا تھا۔

"کیا تم جانتی ہو سب سے زیادہ خوشبو دار پھول کونسا ہوتا ہے؟"

"میرے خیال میں تو یہ موسم بہار میں کھلنے والے ارکِڈ ہیں۔ کوئی بھی خوشبو ان کی خوشبو کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

"کیا یہ بہت مہنگے ہوتے ہیں؟"

"ہاں کچھ ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتے"۔

"یہ پھول کس شکل کے ہوتے ہیں؟"

"اصل میں یہ ذرا بھی شوخ اور بھڑکیلے نہیں ہوتے۔ ان کا رنگ ہلکا سا ہوتا ہے لیکن یہ ہی تو ان کا حسن ہے۔"

اوای جیسا تو موئے میں تھا اُس سے ذرا بھی نہیں بدلا ہے۔ اسکی پُر سکون آواز سن کر میں نے سوچا کہ اُسے تو کوئی بات رتی بھر بھی پریشان نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ یہ بات بھی کہ وہ کبھی ثانوی اسکول پاس نہ کر سکا۔ وہ بس اپنی پسند کا کام کرتا ہے اور واقعی اپنے آپ پر پورا یقین اور بھروسے سے رکھتا ہے۔ میں اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

آئی کوسیشو (اب مسز تناکا)

آئی کوسیشو جس کے بڑے چچا ایڈمرل ٹوگو تھے آؤیاما گاؤں کن کے ایک ابتدائی اسکول سے تو موئے آئی تھی۔ میں اس کے بارے میں سوچا کرتی ہوں کہ وہ ایک بڑی سنجیدہ سی اور متین نوجوان خاتون ہے۔ وہ شاید اس لئے ایسی لگتی تھی کہ اس کے ابا کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ تیسری گارڈز رجمینٹ میں میجر تھے اور منچوریا کی لڑائی کے دوران مارے گئے تھے۔

کاما کورا گرلس ہائی اسکول پاس کر کے آئی کو نے فنِ تعمیر کے ایک ماہر سے شادی کر لی۔ آج جب کہ اس کے دونوں بیٹے بڑے ہو گئے ہیں اور اپنی تجارت کر رہے ہیں تو آئی کو فرصت کا اپنا سارا وقت شعر و شاعری میں گذارتی ہے۔ وہ نظمیں لکھتی ہے۔

"اچھا تو تم اپنی نامور خالہ کی روایت کو آگے بڑھا رہی ہو جو شہنشاہ میجی کے دربار میں ملکِ شعرا تھیں؟"

"ارے نہیں!" اس نے جواب دیا اور کچھ پریشان سی ہو کر ہنسنے لگی۔ تم اب بھی اتنی ہی منکسر المزاج ہو جتنی تو موئے میں تھیں۔ میں نے کہا" اور اتنی ہی ایک خاتون جیسی بھی۔" اس کا جواب یوں دے کر کچھ اس نے ہمت دکھائی۔ "جانتی ہو؟ میرا جسم ویسا ہی ہے جیسا اُس وقت تھا جب میں بن کے ای کا پاٹ ادا کیا کرتی تھی۔"

اُس کی آواز سن کر مجھے لگا کہ اُس کے گھر کا ماحول کس قدر مہر و محبت والا اور خوشیوں سے بھرا ہو گا۔

کے ای کو آؤکی (اب مسز کوابارا)

کے ای کو چان کی شادی، جس کے پاس اڑ سکنے والے چوزے تھے۔ کے ای او یونیورسٹی کے ابتدائی اسکول میں پڑھانے والے ایک ٹیچر کے ساتھ ہو گئی تھی ہے۔ اُس کی ایک شادی شدہ بیٹی ہے۔

می گی تا

می گی تا نے، جو لڑکا ہر وقت وعدہ کرتا رہتا تھا کہ جنازے والے دن کے سموسے لائے گا۔ باغبانی کی ڈگری حاصل کی۔ لیکن اُسے ڈرائنگ کا بے حد شوق تھا۔ تو وہ پھر سے کالج میں واپس چلا گیا اور اس نے مُساشینو فائن آرٹ کالج سے ڈگری حاصل کی۔ آج وہ خود اپنی گرافک ڈیزائن کی کمپنی چلا رہا ہے۔

ری او چان

اسکول کا دربان جو لڑائی پر چلا گیا تھا زندہ سلامت گھر لوٹ آیا۔ وہ تو موئے میں ہر سال تیسری نومبر کو بچھڑے ہوؤں کے اجتماع میں شرکت کرنے ضرور آتا ہے۔ کبھی بھولتا نہیں۔

بچپن کی یادوں کا یہ دلکش سلسلہ ٹوکیو کے ایک مثالی اسکول کے بارے میں بتاتا ہے جو دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں تھا جہاں علم حاصل کرنے کو تفریح، آزادی اور پیار

سے جوڑا جاتا تھا۔ اس غیر معمولی اسکول میں ریل کے پرانے ڈبوں کو کلاس روم بنایا گیا تھا اور اس کو چلانے والی شخصیت تھے اس کے بانی اور ہیڈ ماسٹر سو سا کو بابا شی۔ جو آزادی، اظہار اور سرگرمیوں میں گہرا یقین رکھتے تھے۔

اس کتاب کی توت تو چان، اصلی زندگی میں، جاپان میں ٹیلی ویژن کی مقبول ترین ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ نام ہے تت سو کو کورویاگی۔ وہ اپنی کامیابی کو اس حیرت انگیز اسکول اور اُس کے ہیڈ ماسٹر سے منسوب کرتی ہیں۔

کتاب کے حسن بیان نے، سبھی عمر کے لاکھوں لوگوں کے دل موہ لئے ہیں اور یہ کتاب آج جاپان میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی بہترین کتاب (Best Seller) مانی جاتی ہے۔ اشاعت کے پہلے ہی سال میں اسکی پینتالیس لاکھ کاپیاں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔

مترجم

ڈرو تھی بری ٹن، ایک شاعرہ ادیبہ اور کمپوزر ہیں۔ وہ پیدا تو جاپان میں ہوئیں لیکن تعلیم امریکہ اور انگلینڈ میں حاصل کی۔ ڈیری اُس مل ہاؤ (DARIUS MILHAUD) کی شاگردہ ہیں۔ وہ کیپٹل ریکارڈوں کا بیحد مقبول البم "جاپانی خاکے" تیار کرنے کے لئے بڑی مشہور ہیں جس میں تت سو کو کورویانگی کے والد نے اکیلے وائلن بجایا ہے۔

وہ جاپانی اور ہیرا یوزورو کے انگریزی Libretto اوبے کو کاسفر کی مصنفہ بھی ہیں۔ یہ جاپانی شاعر باشو کی نظم "ایک دور دراز صوبے کی تنگ سڑک" کا بہت ہی شاندار ترجمہ ہے۔

مصنفہ (TOTSUKO KUROYANAG)

تت سو کو کورویانگی ٹوکیو میں پیدا ہوئیں۔ وہ مسلسل پانچ برس تک ٹی۔ وی کی مقبول ترین شخصیت چنی گئیں انھوں نے ٹوکیو کالج آف میوزک میں اوپیرا گانے کی تعلیم حاصل کی لیکن پھر ایک اداکارہ بن گئیں۔ جلد ہی انہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر اُن کے عمدہ کام کے لئے اعلیٰ اعزاز دیا گیا۔ 1972ء کا سال انہوں نے امریکہ میں گذارا۔ اس عرصے میں انہوں نے اداکاری سیکھی اور ایک کتاب لکھی عنوان تھا "نیویارک سے محبت کے ساتھ"۔

1975ء سے وہ ٹیلی ویژن پر "تت سو کو کا کمرہ" نامی جاپان کا پہلا بات چیت کا

پروگرام روزانہ پیش کر رہی ہیں۔ اسے حال ہی میں ٹی۔ وی کا اعلیٰ انعام دیا گیا۔ یہ پروگرام اور ٹی۔ وی پر ان کے دوسرے پروگراموں کو جو کہ برابر ہوتے رہتے ہیں ناظرین نے اول درجے کا قرار دیا ہے۔ تت سو کو فلاح و بہبود کے کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ وہ بہرے افراد کے لئے امریکہ کے قومی تھیٹر کو دو مرتبہ جاپان لا چکی ہیں اور انہوں نے اس کے اداکاروں کے ساتھ، خود بھی بہرے لوگوں کے اشاروں والی زبان میں اداکاری کی ہے۔ توت تو چان، فاؤنڈیشن جوان کی کتاب سے ملنے والی رائلٹی سے قائم کیا گیا ہے۔ بہرے اداکاروں کو پیشہ ورانہ تربیت دیتا ہے جن کے ساتھ وہ خود بھی اکثر اداکاری کرتی ہیں۔ "پانڈا اور میں" نامی کتاب کی مصنفہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ جنگلات کے تحفظ کی حامی بھی ہیں۔ انہیں "عظیم پانڈا" میں بہت عرصے سے گہری دلچسپی ہے۔ وہ جاپان میں ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ کی ڈائریکٹر ہیں۔